حصّہ دوم

آگ اور صلیب

باب ۱۲

مشرق اور مغرب کی جنگوں کا نیا دور ایران میں کسریٰ نوشیرواں اور بازنطینی[1] روم میں قیصر جسٹنین کے اقتدار کے ساتھ شروع ہوا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رومی بڑی تیزی کے ساتھ مشرق اور مغرب کی طرف پھیل رہے تھے۔ اہل حبشہ حمیری فرمانرواؤں کو شکست دے کر یمن پر قبضہ کر چکے تھے اور چونکہ وہ مذہباً عیسائی تھے اس لئے رومی اُن کی پشت پناہی کرتے تھے۔ ایرانیوں کو اپنے ہمسایہ ملک کے ایک اہم حصہ پر روم کے عیسائی حلیفوں کی فتح گوارا نہ تھی۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اہل حبشہ مشرق کی طرف رومیوں کے اثر و اقتدار کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ شام اور عراق کی سمت عرب کی سرحدوں کے ساتھ غسانی اور لخمی خاندانوں کی منافرتیں بھی روم و ایران کے لئے وجہ نزاع بن گئی تھیں۔ حیرہ کے لخمی حکمران ایرانیوں کے حلیف اور شام کے غسانی فرماں روا رومیوں کے باجگزار تھے۔ اور ان دو خاندانوں کی نہ ختم ہونے والی جنگیں رومیوں اور ایرانیوں کو بھی بتدریج میدان کارزار کی طرف دھکیل رہی تھیں۔

چنانچہ کسریٰ نوشیرواں نے ایران کے اندرونی خلفشار سے نجات حاصل کرتے ہی بازنطینی سلطنت کی مشرقی سرحدوں پر دھاوا بول دیا اور شام کے باشندے پھر ایک بار آگ اور خون کے طوفان کی تباہ کاریاں دیکھ رہے تھے۔ لیکن قیصر

---

[1] روم کی مشرقی سلطنت جس کا دارالحکومت قدیم بازنطین یا قسطنطنیہ تھا۔ ۳۳۰ء کے بعد اسی سلطنت کو صحیح معنی میں رومی سلطنت سمجھا جاتا ہے۔

جسٹنین کے ہوشیار اور تجربہ کار جرنیل بلیساریوس نے ایرانی لشکر کی پیش قدمی روک دی اس کے بعد چند سال امن کے گزرے لیکن ۵۴۰ء میں نوشیرواں نے تین لاکھ فوج کے ساتھ شام پر یلغار کی اور راستے کی آبادیوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد حلب کے خوبصورت شہر کو آگ لگا دی۔ ان ایام میں رومی افواج یورپ میں برسرِ پیکار تھیں۔ نوشیرواں نے شام میں رومیوں کی کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا اور حمص کے تمام نواحی علاقے تباہ و ویران کرنے کے بعد انطاکیہ کی طرف جا نکلا یہ قسطنطنیہ اور اسکندریہ کے بعد بازنطینی سلطنت کا تیسرا عظیم شہر تھا۔ اور ایرانی لشکر نے یہاں بھی حلب اور حمص کی طرح پوری سفاکی اور درندگی کا مظاہرہ کیا۔ شام کے کئی اور شہروں کو لوٹنے کے بعد نوشیرواں نے واپس مدائن کا رُخ کیا تو مفتوحہ علاقوں کے ہزاروں مرد اور عورتیں جنگی قیدیوں کی حیثیت سے اُس کے ساتھ تھیں۔ ان قیدیوں کے لئے اُس نے مدائن سے ایک دن کے فاصلے پر ایک نیا شہر آباد کیا۔

کچھ مدت آرام کرنے کے بعد اُس نے مشرق اوسط میں رومیوں کا رہا سہا اقتدار ختم کرنے کے لئے فلسطین پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن قیصر روم نے بلیساریوس کو جو اٹلی میں یورپ کے وحشی قبائل کے خلاف معروفِ پیکار تھا دوبارہ مشرقی محاذ پر بلا لیا۔ روم کے اسی تجربہ کار جرنیل نے اچانک ایران کی سرحد پر پہنچ کر نوشیرواں کو نہ صرف یروشلم کی طرف پیش قدمی کا ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا بلکہ ایران کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ نوشیرواں کے لئے اپنے لشکر کے اُن دستوں کو بھی واپس بلانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا، جو ابھی تک ایشیائے کوچک میں لوٹ مار کر رہے تھے۔ لیکن اُس وقت، جب بلیساریوس فرات کے کنارے ایرانیوں سے کسی فیصلہ کن لڑائی کی تیاریاں کر رہا تھا، قسطنطنیہ کے دربار میں اُس کے خلاف سازشیں شروع ہوئیں اور اسے واپس بلا لیا گیا۔ اس کے بعد روم اور ایران کے حکمرانوں نے مصالحت کر لی اور چند سال امن سے گزر گئے۔ جسٹنین کی وفات کے بعد روم کی عنانِ اقتدار اُس کے بھانجے جسٹنین ثانی کے ہاتھ میں آئی اور اُس نے بھی چند سال نوشیرواں سے الجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی لیکن اچانک یمن کے حالات نے روم و ایران کے درمیان تصادم کی ایک نئی صورت پیدا کر دی۔

۵۷۰ء میں یمن کے حبشی حکمران ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی، اُس کا مقصد ایک طرف اُس قدیم تجارتی شاہراہ پر مکمل قبضہ جمانا تھا جو یمن اور شام کی تجارتی منڈیوں کو ملاتی تھی اور دوسرا مکہ کی مذہبی حیثیت کو ختم کر کے عرب میں عیسائیت کا راستہ صاف کرنا تھا۔ ابرہہ کو یقین تھا کہ مکہ میں خانہ کعبہ کو مسمار اور حجرِ اسود کو وہاں سے اٹھا کر یمن کے عبادت خانے میں

منتقل کر دینے کے بعد وہ مکہ کی بجائے یمن کو عربوں کی توجہ کا مرکز بنا سکے گا اور اس طرح وہ عیسائیت کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ اہل روم اس بات پر خوش تھے کہ عرب کے جنگجو قبائل عیسائیت قبول کرنے کے بعد ابرہہ کے زیر اثر اُن کے حلیف بن جائیں گے اور اُن کی متحدہ قوت ایرانیوں کے خلاف استعمال کی جا سکے گی۔ چنانچہ جب ابرہہ نے اپنے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تو قیصر اور کلیسا کی دعائیں اُس کی جلو میں تھیں۔ اب عرب کے بے آب و گیاہ صحراؤں کے پسماندہ جاہل اور بے راہ رو باشندوں کے مستقبل کے افق پر نئی تاریکیوں کا اضافہ ہونے والا تھا۔ کسی بیرونی تسلط سے آزادی اُن کی آخری نعمت تھی اور اب یہ نعمت بھی اُن سے چھننے والی تھی۔ ابرہہ ایک ایسی فوج کا سپہ سالار تھا جس کا ہر سپاہی فتح کے یقین سے سرشار تھا۔ اُس کے سامنے وہ میدان تھے جو دشمن کی صفوں سے خالی تھے۔ وہ ایک ایسی بستی کو تاخت و تاراج کرنے جا رہا تھا جس میں نہ فصیلیں تھیں، نہ قلعے۔

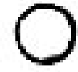
لیکن اہل مکہ کی تمام کمزوریوں اور بداعمالیوں کے باوجود احکم الحاکمین کو ابرہہ کے ہاتھوں اُس گھر کی تباہی منظور نہ تھی جس کی بنیاد خلیل اللہؑ نے رکھی تھی۔ وہ اس گھر کو اُس چراغ کے لئے محفوظ رکھنا چاہتا تھا جس کے نور سے مشرق و مغرب کے ظلمت کدے روشن ہونے والے تھے۔

مغربی مورخ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر سے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اہل مکہ اس کا مقابل کوئی نہ تھا۔ وہ اس واقعہ کو بھی نہیں جھٹلاتے کہ اُسے عبرتناک شکست ہوئی تھی لیکن یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آ سکی کہ ابرہہ کے ہاتھی ابابیلوں کے خدائی لشکر کے سامنے عاجز آ گئے تھے۔

ابرہہ کی شکست سے عرب کو اپنے پنجۂ اقتدار میں لانے کے متعلق رومیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ پھر جب اُس کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کی جنگ چھڑی تو حمیری خاندان کا ایک شہزادہ گمنامی کے پردوں سے نکل کر مدائن پہنچا اور اہل حبشہ کو یمن سے نکالنے کے لئے نوشیرواں سے اعانت کا طلبگار ہوا۔ نوشیرواں ایک مدت سے موقع کا منتظر تھا۔ چنانچہ اُس نے کسی توقف کے بغیر یمن پر چڑھائی کر دی۔ ایرانی افواج نے ایک ہی ریلے میں اہل حبشہ کو یمن کی حدود سے باہر دھکیل دیا۔ لیکن حمیری شہزادے کو جلد ہی اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ اُس کی کوشش کا ماحصل آقاؤں کی تبدیلی کے سوا کچھ نہیں۔ یمن جو قریباً نصف صدی تک اہل حبشہ کی شکارگاہ رہ چکا تھا اب ایرانیوں کی شکارگاہ بن گیا تھا۔ ایرانیوں کے ہاتھوں حبشہ کی افواج کی شکست کی اطلاع قسطنطنیہ پہنچی تو شہنشاہ جسٹنین نے

نوشیرواں کے خلاف اہل حبش اور وسطی ایشیا سے لے کر مشرقی یورپ تک کے منگول اور ترک قبائل کا ایک متحدہ محاذ بنا لیا۔ نوشیرواں نے اہل روم کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملتے ہی چڑھائی کر دی۔ جب وہ شام کے شہروں کو تاخت و تاراج کر رہا تھا تو اُس کے ایک جرنیل آذرمان نے بابل سے پیش قدمی کی اور شمال مغرب کی طرف اپنے راستے کی بستیوں اور شہروں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد انطاکیہ کے مضافات تک جا پہنچا۔ قسطنطنیہ کے عوام پر ایرانی فتوحات کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے حکمران کے خلاف ہو گئے اور جسٹنین کو شرم و ندامت کے باعث اپنے تخت و تاج سے دستبردار ہونا پڑا۔ نئے حکمران طائبیریس نے ہوشمندی سے کام لے کر تین سال کے لئے عارضی صلح کر لی۔ لیکن اس دوران میں اہل روم پورے جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی تیاریاں کرتے رہے۔ تین سال بعد رومیوں کی تیاریوں کا یہ عالم تھا کہ دریائے رائن سے لے کر ایلپس کے پہاڑوں تک یورپ کی جنگجو اقوام کے قریباً ڈیڑھ لاکھ سوار مشرق کا رُخ کرنے کے لئے طائبیریس کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ نوشیرواں کو ان تیاریوں کی اطلاع اُس وقت ملی جب روم کے سفیر اُس کے دربار میں دائمی مصالحت کی تجاویز پیش کر رہے تھے۔ چنانچہ ہوشیار سفیروں کو اُس کا آخری جواب یہ تھا۔ "تم جاؤ اور مزید گفتگو کے لئے قیساریہ میں ہمارے لشکر کی آمد کا انتظار کرو۔"

چند ہفتے بعد ایران اور روم کے سپاہی دریائے فرات کے کنارے نبرد آزما تھے۔ ایرانی اپنے مورچوں سے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے اور رومی دست بدست لڑائی کے لئے اُن کے قریب آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک ترک سردار نے جو رومی لشکر کے دائیں بازو کی کمان کر رہا تھا، اچانک ایرانی فوج کے میمنہ پر حملہ کر دیا اور دشمن کی صفیں درہم برہم کرتا ہوا نوشیرواں کے کیمپ تک جا پہنچا۔ اُس نے شاہی خیمے کی طنابیں کاٹ ڈالیں۔ سونے کی انگیٹھی میں مقدس آگ کے شعلے بجھا دیئے اور اپنے جانبازوں کے ساتھ فتح کے نعرے لگاتا ہوا واپس آ گیا۔ اس کے بعد باقی دن فریقین اکا دکا حملوں پر اکتفا کرتے رہے۔ رات کے وقت جب رومی افواج آرام کے لئے پیچھے ہٹ گئیں تو ایرانیوں نے شبخون مار کر ان کا کیمپ لوٹ لیا، تاہم دن بھر کے نقصانات اور ان سے زیادہ مقدس آگ بجھ جانے کے باعث مجوسیوں کے حوصلے اِس قدر پست اور ان کا جوش اس قدر ٹھنڈا ہو چکا تھا کہ نوشیرواں کو پسپائی ہی میں خیریت نظر آئی اور اُس نے ایک ہاتھی پر سوار ہو کر دریائے فرات عبور کر لیا۔ رومیوں نے پیش قدمی کر کے بحیرۂ خزر کی چند بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا اور ستر ہزار ایرانیوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے جنہیں بعد میں سائپرس بھیج دیا گیا۔



موسم بہار کی آمد پر رومی لشکر نے دوبارہ پیش قدمی کی اور اشوریا کے کئی زرخیز علاقے تباہ کر دیئے۔ ایران کے عمر رسیدہ حکمران کو بالآخر موت کی آغوش میں پناہ ملی اور امرا نے اس کی آخری نصیحت پر عمل کرتے ہوئے رومیوں کے خلاف جوابی کاروائی کا ارادہ ترک کر دیا۔

نوشیرواں کے بعد ایران کے تخت پر اُس کا بڑا بیٹا ہرمز رونق افروز ہوا۔ یہ خود پسند اور مغرور حکمران ہر معاملے میں اپنے باپ کی ضد ثابت ہوا۔ اس نے نوشیرواں کے وفادار ساتھیوں کو ایک ایک کر کے دربار سے نکال دیا اور ان کی جگہ ذلیل اور خوشامدی اپنے گرد جمع کر لئے۔ ایران میں جبر و تشدد کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جب عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور بعض علاقوں میں بغاوت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو مدائن کے مغرب کی طرف سے شہنشاہ روم اور شمال کی طرف سے خاقانِ ترک کی پیش قدمی کی خبریں آنے لگیں۔ ان غیر یقینی حالات میں ایران کو ایک لیڈر مل گیا اور محبانِ وطن ہرمز کے خلاف انتہائی نفرت و حقارت کے باوجود ملک کی حفاظت کے لئے اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس اولوالعزم لیڈر کا نام بہرام چوبین تھا اور وہ رے کے قدیم شاہی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔

نوشیرواں کی فوج کے ایک جرنیل کی حیثیت سے بہرام نے رومیوں کے خلاف بعض معرکوں میں غیر معمولی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ملک کی حفاظت کا ذمہ لینے کے بعد اس دیو قامت انسان نے ایرانی عوام اور فوج میں ایک نئی روح پھونک دی۔ خاقان نے ایک لاکھ جنگجو ترکوں کے ساتھ دریائے جیحوں عبور کر لیا لیکن ایک کوہستانی علاقے میں پیش قدمی کرتے وقت اُسے ایرانی تیر اندازوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور ترک شدید نقصان اٹھانے کے بعد پسپا ہو گئے۔ لیکن ہرمز نے محسوس کیا کہ سلطنت کے اندر اُس کا ایک طاقتور حریف پیدا ہو گیا ہے۔ خوشامدی امراء نے اُس کے کان بھرے کہ بہرام نے مالِ غنیمت کا کچھ حصہ چھپا لیا ہے اور یہ ظالم اور بے وقوف حکمران اُسے نیچا دکھانے کی تجاویز سوچنے لگا۔

بہرام ترکوں کے خلاف لڑائی سے فارغ ہوا تو اُسے یہ اطلاع ملی کہ رومی افواج دریائے فرات کے کنارے پہنچ چکی ہیں۔ چنانچہ اُس نے کسی توقف کے بغیر پیش قدمی کی اور دریا کے کنارے پہنچ کر رومی سپہ سالار کو پیغام بھیجا

کہ یا تو مجھے دریا کے پار آنے دو یا خود اسے عبور کر کے میرے مقابلے میں آجاؤ۔ رومی لشکر کے سپہ سالار نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں تمہیں دریا کے پار آنے کا موقع دینے کو تیار ہوں۔ بہرام مکمل تیاریوں کے بغیر دریا عبور کرنے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ اُس نے مزید سپاہی اور جنگی سامان جمع کرنے میں کئی دن صرف کر دیئے۔ عوام اپنے بادشاہ سے نفرت کے باوجود ایک بہادر جرنیل کا ساتھ دینے کو تیار تھے اور وہ جوق در جوق ایرانی لشکر کے کیمپ میں جمع ہونے لگے، لیکن ہرمز بہرام کی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی سے اِس قدر خائف ہو چکا تھا کہ اُسے ایران کی فتح یا شکست سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ وہ ہر قیمت پر اُس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن مدائن سے ایک ایلچی بہرام کے پاس پہنچا اور اُس نے ایک اٹیرن اور نسوانی لباس پیش کرتے ہوئے کہا: "شہنشاہ والا تبار کا حکم ہے کہ تم سپاہی کا لباس اتار کر عورت کا لباس پہن لو اور یہ اٹیرن لے کر لشکر کے سامنے سے گزرو۔"

ہرمز اور اُس کے سازشی وزیروں کا خیال تھا کہ بہرام فوج کے سامنے اپنی یہ توہین برداشت کرنے کی بجائے مستعفی ہو کر بھاگ جائے گا لیکن اُس نے اپنے بادشاہ کے احمقانہ حکم کی تعمیل میں نسوانی لباس پہنا اور اٹیرن ہاتھ میں لے کر باری باری صف بستہ سپاہیوں کے سامنے سے گزرنے لگا۔ محبانِ وطن خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ اور بعض سر پھروں نے بادشاہ کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے، تاہم اپنے سپہ سالار کی فرمانبرداری دیکھ کر کسی کو علمِ بغاوت بلند کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ہرمز کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو اُس نے دوسرے ایلچی کو یہ حکم دے کر بھیج دیا کہ بہرام کو پابہ زنجیر میرے سامنے حاضر کرو۔ اس عرصے میں فوج کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا چنانچہ جب ایلچی بادشاہ کا حکم سنا رہا تھا تو سپاہیوں نے اُسے پکڑ لیا اور باندھ کر ہاتھی کے آگے ڈال دیا۔ بہرام نے رومیوں سے جنگ کا ارادہ ترک کر کے مدائن کا رُخ کیا اور شاہی محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اِس کے بعد باغی فوج نے اُن قید خانوں کے دروازے کھول دیئے جہاں سینکڑوں بے گناہ اپنے ظالم حکمران کی بدانجامی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب باغی شاہی محل کے اندر داخل ہوئے تو رہائی پانے والے قیدی اُن کی اگلی صف میں تھے۔ ایک ساسانی شہزادے نے شکست خوردہ حکمران کو پکڑا اور محل سے باہر لا کر اُس قید خانے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دھکیل دیا جہاں وہ خود رہ چکا تھا۔

ہرمز کا بڑا بیٹا خسرو پرویز باغیوں کے حملے کے وقت شہر سے بھاگ گیا تھا۔ لیکن بعض امراء اُسے تخت پر

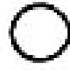
بٹھانے کا وعدہ کرکے واپس لے آئے۔ ہرمز پر مقدمہ چلایا گیا، شہنشاہ ایران مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا اور انصاف کی کرسیوں پر وہ لوگ رونق افروز تھے جنہیں بہرام نے قید خانوں سے نکالا تھا۔ بادشاہ نے عدالت کو متاثر کرنے کے لئے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ التجائیں کیں۔ پھر جب اُس نے دیکھا کہ امراء متاثر ہو رہے ہیں تو اچانک اپنا انداز بدل لیا اور دوسروں کو اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں کا ذمہ دار ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اپنے بڑے بیٹے خسرو پرویز پر مختلف الزامات عائد کرنے کے بعد اُس نے عدالت سے اپیل کی کہ اگر تمہیں میری حکومت پسند نہیں تو میں تخت و تاج سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں لیکن میری آخری التجا یہ ہے کہ میری جگہ تم ہرمزد خسرو پرویز کی بجائے میرے چھوٹے بیٹے کو اپنا حکمران تسلیم کرلو۔ امراء اس پر مشتعل ہوگئے، انہوں نے ہرمز کے چھوٹے بیٹے اور اُس کی ماں کو موت کے گھاٹ اتار کر اُن کی لاشیں بے حرمتی کے لئے عوام کے حوالے کردیں۔ پھر گرم سلاخوں سے ہرمز کی آنکھیں نکلوا دیں اور پرویز کے سر پر تاج رکھ دیا۔

نئے حکمران نے کچھ عرصہ انقلابیوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اُس کے پاؤں جم گئے تو وہ بہرام کے اثر و رسوخ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدابیر سوچنے لگا۔ مجوسی کاہن اور امراء کو بھی یہ بات پسند نہ تھی کہ بہرام سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بن جائے چنانچہ انہوں نے پرویز کو نسبتاً کمزور سمجھ کر اپنا مستقبل اُس سے وابستہ کردیا۔ جب عوام کا جوش و خروش قدرے ٹھنڈا ہوا تو پرویز نے اپنے اندھے باپ کو قید خانے سے نکالا اور اپنے محل میں لے آیا۔ ہرمز کی زندگی کی ساری دلچسپیاں اب صرف اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل تک محدود تھیں۔ لیکن پرویز اُس کی ملامت بھی برداشت کرتا رہا۔

بہرام جس کے لشکر نے شہر کے باہر پڑاؤ ڈال رکھا تھا اس صورت حال سے خوش نہ تھا۔ ملک کو ہرمز کے مظالم اور بے اعتدالیوں سے نجات دلانے کے بعد اُسے امید تھی کہ عوام، امراء اور مجوسی کاہن اُسے کندھوں پہ اٹھا کر حکومت کی مسند تک لے جائیں گے لیکن اس انقلاب کے نتائج اُس کی توقعات کے سراسر خلاف تھے۔ وہ امراء جنہیں اُس نے قید و بند کی صعوبتوں سے نجات دلائی تھی اُس کا ساتھ چھوڑ کر پرویز کے گرد جمع ہو رہے تھے اور وہ بددیانت لوگ جنہیں اُس کے سپاہیوں نے قوم اور ملک کے بدخواہ سمجھ کر قید میں ڈالا تھا رہا کئے جا رہے تھے۔ اور عوام جو اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشاروں پر چلنے کے عادی تھے اُسے بھلا چکے تھے۔ چنانچہ حالات اس قدر بگڑ گئے کہ پرویز اور بہرام کھلے بندوں

دوسرے کے سامنے آگئے۔ پرویز اپنے محافظ دستوں اور مدائن کے عوام کو میدان میں لے آیا لیکن اُسے بہرام کے آزمودہ کار سپاہیوں کے مقابلے میں شکست ہوئی اور متلون مزاج اُمراء اُس کا ساتھ چھوڑ کر بہرام سے جا ملے۔ شاہی خاندان کا ایک بااثر آدمی جو بہرام کا ساتھ چھوڑ کر پرویز کا حلیف بن گیا تھا۔ پرویز کی شکست کے بعد میدان سے بھاگ کر شاہی محل میں داخل ہوا اور اپنی ذات کو بہرام کی نظرِ عنایت کا مستحق ثابت کرنے کے لئے اُس نے ہرمز کا سر قلم کر دیا۔ پرویز شکست کھانے کے بعد تیس وفادار ساتھیوں، چند لونڈیوں اور خواجہ سراؤں کے ہمراہ دریائے فرات کے کنارے کنارے سفر کرتا ہوا بازنطینی سرحد کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اور ایک سرحدی چوکی کے افسر نے اُسے اپنی پناہ میں لے لیا۔

پرویز نے روم کے نئے شہنشاہ موریس کے دربار میں اپنے ایلچی بھیج کر قسطنطنیہ پہنچنے کی اجازت مانگی۔ موریس نے اُس کے لئے ایک تاج اور چند قیمتی تحائف روانہ کر دیئے اور ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ "تمہیں ہماری اعانت حاصل کرنے کے لئے قسطنطنیہ آنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہاری مدد کے لئے اپنی فوجیں بھیج رہے ہیں۔ اور جب تک تم اپنا کھویا ہوا تخت دوبارہ حاصل نہیں کرلیتے ہمارے سپاہی اپنی تلواریں نیاموں میں نہیں ڈالیں گے۔"



بہرام، پرویز کو شکست دینے کے بعد ملک کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا لیکن اُسے اطمینان سے حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اہل مدائن اُسے اجنبی سمجھتے تھے۔ بہرام نے انہیں سختی سے دبانے کی کوشش کی اور مدائن کے قید خانے ان لوگوں سے بھر دیئے جنہیں ابھی تک شاہی خاندان سے عقیدت تھی۔ مجوسی کاہن جو نوشیرواں کے خاندان کا اقتدار بحال کرنے میں اپنا ذاتی فائدہ دیکھتے تھے عوام کو بھڑکا رہے تھے۔ چنانچہ جب خسرو پرویز رومی لشکر کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے نمودار ہوا تو اہل مدائن جوق در جوق اُس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

مدائن کے عوام کی متلون مزاجی، اُمراء کی بدعہدی اور مجوسی کاہنوں کی سازشوں سے پریشان ہوکر بہرام نے مدائن سے باہر نکل کر پرویز کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن اُسے یکے بعد دیگرے دو معرکوں میں شکست کھانے کے بعد جیحوں کے مشرق کی طرف بھاگنا پڑا۔ اُس نے خاقانِ ترک کے پاس پناہ لی۔ یہ وہی خاقان تھا جسے کچھ عرصہ قبل

بہرام کے ہاتھوں عبرتناک شکست ہوئی تھی لیکن اُس نے ایک بہادر دشمن کی دلجوئی اور عزت افزائی اپنا ذمن خیال کیا خاقان کی بیوی مدائن کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور اُس نے بہرام کا زندہ رہنا پرویز کے مستقبل کے لئے خطرناک سمجھ کر اُسے زہر دے دیا۔

بہرام کی موت ایک محب وطن اور بہادر سپاہی کی موت تھی۔ خسرو پرویز رومی تلواروں کی چھاؤں میں ایران کے تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے عوض وہ آرمینیا کا تقریباً سارا علاقہ رومیوں کے حوالے کر چکا تھا۔ اب بازنطینی سلطنت کی سرحد طفلس تک پہنچ چکی تھی۔ تاہم ایران کے امرا اور مجوسی پیشوا اس بات پر مطمئن تھے کہ خسرو پرویز بہرام کی بہ نسبت کمزور ہے اور وہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مدائن کے عوام کی یہ حالت تھی کہ وہاں جو خوشیاں کچھ عرصہ قبل ہرمز کی شکست اور بہرام کی فتح کے وقت منائی گئی تھیں اُس سے کہیں زیادہ بہرام کی شکست اور خسرو پرویز کی تخت نشینی پر منائی جا رہی تھیں۔

لیکن اُن کی یہ خوشیاں عارضی ثابت ہوئیں۔ پرویز نے اطمینان کا سانس لیتے ہی آنکھیں بدل لیں اور ایران میں ظلم و تشدد کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ ایک ہزار رومی سپاہی پرویز کے محل پر پہرہ دیتے تھے اور بہرام کی شکست اور موت کے بعد اُسے کسی اندرونی بغاوت کا خطرہ نہ تھا۔ اب وہ اپنی متلون مزاج رعایا کو سزائیں دینے میں پوری طرح آزاد تھا۔ رومی سپاہیوں کے ساتھ عیسائی پادریوں کا ایک گروہ بھی مدائن میں موجود تھا اور یہ لوگ ایران کے آتش پرست حکمران کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ ایران میں عیسائیت کے مستقبل کے متعلق ان لوگوں کے پرامید ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پرویز کی چہیتی ملکہ عیسائی[لہ] تھی۔ مجوسی مذہب کے پیشوا اس صورت حال سے بے حد پریشان تھے اور نئے حکمران کو اپنے اسلاف کے مذہب پر قائم رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے

لہ - اس عیسائی بیوی کا نام شیریں تھا اور بعض روایت کے مطابق یہ شہنشاہ موریس کی بیٹی یا بھتیجی تھی اور پرویز نے اُس کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اُس کا نام شیریں رکھ دیا تھا۔ لیکن اکثر مورخین اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے ان کا خیال ہے کہ شیریں آرمینیا کے کسی عیسائی خاندان سے تعلق رکھتی تھی ——— یہ شیریں وہی ہے جس کے ساتھ فرہاد کے عشق کا قصہ مشہور ہے۔

تھے۔ نوجوان حکمران کے دل میں عیسائیت کے لئے کوئی جگہ نہ تھی وہ صرف اپنے رومی حلیفوں کو خوش رکھنے کے لئے کبھی کبھی عیسائی مبلغین کی باتیں سن لیتا تھا۔ تاہم اہل روم بہرام پر پرویز کی فتح کو اپنی فتح خیال کرتے تھے۔

لیکن یہ حالات اچانک بدل گئے۔ قسطنطنیہ میں شاہ ایران کے سرپرست شہنشاہ موریس کے خلاف ایک عام بغاوت ہو گئی اور ایک فوجی رہنما فوکاس نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے موریس اور اُس کے پانچ بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ موریس کا چھٹا بیٹا تھیوڈوسیس فوکاس کے ہاتھوں بچ نکلا اور پرویز سے مدد لینے کے لئے مدائن کی طرف بھاگا لیکن فوکاس کے آدمیوں نے اُسے راستے میں گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ موریس کی بیوی کو کچھ عرصہ قیدی بنا کر ایک خانقاہ میں رکھا گیا لیکن اُس نے اپنے شوہر اور بیٹوں کا انتقام لینے کے لئے خانقاہ سے فرار ہونے کی کوشش کی اور فوکاس نے اُسے بھی قتل کرا دیا۔

ایران میں ان واقعات کی اطلاع پہنچی تو مجوسی مذہب کے پیشواؤں نے محسوس کیا کہ اہل روم کو نیچا دکھانے کا یہ بہترین موقع ہے۔ انہوں نے پرویز کو غیرت دلائی کہ فوکاس نے تمہارے محسن کو قتل کیا ہے اور اس سے انتقام لینا تم پر فرض ہے۔ پرویز کو ملک گیری کی ہوس اپنے اسلاف سے ورثے میں ملی تھی اور موریس سے ہمدردی محض ایک بہانہ تھا۔ چنانچہ بازنطینی سلطنت میں اندرونی خلفشار کے آثار دیکھتے ہی اُس نے اپنی افواج کو پیش قدمی کا حکم دے دیا۔

اہل روم فوکاس کے مظالم سے دل برداشتہ ہو چکے تھے اس لئے وہ کسی محاذ پر بھی ایرانی لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے۔ چنانچہ ایرانیوں نے کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا کئے بغیر آرمینیا پر قبضہ کر لیا۔ پھر چند ماہ بعد خسرو پرویز کی فوج شام کے شمال مشرقی علاقوں کو تاخت و تاراج کرتی ہوئی انطاکیہ کی طرف بڑھی۔ یہ شہر ایشیائی ممالک میں قیصر کے نائب السلطنت کا دارالحکومت تھا اور ماضی میں کئی بار ایرانیوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کر چکا تھا۔ لیکن وحشت و بربریت کا یہ طوفان جس کے دروازے خسرو پرویز نے کھولے تھے ماضی کے تمام طوفانوں سے زیادہ بھیانک تھا۔ اس سیل ہمہ گیر کے سامنے رومیوں کے دفاعی حصار تنکوں کے انبار ثابت ہو رہے تھے۔

فوکاس نے بازنطینی سلطنت کے لئے وہی حالات پیدا کر دیئے تھے جو چند سال قبل ہرمز نے ایران کے لئے پیدا کئے تھے۔ اور جب اندرونی خلفشار کے ساتھ بیرونی جارحیت انتہائی خطرناک نتائج پیدا کرنے لگی تو ایرانیوں کی طرح رومیوں نے بھی اپنے ظالم اور نااہل حکمران کے خلاف بغاوت کر دی۔ قسطنطنیہ کے امراء اور مذہبی پیشواؤں نے افریقہ

مقبوضات کے گورنر کو قسطنطنیہ کے تخت پر قبضہ کرنے کی دعوت دی، لیکن عمر رسیدہ گورنر نے اپنی جگہ اپنے نوجوان بیٹے ہرقل کی خدمات پیش کر دیں۔ ہرقل کی قیادت میں ایک جنگی بیڑہ قرطاجنہ سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا اور باقی لشکر خشکی کے رستے چل پڑا۔ جب ہرقل کا جنگی بیڑا آبنائے باسفورس میں داخل ہوا تو قسطنطنیہ کے باشندوں نے مسرت کے نعروں سے اُس کا خیر مقدم کیا۔ فوکاس کے محافظ جنہیں وفادار رکھنے کے لئے اُس نے خطیر رشوتیں دی تھیں، افریقہ اور مصر کے منظم لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے۔

فوکاس کو پابہ زنجیر ہرقل کے سامنے لایا گیا اور وہ سخت اذیتوں کے بعد قتل کر دیا گیا۔

ہرقل تخت پر رونق افروز ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی قسطنطنیہ کی گلیوں اور بازاروں میں خوشیاں منانے والے عوام گرجوں میں دعائیں مانگنے والے راہب اور نئے حکمران کے دربار میں نذرانے پیش کرنے والے امراء یہ سن رہے تھے کہ پرویز کی فوجیں انطاکیہ پر قابض ہو چکی ہیں اور وہاں فرزندانِ تثلیث کے گرجے آتشکدوں میں تبدیل کئے جا رہے ہیں۔

باب ۱۳

موسم سرما کی ایک رات آسمان پر تاریک بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ایک سوار فرس کی سرائے کے قریب گھوڑے سے اترا اور اُس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ چند ثانیے کوئی جواب نہ آیا۔ پھر صحن میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور کسی نے دروازے کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔

"آپ یروشلم سے آئے ہیں؟"

"ہاں۔" اجنبی نے جواب دیا۔

پوچھنے والے نے دروازہ کھول دیا اور اجنبی اپنے گھوڑے سمیت اندر داخل ہوا۔ سرائے کے ملازم نے پوچھا "آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟"

اجنبی نے جواب دیا "میرا کوئی ساتھی نہیں۔ میں یہ رات یروشلم میں گزارنا چاہتا تھا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ وہاں شام ہوتے ہی شہر کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔"

"تو آپ کو کسی رومی افسر نے یہاں نہیں بھیجا؟"

"نہیں!——"

"ٹھہرئیے! میں ابھی آتا ہوں۔" ملازم یہ کہہ کر بھاگ گیا اور اجنبی آگے بڑھ کر چھپر کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی [illegible]رس جس کے ہاتھ میں مشعل تھی اپنے دو نوکروں کے ساتھ برآمدے میں نمودار ہوا اور اُس نے آگے بڑھ کر اجنبی سے [illegible] یروشلم کی طرف سے آئے ہو؟"

"ہاں! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو بے وقت تکلیف دے رہا ہوں۔ لیکن شہر کے دروازے بند تھے۔"

"تمہیں رستے میں کوئی اور مسافر تو نہیں ملا؟"

"نہیں! یروشلم سے آگے یہاں تک تمام راستہ سنسان تھا۔"

فرمس نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ سرائے مسافروں سے بھری ہوئی ہے اور میں تمہارے لئے کوئی تسلی بخش انتظام نہیں کر سکتا۔ آج بارش کی وجہ سے غزہ کا ایک قافلہ یہاں رُک گیا تھا۔"

اجنبی نے جواب دیا "مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے اس بارش میں سڑک پر آرام کرنے کا مشورہ نہیں دیں گے۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں پہلے بھی یہاں ٹھہر چکا ہوں۔ اگر آپ کے پاس سرائے کے اندر کوئی جگہ نہیں تو میں اصطبل میں گزارا کر سکتا ہوں۔ اگر کھانا نہ ہو تو بھوکا بھی رہ سکتا ہوں۔ لیکن میرے گھوڑے کے لئے آپ کو جَو کے ایک ٹوکرے اور گھاس کے ایک گٹھے کا انتظام ضرور کرنا پڑے گا۔"

سرائے کے مالک نے آگے بڑھ کر مشعل اونچی کی اور غور سے اجنبی کی طرف دیکھ کر چلایا "عاصم! بھائی مجھے معاف کرنا۔ اس وقت میرا خیال کہیں اور تھا۔ تمہارے لئے میں تمام سرائے خالی کرا سکتا ہوں۔"

پھر وہ نوکروں کی طرف متوجہ ہوا "بیوقوفو! کھڑے کیا دیکھ رہے ہو گھوڑا اصطبل میں لے جاؤ۔ اور ان کا کھانا اوپر کے کمرے میں پہنچا دو۔"

عاصم نے کہا "نہیں نہیں، اس وقت میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ صبح دیکھا جائے گا مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی ہے۔"

فرمس نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "آؤ! تم نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ میں کسی کا منتظر تھا۔ اور ان کے لئے میں نے کھانا بھی تیار کروا رکھا تھا۔ اب وہ نہیں آئے تو خدا نے تم کو بھیج دیا ہے۔"

عاصم فرمس کے ساتھ چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بالائی منزل کے اُس کشادہ کمرے میں داخل ہوئے جہاں عاصم نے چند ماہ قبل ایک رات قیام کیا تھا۔ لیکن اب یہ کمرہ پہلے کی طرح آراستہ نہ تھا۔ خوشنما قالین اور پردے غائب تھے۔ دو پلنگوں پر صاف ستھرے بستر لگے ہوئے تھے۔ اور اُن کے درمیان ایک چھوٹی سی میز اور چار کرسیاں پڑی تھیں۔ سامنے انگیٹھی میں آگ سلگ رہی تھی اور دائیں بائیں دو طاقچوں میں چراغ روشن تھے۔

فرمس نے کہا "آج سردی بہت زیادہ ہے اور میں نے آگ یہاں اس لئے جلوائی تھی کہ یروشلم سے آنے والے مہمانوں کو تکلیف نہ ہو۔ اب مجھے یہ توقع نہیں کہ وہ اس موسم میں سفر کریں گے۔ لیکن اگر وہ آگئے تو مجھے تمہارے لئے دوسرا انتظام کرنا پڑے گا۔ میرا رہنے کا مکان خالی پڑا تھا لیکن شام کے وقت ایک قافلہ پہنچ گیا اور میں نے دو کمرے بارش میں ٹھٹھرے ہوئے مسافروں کے حوالے کر دیئے۔ اب میرے پاس ایک چھوٹی سی کوٹھڑی ہے۔ اگر کوئی آگیا تو میں [illegible] وہاں لے جاؤں گا۔"

عاصم نے کہا "آپ کو میرے متعلق اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیئے میں زمین پر سونے کا عادی ہوں۔ آج مجھے صرف بارش سے بچنے کے لئے چھت کی ضرورت ہے۔"

فرمس نے جواب دیا "لیکن پچھلے پہر خراٹے سن کر تم یہ محسوس کرو گے کہ چھت گر رہی ہے۔ انطونیہ کہا کرتی تھی کہ میرے خراٹوں سے بیک وقت پانچ آوازیں نکلتی ہیں۔"

عاصم نے پوچھا "اب وہ یہاں نہیں ہیں؟"

"نہیں! وہ پچھلے ہفتے اپنی ماں کے ساتھ اسکندریہ چلی گئی۔ اگر دمشق کی طرف ایرانیوں کی پیش قدمی رک گئی تو وہ واپس آجائیں گی ورنہ شاید مجھے بھی یہاں سے بھاگنا پڑے۔"

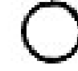
عاصم نے کہا "میں نے راستے میں اس قسم کی افواہیں سنی تھیں کہ ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث یروشلم اور شام کے دوسرے شہروں کے لوگ اسکندریہ اور قسطنطنیہ کا رُخ کر رہے ہیں۔"

فرمس نے جواب دیا "یہ افواہیں نہیں۔ انطاکیہ پر ایرانیوں کے قبضے کے بعد رومی اُمرا نے اپنے بال بچوں کو شام کے دوسرے شہروں سے نکالنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جب ایرانیوں نے مزید پیش قدمی کی تو شام کے خوشحال لوگ بھی اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگنے لگے اور اب تو یہ حال ہے کہ عوام کے قافلے بھی اسکندریہ اور مصر کے دوسرے شہروں کا رُخ کر رہے ہیں۔"

عاصم نے پوچھا "آپ جن مہمانوں کا انتظار کر رہے تھے وہ کون ہیں؟"

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ انتہائی معزز خواتین کو دمشق پہنچنے کے لئے میری مدد کی ضرورت ہے۔ تم کلیوس سے جو پچھلی مرتبہ میری سرائے میں اُس سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے یہ پیغام بھیجا تھا کہ وہ رات کے وقت یہاں قیام کریں گی۔ پھر مجھے ان کو دمشق تک پہنچانے کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اگر رات کے وقت کسی نے اُن کا پیچھا کیا تو معلوم ہو جائے گی پھر میرا یہ کام ہوگا کہ ایک دو دن انہیں یہاں چھپائے رکھوں۔ یہ خواتین کون ہیں؟ یہ بات میں

پہنچ گیا۔ معما ہے لیکن بطلیوس ایک ایسا دوست ہے جس کی خاطر میں بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتا ہوں۔ اب میں پھر جاکر کچھ دیر اور اُن کا انتظار کرنا چاہتا ہوں۔ نوکر تمہارے لئے کھانا اور کپڑوں کا جوڑا لے آئے گا۔ میرا لباس تمہارے جسم پر عجیب معلوم ہوگا لیکن تمہارے لئے بھیگے ہوئے کپڑے تبدیل کرنا ضروری ہیں۔" فرمس یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔



عاصم کھانا کھانے کے بعد آگ کے سامنے بیٹھا اپنے کپڑے سکھا رہا تھا۔ فرمس دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اب ایک پہر سے زیادہ رات گزر چکی ہے اور بارش بھی خاصی تیز ہوگئی ہے ان حالات میں مجھے دو عورتوں کا یروشلم سے یہاں پہنچنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اب اگر تمہیں نیند نہ آگئی تو ہم اطمینان سے باتیں کرسکتے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ سے باتیں کرتے ہوئے مجھے نیند یا تھکاوٹ محسوس نہ ہوگی۔"

فرمس نے کہا۔ "میرے لئے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوسکتی ہے کہ تم یہاں آئے ہو۔ آج میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں نے اپنی بیوی اور بیٹی کو بھیج کر غلطی کی ہے۔ مجھے اُن کے ساتھ جانا چاہیئے تھا لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے یہاں رُک جانے میں بھی قدرت کی ایک مصلحت تھی۔ میرے ایک محسن کو یہاں آنا تھا اور خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ رات کے وقت یہاں پہنچے اور اُس کے راستے میں آنکھیں بچھانے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن تم تنہا آئے ہو اور ان دنوں بڑے بڑے قافلے بھی شام کا رُخ کرتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہیں۔ تم بہت کمزور ہوگئے ہو اور تمہارا چہرہ یہ بتا رہا ہے کہ تم کانٹوں پر چل کر یہاں پہنچے ہو۔ پچھلی مرتبہ جب تم یہاں آئے تھے تو تمہیں تلوار سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہ تھی لیکن آج مجھے تمہارے سامان میں تلوار نظر نہیں آئی۔ عاصم میرے اَن گنت سوالات کا جواب تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی میں تمہاری زبان سے تمہاری سرگزشت سننا چاہتا ہوں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر اس لئے نکل گیا تھا کہ تم اطمینان سے کھانا کھاسکو اور میرے سوالات تمہیں پریشان نہ کریں۔ میزبان کے آداب مجھے تم سے ایسی باتیں پوچھنے سے منع کرتے ہیں جن کا جواب دینا ایک مہمان کے لئے تکلیف دہ ہو۔ لیکن میں تمہارا دوست ہوں۔ اور یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم کن حالات میں گھر سے نکلے ہو، تمہاری منزلِ مقصود کہاں ہے؟ اور میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟"

عاصم کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا۔ بالآخر اُس نے فرمس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میرے وطن کی زمین میرے لئے تنگ ہوچکی ہے۔ اور میں اپنے مقدر کی تاریکیوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے بھاگ رہا ہوں۔ عرب کی حدود سے نکلنے کے بعد اس سرائے سے آگے میری کوئی منزل نہ تھی اور اب اس کمرے سے باہر میرے لئے ساری دنیا تاریک ہے۔"

فرمس نے پوچھا۔ "کیا لڑائی میں تمہارے دشمن غالب آگئے تھے؟"

"میں نے جس وطن کو چھوڑا ہے وہاں میرا کوئی دوست یا دشمن نہ تھا۔ میرا گناہ یہ ہے کہ میں محبت اور انتقام کی لذت سے محروم ہوچکا ہوں اور آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اس محرومی کے باوجود زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"تم مجھے اپنی سرگزشت سنا سکتے ہو؟"

وطن سے نکلنے کے بعد یہ پہلا انسان تھا جو عاصم کو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔ اب اُسے اپنی نیند یا تھکاوٹ کا کوئی احساس نہ تھا۔ اُس نے احسانمندی کی نظر سے فرمس کی طرف دیکھا اور کسی توقف کے بغیر اپنی سرگزشت سنانی شروع کردی۔

جب وہ سمیرا اور عدی اور اُس کے بیٹوں کی موت کے واقعات سنا رہا تھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے پھر جب اُس نے اپنا قصہ ختم کیا تو فرمس نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عاصم! تم آلام و مصائب کی اس دنیا میں تنہا نہیں ہو۔ آج پوری انسانیت اپنے مقدر کی تاریکیوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے بھاگ رہی ہے۔ میں دس برس کا تھا جب میرے باپ کو اسکندریہ کے راہبوں نے صرف اس لئے زندہ جلادیا کہ اُس نے عیسائی ہوتے ہوئے رہبانیت کی مخالفت میں آواز بلند کی تھی۔ دو سال بعد میرے بڑے بھائی کو رومی حکومت کے مظالم کے خلاف آواز اٹھانے کے جرم میں، بابلیون کے ایک چوراہے پر پھانسی دی گئی۔ اس کے بعد میں قریباً آٹھ سال کبھی مصر، کبھی شام اور کبھی آرمینیا کی خاک چھانتا رہا۔ میرا دل نفرت و انتقام کے جذبات سے لبریز تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ زندہ رہنے کی خواہش میرے جذبات پر غالب آگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ایک بے بس انسان ہوں اور زمانے کی گردش کا رخ بدل دینا میرے اختیار میں نہیں۔ میں صرف کلیسا کی فرمانبرداری اور حکومت کی اطاعت کرکے، زندہ رہ سکتا ہوں، پھر میں نے اسکندریہ کی ایک سرائے میں ملازمت کرلی۔ سرائے کا مالک ایک شریف آدمی تھا اُس نے میری محنت اور دیانتداری کی قدر کی اور دو سال بعد مجھے اپنے کاروبار میں حصہ دار بنالیا۔ اسی سال ایک شریف خاندان

کی لڑکی سے میری شادی ہوگئی۔ اگلے سال سرائے کا مالک مرگیا چونکہ اُس کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اُس کے بھائی اُس کی جائداد کے وارث بن گئے۔ اور میں نے اُن سے الجھنے کی بجائے علیحدہ تجارت شروع کردی۔ میرے پاس زیادہ سرمایہ نہ تھا لیکن میری بیوی کے بھائی نے میری مدد کی اور میں جلد ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ پھر ایک سال مجھے تجارت کے سلسلہ میں یروشلم آنا پڑا۔ ہمارا قافلہ گرمیوں کی دوپہر گزارنے کے لئے اس جگہ اتر پڑا۔ ان دنوں یہ پرانی عمارت خالی پڑی تھی اور سڑک کے دوسری طرف صرف نانبائی کی ایک دوکان تھی۔ ہم نے وہاں کھانا کھایا اور نانبائی سے گفتگو کے دوران میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمارت ایک قدیم سرائے ہے جو کئی بار اُجڑی اور کئی بار آباد ہوئی ہے۔ چند سال قبل ڈاکوؤں نے یہاں ایک قافلے کو لوٹ کر سرائے کے مالک کے ایک بیٹے کو قتل کردیا تھا۔ اُس وقت سے یہ سرائے بند پڑی تھی اور اس کا موجودہ وارث جو اب یروشلم کا ایک بہت بڑا تاجر ہے، اس کے قریب سے گزرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ مجھے یہ جگہ پسند آگئی اور میں نے نانبائی سے اس کے مالک کا پتا پوچھ لیا۔

اگلے ہی دن اس کے مالک سے میرا سودا ہوگیا۔ اُس نے جو قیمت مانگی وہ میری توقع سے بہت ہی کم تھی۔ اس عمارت کی حالت بے حد خراب تھی۔ لیکن مجھے توقع تھی کہ اس کی مرمت پر جو رقم صرف ہوگی وہ رائگاں نہیں جائے گی۔ یہ کمرہ میں نے بذاتِ خود بڑی حیثیت کے لوگوں کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ میں ایک سال تک اسکندریہ نہ جاسکا لیکن اس عرصہ میں میرا کاروبار اس قدر ترقی کرچکا تھا کہ پڑوس کے نانبائی نے اپنی دوکان بند کرکے میرے ہاں ملازمت کرلی۔ لیکن اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے صرف ایک منفعت بخش تجارت ہی کافی نہ تھی۔ میں یہ جانتا تھا کہ ماضی کے تاریک سائے اب بھی میرا پیچھا کررہے ہیں اور حکومت کے کسی ادنیٰ عہدہ دار یا کلیسا کے کسی معمولی راہب کی ناراضگی میری تباہی کا باعث ہوسکتی ہے۔ میرے خلاف ان دو جابر اور بے رحم طاقتوں کو حرکت میں لانے کے لئے کسی دشمن کا یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میرا باپ کلیسا اور میرا بھائی حکومت کا باغی تھا۔ چنانچہ میں اپنی کمائی کا ایک حصہ حکومت کے اہل کاروں اور کلیسا کے اکابر کی دوستی خریدنے پر صرف کیا کرتا ہوں۔ اگر وہ اس طرف سے گزریں تو میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ چند ساعت وہ میرے پاس قیام کریں اور میں اُن کی خدمت کروں۔ اگر وہ میرے پاس نہیں آتے تو میں خود تحائف لے کر اُن کی خدمت میں پہنچ جاتا ہوں۔ ایک مرتبہ یروشلم کا بشپ صرف پانی پینے کے لئے یہاں رکا تھا لیکن میں نے چاندی کے برتنوں میں اُسے کھانا کھلایا اور پھر یہ برتن اُسے بطور نذرانہ پیش کردیئے۔ دوسری مرتبہ وہ یہاں آیا تو میں نے عرض کیا کہ میرا آبائی

وطن بابلیون ہے لیکن میں وہاں صرف اس لئے نہیں جاسکتا کہ میرے باپ اور بھائی کی بعض غلطیوں کے باعث وہاں کلیسا اور حکومت سے میری وفاداری کے متعلق بھی شکوک پیدا ہوچکے ہیں۔ میرے حال پر وہ اس قدر مہربان ہوا کہ مجھے بابلیون کے بشپ کے نام ایک خط لکھ کر دے گیا۔ اس خط کا مفہوم یہ تھا کہ ہم نے کسی مصری کو فرمس سے زیادہ رومی سلطنت کا وفادار اور کلیسا کا جان نثار نہیں دیکھا۔ اگر بابلیون میں اس نیک مخلص اور ایثار پیشہ آدمی کے متعلق کوئی غلط فہمی پائی جاتی ہے تو اسے دور کرنا آپ کا فرض ہے۔ پھر میں بابلیون گیا اور وہاں کے بشپ کو یہ خط اور اپنی طرف سے سونے کا ایک پیالہ پیش کیا۔ اور اس کے بعد میری ماضی کی ساری سیاہی دُھل چکی تھی۔ میرا آبائی مکان جو حکومت نے ضبط کرلیا تھا مجھے واپس مل چکا ہے۔ بطلیوس کو میں نے اچھی قسم کی شراب پیش کی تھی اور اس کے بعد سے وہ میرا دوست ہے۔

تم مجھے ایک دوست سمجھ کر یہاں آئے ہو اور میں تم سے یہ باتیں اس لئے کررہا ہوں کہ تمہیں میرے متعلق کوئی خوش فہمی نہ رہے۔ ظاہری اعتبار سے میں ایک کامیاب آدمی ہوں لیکن امن اور سکون کی زندگی اختیار کرنے کے بعد میں نے ہر قدم پر یہ محسوس کیا ہے کہ میرا ضمیر مرچکا ہے۔ میں نے صرف اپنے جسم کی آسائش کے سامان فراہم کئے ہیں لیکن میری روح تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔ میں ظلم، جہالت، وحشت اور بربریت کے خلاف اپنے ضمیر کی چیخیں سنتا ہوں لیکن ظالموں کو خوش رکھنے کے لئے مسکرانے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب میں مرنا چاہتا تھا تو میری روح زندہ تھی۔ میں نیک و بد کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کرسکتا تھا۔ اور جب میں نے زندہ رہنا ہی زندگی کا مقصد بنالیا تو میں اس دنیا میں ایک انسان کا حقیقی مقام کھوچکا تھا۔

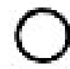
میں رومیوں کی غلامی کو ایک لعنت سمجھتا ہوں لیکن میں نے ہر رومی کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ میں تمہیں انسانیت کا محسن خیال کرتا ہوں۔ مجھے کلیسا کے اُن خداؤں سے نفرت ہے جنہوں نے خالق ہوں کو زندہ انسانوں کا قبرستان بنادیا ہے لیکن مجھ میں یہ حوصلہ نہیں کہ اُن کے خلاف زبان کھول سکوں۔

میں نے یہ راستہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ میں ایک کمزور انسان تھا لیکن تم مجھ سے مختلف ہو۔ تمہارے متعلق میں یہ جانتا ہوں کہ تم طوفانوں سے لڑنے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ تم زیادہ عرصہ ایک خاموش اور پرسکون زندگی پر قانع نہیں رہ سکو گے۔ پچھلی مرتبہ جب تم اس سرائے میں اُس دیو قامت شامی پر ٹوٹ پڑے تھے تو میں بار بار یہ سوچتا تھا کہ کاش میری زندگی میں بھی چند ایسے لمحات آسکتے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ میں خونخواری کو پسند کرتا ہوں۔ مجھے ...

جہاں سے نفرت ہے لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جب کسی ظالم کی مخالفت یا کسی مظلوم کی حمایت میں اپنا خون اور گوشت پیش کر دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے تو ایک انسان کے لئے اس سے بڑی ذلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُس کا ہاتھ اپنی تلوار کے قبضے تک نہ پہنچ سکے اور اُس کے ضمیر کی آواز اُس کے ہونٹوں تک نہ آسکے لیکن میں کئی بار اس قسم کی ذلتیں دیکھ چکا ہوں۔ اور آج جب میں اپنے سامنے ایک ایسے نوجوان کو دیکھتا ہوں جس کے ضمیر کی آواز نے اُسے اپنے دشمنوں کی حمایت میں تلوار اٹھانے پر آمادہ کر دیا تھا تو مجھے اپنی کمزوری پر شرم و ندامت محسوس ہوتی ہے۔ عاصم! تم بہت بڑا صدمہ اٹھا چکے ہو لیکن تم کمزور یا بے بس نہیں ہو۔ تم نے کوئی جرم، کوئی غلطی یا کوئی گناہ نہیں کیا۔ صرف اپنے لئے ایک نیا راستہ تلاش کیا تھا۔ اگر تمہارے پاؤں زخمی ہو گئے ہیں، تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ راستہ غلط تھا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ ایک اولوالعزم انسان میرے پاس آیا ہے اور میں تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ تم پامال شدہ گزرگاہوں پر چلنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے —— تم عام انسانوں سے مختلف ہو۔

اب تم آرام سے سو جاؤ۔ جب تمہاری تھکاوٹ دور ہو جائے گی تو ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ ممکن ہے میں تمہارے لئے کوئی ایسا مشغلہ سوچ سکوں جو تمہاری طبیعت کے موافق ہو۔"

فرمس عاصم کے کندھے پر تھپکی دے کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔



عاصم گہری نیند سو رہا تھا۔ فرمس اور اس کا نوکر ایک معمر عورت اور ایک دوشیزہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ نوکر نے ایک گٹھڑی جس سے ان خواتین کے لباس کی طرح پانی ٹپک رہا تھا، ایک کونے میں رکھ دی اور انگیٹھی میں بجھتے ہوئے انگاروں پر چند لکڑیاں رکھ کر آگ جلانے میں مصروف ہو گیا۔

فرمس نے رومی زبان میں کہا "مجھے دوپہر کے وقت پطیوس کا پیغام مل گیا تھا۔ لیکن یہ توقع نہ تھی کہ آپ اس موسم میں یروشلم سے نکلنا پسند کریں گی۔ میں ابھی آپ کا کمرہ خالی کرا دیتا ہوں۔"

عورت نے جس کی شکل و صورت اُس کے عالی نسب ہونے کی گواہی دیتی تھی، کہا "یہاں کسی غیر معتمد آدمی کو ہماری آمد کا علم نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کون ہے؟"

"یہ ایک مصیبت زدہ انسان ہے، میں اسے جانتا ہوں اور آپ اس پر اعتماد کر سکتی ہیں۔" یہ کہہ کر فرمس نے عاصم کو جگانے کی کوشش کی لیکن اُس نے آنکھیں کھولنے کی بجائے کچھ بڑبڑا کر کروٹ بدل لی۔

عمر رسیدہ عورت نے کہا "ٹھہرو! اسے جگانے کی ضرورت نہیں۔ ہم بہت جلد یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ خدا کرے بارش تھم جائے۔ ہم دمشق پہنچنے سے پہلے اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے۔"

فرمس نے قدرے پریشان ہو کر پوچھا "آپ تنہا دمشق کا سفر کرنا چاہتی ہیں؟"

"اگر تم کوئی قابل اعتماد آدمی نہ دے سکے تو پھر ہمیں تنہا ہی سفر کرنا پڑے گا۔ ہمارے نوکر ہمارے ساتھ نہیں آسکے۔"

فرمس نے کہا "آپ بہت پریشان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔"

"پطیوس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟"

"انہوں نے مجھے صرف یہ پیغام بھیجا تھا کہ یروشلم سے دو معزز خواتین رات کے وقت یہاں پہنچیں گی۔ اور مجھے اُن کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیئے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پطیوس کا معمولی سا اشارہ بھی میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے اور آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ لیکن میں حیران ہوں کہ انہوں نے رات کے وقت آپ کو تنہا کیسے بھیج دیا۔"

عمر رسیدہ عورت نے جواب دیا "اُس نے اپنے دو سپاہی ہمارے ساتھ روانہ کئے تھے اور وہ ہمیں تمہاری سرائے کے باہر چھوڑ کر واپس چلے گئے ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ انہیں یہاں کوئی ہمارے ساتھ دیکھ لے۔ شاید صبح ہوتے ہی یروشلم میں ہماری تلاش شروع ہو جائے۔ اُن ظالموں نے ہمارے ایک نوکر کو ہلاک کر دیا ہے اور دوسرے کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ وہ اُن سے یہ کہلوانا چاہتے تھے کہ میں اور میری بیٹی یروشلم میں ایرانیوں کی جاسوسی کر رہی ہیں یروشلم کے حاکم کو، تو ہم پر دست درازی کی جرأت نہیں ہوئی لیکن اُس کا اشارہ پا کر بعض راہبوں نے عوام کو ہمارے خلاف بہت مشتعل کر دیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ اگر ایرانی لشکر دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد یروشلم کی طرف بڑھا تو وہ ہماری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔ یروشلم کا حاکم اس بات پر تلا ہوا تھا کہ ہم وہاں سے زندہ بچ کر نہ نکل سکیں۔"

فرمس نے پوچھا "وہ آپ کا دشمن کیوں تھا؟"

"وہ میرے والد کے ماتحت ایک نہایت معمولی افسر کی حیثیت سے کام کر چکا ہے۔ اور اُسے وہ زمانہ نہیں بھولا جب میں نے اُس کے منہ پر تھپڑ لگائے تھے۔"

فرمس نے کہا "میں یروشلم کے حاکم کو اچھی طرح جانتا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ اگر وہ آپ کا اس حد تک دشمن ہے تو آپ کے لئے دمشق یروشلم سے زیادہ محفوظ نہ ہوگا۔ ایرانیوں کی جاسوسی کا الزام آپ کے لئے ہر جگہ خطرناک ہے۔"

عورت نے تلملا کر کہا "تم میرے والد کو نہیں جانتے۔ اگر میں دمشق پہنچ جاؤں تو یروشلم کے حاکم کے لئے اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔"

فرمس نے کہا "لیکن ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث دمشق کے حالات خاصے مخدوش ہو چکے ہیں۔ اگر خدانخواستہ انہوں نے دمشق پر قبضہ کر لیا تو آپ کیا کریں گی؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ دمشق کی بجائے اسکندریہ کا رُخ کریں۔"

عورت نے جواب دیا "میرے والد دمشق میں ہیں۔ مجھے بہرصورت وہاں پہنچنا ہے۔"

نوکر آگ جلا چکا تھا، نوجوان لڑکی انگیٹھی کے سامنے بازو پھیلائے کھڑی تھی۔

فرمس نے کہا "معاف کیجئے مجھے یہ بھی خیال نہیں رہا کہ آپ سردی میں سے آئی ہیں۔ اس وقت آپ کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو خشک کپڑے مہیا کئے جائیں۔ میں آپ کو چادریں دے سکتا ہوں۔ آپ کے لئے کھانا بھی تیار ہے۔"

"ہم کھانا کھا کر آئے تھے۔"

نوجوان لڑکی نے کمرے کے کونے میں جا کر اپنی گٹھڑی کھولی اور بھیگے ہوئے کپڑے نکال کر دیکھنے لگی۔

فرمس نے اپنے نوکر سے کہا "تم یہ کپڑے لے جاؤ اور انہیں آگ کے سامنے اچھی طرح سوکھا کر لاؤ۔" پھر وہ عمر رسیدہ عورت کی طرف متوجہ ہو کر بولا "میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا کہ میں اس آدمی کو جگا کر نیچے لے جاؤں، آپ کو یقین ہے کہ اس کی موجودگی آپ کے لئے کسی پریشانی کا باعث نہ ہوگی؟"

"نہیں! اسے تکلیف دینے سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تم ہمارے لئے کسی قابل اعتماد ساتھی کا بندوبست کرو۔ صبح تک اگر بارش نہ تھمی تو بھی ہم روانہ ہو جائیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر انہیں ہمارا پتہ چل گیا تو وہ ہمارا تعاقب ضرور کریں گے۔"

فرمس نے کہا "آپ اطمینان رکھئے! میرے آدمی سرائے کے باہر پہرا دیں گے اگر کوئی اس طرف آیا تو مجھے قبل از وقت اطلاع مل جائے گی اور میں آپ کو اسی سرائے کے اندر ایک ایسے تہ خانے میں چھپا دوں گا جس کا میرے ایک نوکر کے سوا کسی کو علم نہیں۔ اور سفر میں بھی میں شاید ایک اچھا ساتھی آپ کے ساتھ کر سکوں۔"

"وہ آپ کا نوکر ہے؟"

"نہیں وہ ایک مہمان ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

فرمس نے عاصم کے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا "یہ ہے وہ۔ اگر یہ دمشق جانے پر رضامند ہو گیا تو آپ کو اس سے بہتر ساتھی نہیں مل سکتا۔"

"یہ یروشلم کا باشندہ ہے؟"

"نہیں، یہ عرب سے آیا ہے۔"

"عرب سے؟" نوجوان لڑکی نے چونک کر کہا "آپ ایک عرب پر اعتماد کر سکتے ہیں؟"

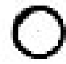
"ہاں! میں اُس شخص پر اعتماد کرنے میں بالکل حق بجانب ہوں، جو کسی نیک مقصد کے لئے قربانی دے چکا ہو۔"

لڑکی کی ماں نے کہا "ایک عرب کسی نیک مقصد کے لئے قربانی دے سکتا ہے؟"

"ہاں! قدرت نے نیکی کے سارے دروازے کسی قوم کے لئے بند نہیں کئے۔"

لڑکی نے کہا "میں نے پہلی بار سنا ہے کہ ایک عرب بھی کوئی نیکی کر سکتا ہے؟"

"میں آپ کی تسلی کے لئے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ کی جگہ میری اپنی بیٹی ہوتی تو میں اُس کے لئے بھی اس نوجوان سے بہتر محافظ تلاش نہ کر سکتا۔ شاید اس میں بھی کوئی مصلحت تھی کہ ہم نے اِسے بے آرام نہیں کیا۔ اسے مدت کے بعد آرام کی نیند نصیب ہوئی ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے میں بارش کا زور ٹوٹتے ہی آپ کے سفر کا بندوبست کر دوں گا۔۔۔۔" فرمس اور اُس کا نوکر کمرے سے باہر نکل گئے۔



عاصم نے خواب میں کچھ دیر بڑبڑانے کے بعد کروٹ بدلی اور نوجوان لڑکی جو انگیٹھی کے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی ...ر کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی ماں اُس کے دائیں ہاتھ دوسری کرسی پر سو رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد ...تیزہ پہلی بار عاصم کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی اور اس نوجوان کی شکل و صورت اُن نفرت انگیز داستانوں کو جھٹلا ...س نے سن شعور سے لے کر آج تک عربوں کی جہالت اور درندگی کے متعلق سنی تھیں۔ اُسے یہ بات ناقابل

یقین معلوم ہوتی تھی کہ وہ بیچارگی کی حالت میں سرائے کے ایک کمرے میں بیٹھی ہے اور ایک عرب اُس کے قریب سو رہا ہے تاہم ایک بڑی مصیبت کا احساس اُس کے فخر و غرور پر غالب آچکا تھا۔ اُس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اُس کا دل ایک ناقابلِ برداشت بوجھ تلے پسا جا رہا ہے۔

عاصم اچانک دوبارہ بڑبڑایا اور بستر پر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اُس کا لحاف ایک طرف گر پڑا۔ لڑکی کی حیرانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ نوجوان نیند میں کسی سے لڑ رہا ہے۔ اُس کا چہرہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ چند ثانیے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ اور کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر اچانک اُس نے آنکھیں کھول لیں اور اُس کی نگاہیں ایک ان جانی اور ان دیکھی صورت پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ لڑکی نے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔ اُس کے سنہرے بال اُس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور چادر سے باہر اُس کا ایک بازو، جو اب عاصم کی نگاہوں کے سامنے تھا، مرمر کی طرح سفید تھا۔

عاصم کی حیرانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی اُس نے کمرے کی چھت اور دیواروں کی طرف دیکھا اور انتہائی بدحواسی کے عالم میں اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں کہاں ہوں؟"

لڑکی دوبارہ اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں آسمان کی نیلاہٹ، سمندر کی گہرائی اور صبح کی روشنی تھی۔

"تم ...... تم کون ہو؟" عاصم نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

لڑکی نے بے اعتنائی سے سر ہلاتے ہوئے سریانی زبان میں کہا۔ "میں آپ کی زبان نہیں جانتی۔"

عاصم اچانک پلنگ سے اتر کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اُس نے سریانی میں کہا۔ "معاف کیجئے سرائے کے مالک کو شاید آپ ہی کا انتظار تھا۔ اور مجھے یہ کمرہ اس شرط پر دیا گیا تھا کہ جب اُس کے مہمان آجائیں گے تو میں اسے خالی کر دوں گا آپ کو یہاں پہنچتے ہی مجھے جگا دینا چاہیے تھا۔ مجھے یہاں سونے کا کوئی حق نہ تھا۔"

"تم سو رہے تھے اور ہمارا یہاں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اس لئے ہم نے تمہیں تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔" لڑکی نے یہ کہہ کر اپنی ماں کو جھنجوڑا اور وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد عاصم کی طرف متوجہ ہوئی۔ "نوجوان تم اپنی نیند پوری کر چکے ہو ـــــ؟"

"جی ہاں اور مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو اس قدر تکلیف ہوئی۔"

عورت نے کہا۔ "ہمارا یہاں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اس لئے تمہیں جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اگر بارش اس قدر تیز

نہ ہوتی تو ہم یہاں رکنا بھی پسند نہ کرتے۔ بیٹھ جاؤ! تم کھڑے کیوں ہو؟"

عاصم میز کے دوسری طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ عورت کچھ دیر خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔

بالآخر اُس نے کہا۔ "سرائے کے مالک نے تمہاری بہت تعریف کی ہے۔ تم ہمارے ساتھ دمشق تک جانا پسند کرو گے ـــــ؟"

"ہم صرف بارش تھمنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن اگر بارش نہ رکی تو بھی ہم صبح تک یہاں سے نکل جائیں گے۔ یہ ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ سرائے کے مالک نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ تم ایک بہادر آدمی ہو اور تمہاری نیکی اور شرافت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ہم تمہاری اعانت کے محتاج ہیں۔ اگر تم دمشق تک ہمارا ساتھ دے سکو تو میں اس نیکی کا پورا معاوضہ دے سکوں گی؟"

ماں اور بیٹی سراپا التجا بن کر عاصم کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اور اُس کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ وہ کسی بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اُس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "اگر سرائے کے مالک کی یہی خواہش ہے۔ تو میں ضرور آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اور آپ سے اس کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لوں گا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ ایرانیوں کی پیش قدمی کی وجہ سے دمشق خالی ہو رہا ہے۔ کیا ان حالات میں آپ کے لئے وہاں جانا خطرناک نہ ہو گا؟"

عورت نے جواب دیا۔ "ہمیں ایرانیوں سے کوئی خطرہ نہیں، اگر سارا دمشق خالی ہو جائے تو بھی ہم وہاں ضرور جائیں گے۔ اور تمہیں ہم کو اس قدر نادار نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم تمہاری خدمت کا کوئی صلہ نہ دے سکیں۔ بعض اہم وجوہ کی بنا پر ہمیں اس بے سروسامانی کی حالت میں یروشلم سے نکلنا پڑا اور ہم اپنے نوکروں کو ساتھ نہ لا سکے لیکن تمہارے لئے اس وقت بھی بہت کچھ ہے۔"

باہر بادل کی گرج سنائی دی اور بارش کا شور پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ عورت نے مضطرب ہو کر کہا۔ "اب صبح ہونے لگی ہے۔ خدا معلوم یہ طوفان کب تھمے گا۔ ہمارے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ صبح ہوتے ہی اُن کے آدمی ہر طرف ہمارا پیچھا کریں گے۔"

"آپ کا پیچھا کرنے والے کون ہیں؟" عاصم نے سوال کیا۔

عورت نے اچانک سنبھل کر جواب دیا۔ "آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہم صرف

ایک پریشانی سے بچنا چاہتے ہیں۔ یروشلم کی فوج کا ایک بڑا افسر اس بات کی ہر ممکن کوشش کرے گا کہ وہ ہمارا تعاقب نہ کر سکیں۔ تاہم ہمارے لئے یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"میرے خیال میں بارش کا زور ٹوٹ رہا ہے۔" عاصم یہ کہہ کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے واپس آکر کہا "مغرب کی طرف بادل چھٹ رہے ہیں اور اب یہ معمولی بوندا باندی بھی زیادہ دیر نہ رہے گی۔ آپ کے پاس گھوڑے ہیں؟"

"ہاں ——"

"اگر آپ کے پاس گھوڑے تھے تو آپ کو بارش میں بھی یہاں قیام نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں ابھی سرائے کے مالک کو جگاتا ہوں۔"

فرمس اچانک کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا "آپ کو یہ کیسے خیال آیا کہ میں سو رہا ہوں۔ گھوڑے تیار ہیں میں صرف بارش تھمنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اب میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔ ان خواتین کو دمشق پہنچنے کے لئے ایک قابلِ اعتماد ساتھی کی ضرورت ہے اور مجھے اس خدمت کے لئے آپ سے بہتر کوئی نظر نہیں آتا۔"

عورت نے کہا "اب تمہیں درخواست کرنے کی ضرورت نہیں یہ شریف نوجوان ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہے۔"

فرمس کا ملازم کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائے کمرے میں داخل ہوا اور اسے بستر پر رکھ کر بولا "لیجئے میں نے انہیں اچھی طرح سکھا دیا ہے۔"

فرمس نے عورت سے مخاطب ہو کر کہا "آپ فوراً تیار ہو جائیے۔ ہم نیچے آپ کا انتظار کریں گے۔"

عاصم دروازے کے قریب ایک کھونٹی سے اپنے کپڑے اتارنے لگا تو فرمس نے اپنے نوکر سے کہا "تم یہ کپڑے لے جاؤ اور انہیں کھانے کے سامان کے ساتھ ان کی خرجین میں ڈال دو۔ اس کے بعد ان معزز خواتین کو نیچے لے آؤ۔" پھر وہ عاصم سے مخاطب ہوا "تمہارے سفر کے لئے یہ لباس موزوں نہیں۔ تم میرے ساتھ آؤ میں نے تمہارے لئے کچھ اور انتظام کیا ہے؟"

عاصم فرمس کے ساتھ چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ اُس کے سکونتی مکان کے ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا۔ فرمس نے جلدی سے ایک صندوق کھولا اور ایک رومی افسر کی وردی نکال کر عاصم کے سامنے رکھتے ہوئے کہا

"تم ایک رومی افسر کے بھیس میں دمشق جا رہے ہو۔ تمہارے لئے ایک عرب کی بجائے ایک رومی کی حیثیت سے ان عورتوں کی حفاظت کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ یہ میرے ایک دوست کی نشانی ہے۔ اُس نے فوج سے بھاگ کر یروشلم کی ایک خانقاہ میں پناہ لی تھی اور اپنی وردی میرے پاس چھوڑ گیا تھا۔ دو سال اس نے راہبانہ زندگی بسر کی اور آخر کار اس سے بیزار ہو کر وہ خانقاہ سے بھی فرار ہو گیا۔ اس کے بعد اُس کا کہیں پتا نہ چلا۔ اُس کا قد بالکل تمہارے برابر تھا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ وردی تمہارے ٹھیک آسکے گی۔ اب جلدی کرو۔"

عاصم نے کہا "لیکن میں رومی زبان کے چند الفاظ ہی جانتا ہوں۔ اور میرا رنگ بھی کسی رومی کو دھوکا نہیں دے سکے گا ——"

"تمہارا رنگ خاصا سفید ہے۔ اور روم و یونان کے وہ لوگ جو مدت سے شام میں آباد ہیں، یہاں کی زبان سیکھ گئے ہیں اور تم سریانی زبان میں روانی کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہو۔ پھر اگر کسی جگہ رومی زبان میں گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آگئی تو تھوڑی دیر کے لئے بہرے بن کر ان خواتین کو آگے کر دینا۔ وہ خاصی سمجھ دار معلوم ہوتی ہیں۔ جو لوگ تمہیں راستے میں ملیں گے وہ اس لباس کو دیکھ کر ہی مرعوب ہو جائیں گے۔ تم پانی مانگو گے تو دودھ ملے گا۔ تمہیں صرف ان عورتوں کا پیچھا کرنے والوں سے کوئی خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جلد از جلد یہاں سے دور ہو جاؤ۔ یہ عورت دمشق کے کسی بااثر رومی کی بیٹی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ یروشلم کے حاکم کے آدمی دو چار منزلوں سے زیادہ ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ اس لباس کی بدولت تم بوقتِ ضرورت تازہ دم گھوڑے بھی حاصل کر سکو گے؟"

عاصم وردی پہن چکا، تو فرمس نے صندوق سے تلوار نکال کر اُسے پیش کرتے ہوئے کہا "خدا کی قسم اب اگر تم قیصر کے دربار میں جاؤ تو بھی تم پر کوئی شک نہیں کرے گا۔"

عاصم نے کہا "نہیں مجھے تلوار کی ضرورت نہیں۔ میں نے عہد کیا تھا کہ باقی عمر تلوار کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور میں اس عہد پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔"

فرمس نے کہا "عاصم! تم ایک بہادر آدمی ہو۔ اور راستے میں تمہیں ایسے حالات پیش آسکتے ہیں کہ تم بھاگنے کو پسند کرو۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان بے بس عورتوں پر کسی نے حملہ کیا تو تم ان کی چیخیں برداشت نہ کر سکو گے۔

موجودہ حالات میں مجھے یہ توقع نہیں کہ یروشلم کا حاکم انہیں گرفتار کرنے کے لئے کوئی لشکر بھیجے گا۔ لیکن اگر دو چار آدمیوں نے تمہارا پیچھا کیا تو تم یقیناً تلوار کی ضرورت محسوس کرو گے۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ خطرے کے وقت تمہیں صرف اپنی جان بچانے کی فکر ہوگی اور تم ان عورتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر سکو گے تو میں یہ تلوار تمہیں پیش نہ کرتا۔"

عاصم نے کوئی جواب نہ دیا اور فرمس نے تلوار کا تسمہ اُس کی کمر سے باندھتے ہوئے کہا۔"خدا جانتا ہے کہ مجھے تمہاری جدائی پسند نہیں۔ جب تم اپنی سرگزشت سنا رہے تھے تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث مجھے یہاں سے بھاگنا پڑا تو میں تمہیں اپنے ساتھ اسکندریہ لے جاؤں گا۔ اور پھر وہاں سے ہم بابلیون چلے جائیں گے۔ مگر قدرت تم سے یہ کام لینا چاہتی تھی۔ لیکن اب تم جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا۔ اگر حالات زیادہ خراب ہوگئے اور مجھے تمہاری آمد سے پہلے یہاں سے کوچ کرنا پڑا تو میں اسکندریہ اور اُس کے بعد بابلیون میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

عاصم نے صندوق سے ترکش اور کمان نکالتے ہوئے کہا۔"اب کہ میں اپنے عہد سے انحراف کر رہا ہوں تو مجھے پوری طرح مسلح ہو کر جانا چاہیئے۔"

وہ کمرے سے باہر نکلے تو بارش تھم چکی تھی اور مشرق سے سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فرمس سرائے کے دروازے کے باہر کھڑا عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُن رہا تھا۔

باب ۱۴

آفتاب نمودار ہو چکا تھا۔ اور چند میل سرپٹ دوڑنے کے بعد عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے گھوڑے بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ عاصم نے اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف، جو کچھ پیچھے رہ گئے تھے، دیکھنے لگا۔

لڑکی کی ماں نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا۔"گھوڑے تھک گئے ہیں۔ اب ہمیں کچھ دیر آرام سے سفر کرنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن یہ بہتر ہوگا کہ ہم دوپہر سے پہلے زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کرلیں۔"

لڑکی نے کہا۔"آپ کو یقین ہے کہ یہ راستہ دمشق کی طرف جاتا ہے؟" یہ پہلا موقع تھا کہ وہ عاصم سے "تم" کی بجائے "آپ" کہہ کر مخاطب ہو رہی تھی۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دن کی روشنی میں انسانی حسن و جمال کے اِس پیکر مجسم کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی عمر چودہ یا پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم شباب کی تمام رعنائیاں اُس کے چہرے پر رقص کر رہی تھیں۔

اُس نے جواب دیا۔"ہاں! میں اِس راستے پر پہلے بھی سفر کر چکا ہوں۔"

لڑکی نے کہا۔"ہم خاصی دور آگئے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تھوڑی دیر کسی جگہ سستانے کے لئے ٹھہر جائیں۔"

"نہیں" عاصم نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔"ہم دوپہر سے پہلے آرام نہیں کریں گے۔"

ماں نے کہا۔"بیٹی! ہمت سے کام لو۔ ہماری منزل بہت دور ہے۔"

ایک گھاٹی کے موڑ سے انہیں گھوڑوں کی ٹاپ اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ عاصم نے جلدی سے گھوڑے کی باگ موڑی اور راستے سے ایک طرف ہٹ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔"میرا خیال ہے کہ وہ سپاہی ہیں۔ گھوڑوں کا رُخ دوسری طرف کرلیں اور راستہ چھوڑ دیں، انہیں ہمارے متعلق یہی سمجھنا چاہیئے کہ ہم بھی

یروشلم جارہے ہیں۔ پھر شاید وہ ہم سے ہمکلام ہونے کی ضرورت محسوس نہ کریں۔"

عاصم کے ساتھیوں نے بلاتاخیر اُس کی ہدایت پر عمل کیا۔ چند ثانیے بعد گھاٹی کے موڑ سے دور تک اور چند مسلح سوار نمودار ہوئے۔ سب سے اگلی رتھ پر ایک رومی افسر سوار تھا اُس نے قریب پہنچ کر ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور پھر ہانپتے ہوئے گھوڑوں کو چابک مارتا ہوا آگے نکل گیا۔ جب یہ لوگ کچھ دور چلے گئے تو عاصم نے اطمینان کا سانس لینے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔ "میں یہ وردی پہننے پر اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر وہ مجھ سے پوچھ بیٹھے تو میں کیا جواب دوں گا۔"

لڑکی بولی۔ "تمہیں اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ لوگ دمشق سے آرہے تھے اور انہیں مرعوب کرنے کے لئے میرے اباجان کا نام کافی تھا۔ میں اگر انہیں یہ بھی بتادیتی کہ تم ایک عرب ہو اور تم نے صرف ہماری خاطر ایک رومی کا بھیس بدلا ہے تو بھی وہ تمہیں کچھ کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ دمشق کی فوج کے تمام عہدہ دار میرے اباجان کو جانتے ہیں۔ ہمیں اگر کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے تو صرف یروشلم کے حاکم کے آدمیوں سے۔"

عاصم نے کہا۔ "اگر یروشلم کے حاکم کے آدمی آپ کی تلاش میں اس طرف روانہ ہوچکے ہیں تو راستے میں ان لوگوں سے انہیں آپ کا پتا مل جائے گا۔ اس صورت میں آپ کو آرام کے لئے بہت کم وقت ملے گا۔ اب چلئے۔"

عاصم نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ ماں اور بیٹی نے بے بسی کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے اُس کے پیچھے چل پڑیں۔

ایک ساعت بعد یہ لوگ ایک سرسبز وادی میں داخل ہوئے جہاں ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی۔ گندم اور جو کے لہلہاتے کھیتوں میں کہیں کہیں زیتون کے درخت کھڑے تھے۔ سامنے تھوڑی دور کسی بستی یا قصبے کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ عاصم نے سڑک سے اتر کر ندی کے کنارے گھوڑا روکا اور اُسے پانی پلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔ "میرے خیال میں ہمیں اُس بستی کی بجائے یہیں کسی جگہ تھوڑی دیر آرام کرلینا چاہیئے۔ آپ اپنے گھوڑوں کو پانی پلالیں۔ اس کے بعد ہم کوئی موزوں جگہ تلاش کریں گے۔"

لڑکی گھوڑے سے اتری اور اوک سے پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد نڈھال سی ہوکر ندی کے کنارے بیٹھ گئی۔ ماں نے بیٹی کی تقلید کی لیکن عاصم نے کہا۔ "آپ اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑلیں ورنہ یہ پانی پیتے ہی بھاگ

لڑکی بادلِ ناخواستہ اٹھی اور اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر بولی۔ "ہمارے گھوڑوں میں اب بھاگنے کی ہمت نہیں۔"

عاصم نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر دوسرے گھوڑے کی باگ پکڑی اور کہا۔ "بھوکے گھوڑوں کے لئے یہ لہلہاتے کھیت خاصے صبر آزما ثابت ہوسکتے ہیں۔ آپ ذرا ہمت سے کام لیں۔ ہمارے لئے سڑک کے قریب ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

لڑکی نے کہا۔ "لیکن اب مجھ میں گھوڑے پر دوبارہ سوار ہونے کی ہمت نہیں۔"

عاصم نے کہا۔ "چند قدم پیدل چلنا آپ کے لئے سودمند ہوگا۔ آئیے!"

ماں اٹھتے ہوئے بولی۔ "چلو بیٹی! یہ درست کہتے ہیں۔ ہمیں معمولی تکلیف سے بچنے کے لئے سڑک کے کنارے رُکنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیئے۔"

لڑکی منہ بسورتی ہوئی اُن کے پیچھے چل پڑی۔ وہ کچھ دیر ندی کے کنارے چلتے رہے۔ ایک چھوٹا سا ٹیلا عبور کرنے کے بعد عاصم نے ادھر ادھر دیکھا اور کہا۔ "میرے خیال میں یہ جگہ زیادہ محفوظ ہے۔ کم از کم ہمیں سڑک کی طرف سے کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

لڑکی اور اُس کی ماں زمین پر بیٹھ گئیں اور عاصم نے تینوں گھوڑے زیتون کے درختوں سے باندھ دیئے۔ پھر اپنی خُرجین سے ایک گٹھڑی، جس میں کھانا بندھا ہوا تھا، نکالی اور اُسے اپنے ساتھیوں کے آگے رکھ کر کھولتے ہوئے کہا۔ "آپ تھکاوٹ سے زیادہ بھوک محسوس کررہی ہوں گی۔ دیکھئے! ہمارے میزبان نے کس قدر تکلف سے کام لیا ہے۔ یہ کھانا ہمارے اس سفر کے لئے کافی ہوگا۔"

لڑکی نے کہا۔ "کیا آپ کے خیال میں ہمیں اگلی منزلوں میں بھی اسی باسی کھانے پر اکتفا کرنا پڑے گا؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "ہاں! اگر تازہ کھانا نہ ملا!"

لڑکی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن بھوک کی شدت اُس کی قوتِ گویائی پر غالب آگئی۔

پھر گوشت کے چند ٹکڑے اور روٹی کے چند نوالے کھانے کے بعد اُس نے قدرے تازہ دم ہوکر کہا۔ "دیکھئے! آپ کی ایک غلط فہمی دور کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے لئے یروشلم ٹھہرنا اس لئے خطرناک تھا کہ شہر کا حاکم درپردہ ہمارا دشمن ہے اور اُس کے جاسوسوں نے بعض افواہیں پھیلا کر عوام کو ہمارے خلاف مشتعل کردیا تھا۔ لیکن یروشلم سے باہر ہمیں کوئی ۔۔۔ گورنر کے آدمی ہمارا تعاقب کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ آپ میرے نانا کو نہیں جانتے۔ ورنہ آپ کو

ہمارے متعلق اس قدر پریشانی نہ ہوتی آپ دیکھیں گے کہ جب یروشلم کے حاکم کو یہ معلوم ہوگا کہ ہم اُس سے خفا ہیں تو وہ کانپتا ہوا میرے نانا کے پاس آئے گا اور ان کے پاؤں پر گر کر یہ کہے گا کہ میں بے قصور ہوں، میں تو آپ کی بیٹی اور نواسی کی حفاظت کر رہا تھا۔ یہ ہماری غلطی تھی کہ ہم اپنے ایرانی نوکروں کو اپنے ساتھ یروشلم لے آئے تھے۔ اور عوام کسی دشمن کی افواہوں سے ان کے خلاف مشتعل ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکنے کی کوشش نہ کریں۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔"

لڑکی کی ماں نے کہا۔"فسطینہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہماری عزت اور ہماری جانیں خطرے میں ہیں۔ ہمارا ایک نوکر اب بھی انتونیکس کی قید میں ہے۔ اور اس کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے ہمارے خلاف کوئی بیان نہیں دیا۔"

لڑکی نے ماں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے تشکر بھری نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔"اگر وہ ہمیں پکڑ کر لے جائیں تو آپ دمشق پہنچنے کی کوشش کریں۔ ہمارا مکان شہر کے مشرقی دروازے کے بالکل قریب ہے اور میرے نانا کا نام تھیوڈوسیس ہے۔ جب آپ انہیں یہ بتائیں گے کہ آپ کی فسطینہ گرفتار ہونے سے پہلے بارش کے طوفان میں یروشلم سے نکلی تھی اور پھر اُس نے اتنا لمبا سفر طے کیا تھا تو آپ دیکھیں گے کہ وہ یروشلم کے گورنر کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اور آپ میرے باپ کے متعلق بھی نہیں جانتے۔ اماں جان آپ انہیں بتا دیجئے کہ میرا باپ کون ہے۔ پھر انہیں یقین آ جائے گا کہ ہمیں کوئی خطرہ نہیں اور ہم دمشق تک اطمینان سے سفر کر سکتے ہیں۔"

فسطینہ کی ماں اور عاصم اضطراب و پریشانی کی حالت میں اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں فسطینہ آنکھیں بند کئے گہری نیند میں بڑبڑا رہی تھی۔

عاصم نے کہا۔"آپ بھی تھوڑی دیر آرام کر لیجئے۔"

فسطینہ کی ماں نے زمین پر لیٹتے ہی آنکھیں بند کر لیں اور تھوڑی دیر بعد اپنی بیٹی کی طرح وہ بھی گہری نیند سو رہی تھی۔

عاصم دیر تک فسطینہ کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کا حسین چہرہ اُسے بیک وقت معصوم، شوخ اور مغرور دکھائی دیتا تھا۔ اُسے گزشتہ چند گھنٹوں کے تمام واقعات ایک خواب معلوم ہوتے تھے۔ اور یہ خواب جس قدر دلچسپ اور دلفریب تھا اُسی قدر مضحکہ خیز معلوم ہوتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر رات کے وقت یروشلم کے دروازے بند نہ ہوتے اور مجھے بارش سے پناہ لینے کے لئے فرمس کی سرائے کا رخ نہ کرنا پڑتا تو ان سے میری ملاقات بھی نہ ہوتی۔ میں دنیا سے تمام رشتے توڑ کر ایک ان

کی تلاش میں نکلا تھا۔ مجھے اپنے سفر میں کسی کی رفاقت کی تمنا نہ تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قدرت نے تین مصیبت زدہ افراد کو مختلف سمتوں سے دھکیل کر ایک راستے پر ڈال دیا ہے؟ کیا قدرت کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اس وقت فسطینہ کی بجائے سمیرا میرے پاس ہوتی ——— اُس سے میری پہلی ملاقات جن حالات میں ہوئی تھی وہ اس سے کہیں زیادہ غیر متوقع اور ناقابلِ یقین تھے۔ اور میں نے ان غیر متوقع حالات کو قدرت کا معجزہ سمجھ کر یہ یقین کر لیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے ہیں۔ ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔ سمیرا کی رفاقت کے بغیر میرے ذہن میں اپنے مستقبل کا کوئی تصور نہ تھا۔ لیکن اب وہ مر چکی ہے۔ میں اُسے دوبارہ نہیں دیکھوں گا۔ منات جس کی مورتی کے سامنے میں نے منتیں مانی تھیں صرف یہ چاہتا تھا کہ میں اپنے راستے سے بھٹک کر سمیرا کے گھر پہنچ جاؤں۔ اُس نے عمیر کو بے بسی کے عالم میں میرے راستے میں ڈال دیا تھا۔ اُسی نے میرے دل میں عدی کے خاندان کے لئے دوستی اور محبت کے جذبات بیدار کر دیئے تھے اور مجھے اس بات کا قطعاً احساس نہ تھا کہ میں اپنے قبیلے سے بدعہدی کر رہا ہوں۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ میں نے اُن پر موت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ جسے نیکی سمجھتا تھا وہ میری زندگی کا سب سے بڑا جرم بن جائے گی۔ اور میں جن پھولوں کو ہاتھ لگاؤں گا وہ خاکستر ہو کر رہ جائیں گے۔

عاصم نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں اور اپنے دل میں کہا۔"قدرت کی بے رحم قوتو! اب تم مجھ سے مذاق نہیں کر سکتیں۔ اب میں نئے سپنے نہیں دیکھوں گا۔ اب مجھے کسی خواب کی تعبیر پریشان نہیں کرے گی۔ اب پھولوں کی جستجو مجھے انگاروں میں ہاتھ ڈالنے پر آمادہ نہیں کرے گی۔ تم میرے خالی ہاتھوں سے کچھ نہیں چھین سکو گے۔ دمشق پہنچنے کے بعد مجھے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ وہاں سے ہمارے راستے مختلف ہو جائیں گے۔" پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ دوبارہ فسطینہ کی طرف دیکھ رہا تھا تو اس کے دل میں اس قسم کے سوالات ابھر رہے تھے۔"کیا دمشق سے آگے اپنی زندگی کے ویران راستوں پر قدم رکھتے ہوئے مجھے کسی ہمسفر کی احتیاج محسوس نہیں ہوگی؟ کیا مجھے اِس عارضی رفاقت کا تصور پریشان نہیں کرے گا؟"

عاصم کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ جتنا فسطینہ کی طرف دیکھتا اتنی ہی شدت کے ساتھ یہ محسوس کرتا کہ مستقبل کے تاریک خلا میں یہ تابناک چہرہ مدتوں اُس کا تعاقب کرتا رہے گا۔ تاہم اُسے یہ اطمینان تھا کہ اگر مجبوری نہ ہوتی تو یہ مغرور لڑکی ایک غریب الدیار عرب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتی اور جب وہ دمشق پہنچ جائیں گے تو

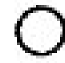
ان کے راستے خود بخود ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ اچانک اُسے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ ایک عمر رسیدہ آدمی آہستہ آہستہ ٹیلے پر چڑھ رہا تھا۔ عاصم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بوڑھے نے قریب پہنچ کر ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور کہا۔ "جب آپ سڑک سے اتر کر اس طرف آ رہے تھے تو میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ میں سمجھا شاید آپ آگے کسی گاؤں کی طرف جا رہے ہیں۔ لیکن ابھی میں اپنے کھیتوں کی طرف جا رہا تھا تو آپ یہاں بیٹھے دکھائی دیئے۔ اگر آپ سڑک سے اُتر کر اس طرف نہ آتے تو تھوڑی دور آگے آپ ایک سرائے میں قیام کر سکتے تھے۔ اب اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے گھر تشریف لے چلیں۔ میں بستی کے باہر اُس باغ کے پیچھے رہتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ کا شکریہ! لیکن اب ہم تھوڑی دیر میں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"تو میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "ہمارے گھوڑے بھوکے ہیں اگر آپ ان کے لئے اناج اور چارا مہیا کر سکیں تو بڑی نوازش ہو گی۔"

"آپ بہت نیک دل معلوم ہوتے ہیں ورنہ رومیوں کے گھوڑے اگر بھوکے ہوں تو وہ انہیں ہماری فصلوں میں چھوڑ دیتے ہیں۔ میں ابھی چارے کا انتظام کر دیتا ہوں۔" بوڑھا یہ کہہ کر واپس چل دیا۔



کچھ دیر بعد گھوڑے چارا کھا رہے تھے اور بوڑھا کسان اور اُس کا ایک نوجوان بیٹا عاصم کے پاس بیٹھے تھے۔ کسان نے کہا۔ "جناب! اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہیئے!"

"میرا بڑا بیٹا فوج میں ملازم ہے۔ پچھلے مہینے اُس نے مجھے غزہ سے اطلاع دی تھی کہ ہمارے دستے دمشق جا رہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد سے اُس کا کوئی خط یا پیام نہیں آیا۔ اگر آپ اُسے گھر آنے کے لئے کچھ دن کی رخصت دلوا سکیں تو میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔ میری بیوی بیمار ہے اور اُسے بہت یاد کرتی ہے۔ اُسے رخصت نہ مل سکے تو بھی ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ خیریت سے ہے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں اُسے دمشق میں تلاش کروں گا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ جنگ کے دنوں میں

سپاہی کو چھٹی نہیں مل سکتی۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ آپ کو اُس کی خیریت کی اطلاع مل جائے۔"

"آپ بہت نیک دل ہیں۔ ورنہ رومی افسر کسی شامی سے ہم کلام ہونا بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ آج چند رومی ہمارے گاؤں سے گزرے تھے اور میرے بیٹے نے یہی التجا اُن کے افسر سے کی تھی۔ لیکن اُس نے جواب دینے کی بجائے مجھے چابک رسید کر دیا۔ اگر گاؤں کا ایک آدمی مجھے دھکا دے کر ایک طرف نہ ہٹاتا تو اُس نے مجھے اپنی رتھ کے نیچے کچل ہی دیا ہوتا۔"

عاصم نے کہا۔ "وہ کوئی بد دماغ آدمی ہو گا۔"

نوجوان نے کہا۔ "جناب! اگر میں وہاں ہوتا تو یہ ضرور پوچھتا کہ اگر تم انطاکیہ اور حمص سے شکستیں کھا کر بھاگے ہو تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔"

بوڑھے نے خوفزدہ ہو کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور کہا۔ "جناب! یہ لڑکا بہت بیوقوف ہے آپ اس کی بات کا کوئی خیال نہ کریں۔"

عاصم نے کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ ایک غیرت مند بیٹا اپنے باپ کے ساتھ بدسلوکی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر یہ نوجوان اُس رومی افسر کے منہ پر تھپیڑ رسید کر دیتا تو بھی میں اسے حق بجانب سمجھتا۔"

بوڑھے کسان کا خوف اب پریشانی اور حیرت میں تبدیل ہو رہا تھا۔ "جناب! ہم لوگ تصور میں بھی ایسی گستاخی نہیں کر سکتے۔ آپ جیسے نیک دل انسان کو ہماری وفاداری پر شبہ نہیں کرنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے آپ کی وفاداری پر کوئی شبہ نہیں اور میں اس بات پر نادم ہوں کہ رومی فوج کا ایک افسر آپ سے اس قدر بدسلوکی کے ساتھ پیش آیا ہے۔ میں دمشق پہنچتے ہی آپ کے بیٹے کا پتا چلاؤں گا، اُس کا نام کیا ہے؟"

"اُس کا نام یوسف ہے اور اُس کے خدوخال میرے اس چھوٹے لڑکے سے اس قدر مشابہت رکھتے ہیں کہ آپ اُسے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔"

عاصم نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میں نہیں کہہ سکتا کہ دمشق کے حالات مجھے کتنی دیر وہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں گے۔ لیکن مجھے موقع ملا تو میں اُسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"جناب! آپ کے خیال میں دمشق کے حالات بہت زیادہ مخدوش تو نہیں ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "دمشق کو خطرہ ضرور ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ایرانی اس شہر کو فتح نہیں کر سکتے۔"

"جناب مجھے بھی یقین ہے کہ فوکاس جیسے ظالم حکمران سے نجات حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کے حالات بدل چکے ہیں اور ہمارا نیا شہنشاہ میدان میں آتے ہی ایرانیوں کا منہ پھیر دے گا۔"

عاصم کو روم اور ایران کی جنگوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُسے اس بات سے بھی کوئی سروکار نہ تھا کہ فوکاس کس قدر ظالم تھا اور نئے قیصر کے عزائم کیا ہیں، وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ یہ سادہ دل کسان اُس کو ایک رومی افسر سمجھ رہا ہے اور وہ اُسے یہ نہیں بتا سکتا کہ میرا ظاہری لباس تمہیں دھوکا دے رہا ہے۔ تاہم یہ تصنع اُس کے بلدی مزاج کے خلاف تھا اور ندامت کے احساس سے اُس کی گردن جھکی جا رہی تھی۔

بوڑھے کو اس بات کی خوشی تھی کہ رومی فوج کا ایک بڑا عہدہ دار اُس سے ہمکلام ہے۔ وہ مشرق و مغرب کے تازہ ترین حالات معلوم کرنے کے لئے بیتاب تھا اور عاصم اپنے دل پر جبر کرکے اُس کے ہر الٹے سیدھے سوال کا جواب دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب درختوں کے سائے طویل ہونے لگے تو اُس نے فسطینہ کی ماں کا بازو ہلا کر اُسے جگایا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پریشانی کی حالت میں بوڑھے کسان اور اُس کے بیٹے کی طرف دیکھنے لگی۔

عاصم نے کہا۔ "آپ خاصی دیر سو چکی ہیں، اب ہمیں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ ہمارے گھوڑے بھی تازہ دم ہو چکے ہیں۔ یہ شریف آدمی اُن کے لئے چارہ لے آیا تھا۔"

ماں نے کسی توقف کے بغیر فسطینہ کو جگا دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد یہ لوگ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔

بوڑھے کسان نے کہا۔ "جناب! اب تو شام ہونے والی ہے اگر آپ آج رات میرے ہاں ٹھہر سکتے تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔"

"نہیں! ہمارے لئے بلا تاخیر دمشق پہنچنا ضروری ہے۔ اگر میں دوبارہ اس راستے سے گزرا تو آپ کے پاس ضرور ٹھہروں گا۔ ہاں! دیکھیے، اگر گاؤں کے باہر سے کوئی راستہ سڑک سے ملتا ہے تو ہمیں اُس پر ڈال دیجئے۔ اس وقت مجھے گاؤں میں سے گزرنا پسند نہیں۔ میں راستے میں جتنے آدمیوں سے ملا ہوں وہ مجھ سے عجیب و غریب سوال کرتے ہیں۔ اور مجھے ان کی باتوں سے بہت الجھن ہوتی ہے۔"

"ہاں جناب! ان دنوں ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث چاروں طرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے اور عام لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ ملک کے حالات رومیوں سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ لیکن آپ کو گاؤں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ ندی کے اسی کنارے چلتے رہیں تو تھوڑی دور آگے جا کر آپ کو ایک پگڈنڈی ملے گی جو گاؤں سے باہر دمشق کی سڑک سے جا ملتی ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے لڑکے کو آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں۔"

"نہیں! اسے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔"

فسطینہ کی ماں نے سونے کا ایک سکہ بوڑھے کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "لو! یہ تمہارا انعام ہے۔"

کسان زمین سے سکہ اٹھانے کی بجائے سراپا احتجاج بن کر عاصم کی طرف دیکھنے لگا ——————

عاصم گھوڑے سے کود کر آگے بڑھا اور اُس نے زمین پر پڑا ہوا سکہ اٹھا کر اُس کے بیٹے کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "لیجئے یہ صرف انعام ہے۔"

لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور اُس کا اشارہ پا کر عاصم کے ہاتھ سے سکہ لے لیا۔ عاصم دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ تھوڑی دور آگے جا کر عاصم مڑا اور فسطینہ کی ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "وہ کسان غریب ضرور تھا لیکن بھکاری نہیں تھا، آپ کو اُس کی دل آزاری نہیں کرنی چاہیئے تھی۔"

عورت نے ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے تلخ ہو کر کہا۔ "اگر ہم اُسے کچھ نہ دیتے تو وہ ہمیں بھکاری سمجھتا۔ میں نے یہ بات آج تک نہیں سنی کہ سونا دیکھ کر کسی شامی کی دل آزاری ہو سکتی ہے۔ آپ کو اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گھوڑے سے اُترنے کی ضرورت نہ تھی۔"

اس مغرور خاتون کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ مجھے صرف یروشلم کے رومی حاکم کا خوف ہے۔ لیکن میں فلاں کی بیٹی اور فلاں کی بیوی ہوں اور کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی میری نگاہ میں ایک شامی کسان کا درجہ نہیں بڑھا سکتی۔

عاصم نے اضطراب کی حالت میں اُس کی طرف دیکھا لیکن اس مسئلہ پر مزید بحث کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اور وہ کسان جو ابھی تک ٹیلے پر کھڑا تھا اپنے بیٹے سے یہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ عورت کسی امیر اور بااثر رومی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے لیکن وہ اُس نوجوان کی ماں نہیں ہو سکتی۔ آج گاؤں کا کوئی آدمی نہیں مانے گا کہ ایک رومی نے مجھ سے ایک دوست کی طرح باتیں کی ہیں۔ لیکن تم یہ دیکھ چکے ہو کہ وہ میرے ساتھ کس قدر ادب سے پیش آتا تھا۔ اُس نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ میں تمہارے گھر ٹھہرا کروں گا۔ ایسا شریف آدمی چھوٹا نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دمشق

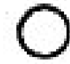
پہنچتے ہی تمہارے بھائی کو تلاش کرے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے بھائی کو اس کی مدد سے فوج میں ترقی مل جائے۔"

نوجوان نے کہا "لیکن مجھے تو اُس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رومی نہیں ہے؟"

"تم بیوقوف ہو اگر وہ ایک چرواہے کے لباس میں ہوتا تو بھی مجھے اُس کے رومی ہونے میں شک نہ ہوتا۔ تم نے ایک نہایت احمقانہ بات کی تھی اگر وہ عالی نسب نہ ہوتا تو ہماری شامت آجاتی۔"

"لیکن میں حیران ہوں کہ اُسے ہمارے گاؤں سے گزرنا کیوں پسند نہ تھا۔ کوئی ایسی بات تھی جسے وہ چھپانا چاہتا تھا"

بوڑھے نے جھنجھلا کر کہا "ارے پاگل! گاؤں میں وہ اس لئے داخل نہیں ہوا کہ وہاں تم جیسے بے وقوفوں کی کمی نہیں۔ اور وہ ہر مسافر کا راستہ روک کر عجیب و غریب سوال کرتے ہیں۔"



غروب آفتاب تک عاصم اور اُس کے ساتھی چند کوس اور سفر کر چکے تھے۔ شام کے وقت سڑک کے قریب انہیں ایک چھوٹی سی بستی دکھائی دی۔ عاصم نے اپنے ساتھیوں سے کہا "ہمارے لئے سڑک کے قریب بستی میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ اس لئے ہم یہاں سے گھوڑوں کو پانی پلاتے ہی روانہ ہو جائیں گے اور کچھ دور آگے کسی موزوں جگہ قیام کریں گے۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا "ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم آدھی رات تک سفر کر سکتے ہیں۔"

وہ سڑک سے اتر کر بستی کے ایک کنوئیں پر پہنچے۔ وہاں چند دیہاتی پانی بھر رہے تھے انہوں نے ان مسافروں اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلایا۔ عاصم نے احتیاطاً اپنا مشکیزہ بھی بھر لیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو بستی کے ایک معمر آدمی نے انہیں رات کے وقت اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی لیکن عاصم نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑتے ہوئے جواب دیا "آپ کا شکریہ! لیکن ہم اگلی بستی میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔"

ایک نوجوان نے معمر آدمی سے کہا "تم عجیب آدمی ہو۔ اگر وہ تمہاری دعوت قبول کر لیتے تو ہمارے پاس انہیں ٹھہرانے کے لئے کون سی جگہ تھی؟"

بوڑھے نے جواب دیا "بھئی! مجھے معلوم تھا کہ ایک رومی افسر یہاں نہیں ٹھہرے گا۔ اور اسی لئے میں نے

سے دعوت دی تھی۔"

ایک اور آدمی نے کہا "میں نے آج تک کسی رومی افسر کو رات کے وقت ایک مسلح دستے کے بغیر سفر کرتے نہیں دیکھا۔ اور اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اگلی بستی یہاں سے ایک منزل دُور ہے۔"

بوڑھے نے کہا "بھئی ایسے گھوڑوں پر چند میل چلنا کون سا مشکل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پیچھے اُن کے ساتھی آ رہے ہوں۔"

عاصم اور اُس کے ساتھیوں نے دوبارہ سڑک پر پہنچتے ہی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر بعد یہ سڑک ایک ایسے وسیع میدان سے گزر رہی تھی جہاں انسانی آبادی کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔ آسمان صاف تھا اور فضا میں دسویں رات کے چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی —— سڑک کے دونوں کناروں پر ریت کے ٹیلوں کے درمیان کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ کچھ دیر سرپٹ دوڑنے کے بعد اُن کے تھکے ہوئے گھوڑے معمولی رفتار سے چل رہے تھے۔ اچانک عاصم نے اپنی گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ فسطینہ اور اُس کی ماں نے بھی پریشان ہو کر اپنے گھوڑے روک لئے۔

فسطینہ نے مضطرب ہو کر پوچھا "کیوں کیا بات ہے؟"

عاصم نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اُسے اپنا سوال دہرانے کی جرأت نہ ہوئی۔ چند ثانیے یہ تینوں دم بخود کھڑے رہے۔ پھر عاصم نے کہا "کوئی آ رہا ہے۔ مجھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمارا پیچھا کر رہے ہوں۔ تاہم ہمیں راستے سے ایک طرف ہٹ کر اُن کے گزر جانے کا انتظار کرنا چاہیئے۔ آئیے!" عاصم نے اپنے گھوڑے کو دائیں طرف موڑ کر ایڑ لگا دی اور فسطینہ اور اُس کی ماں کچھ کہے بغیر اُس کے پیچھے چل پڑیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ریت کے ایک ٹیلے کی آڑ میں کھڑے تھے۔ اور فسطینہ سہمی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ گورنر کے آدمی ہیں۔ آپ وعدہ کریں کہ اگر وہ ہمیں گرفتار کر کے یروشلم لے گئے تو آپ اُن سے بچ کر دمشق پہنچنے کی کوشش کریں گے اور میرے نانا کو خبردار کر دیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا "وہ اس وقت ہمیں سڑک سے نہیں دیکھ سکتے لیکن اگر وہ اس طرف آ بھی جائیں تو بھی آپ کو خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ چار سوار آپ کو گرفتار نہیں کر سکتے۔ میرا ترکش تیروں سے بھرا ہوا ہے۔"

فسطینہ نے کہا۔"آپ کو یہ کیسے معلوم ہُوا کہ وہ صرف چار ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا۔"میرے لئے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سننے کے بعد اُن کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ میں ایک عرب ہوں ــــ لیکن آپ اطمینان رکھیئے، وہ اس طرف نہیں آئیں گے۔ اگر پچھلی بستی کے لوگوں نے اُن کی رہنمائی کی ہے تو وہ اگلی بستی میں داخل ہونے سے پہلے کسی جگہ نہیں رُکیں گے۔"

عاصم کے یہ الفاظ فسطینہ اور اُس کی ماں کی تسلی کے لئے کافی نہ تھے، وہ دم بخود ہو کر اُس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز قریب سنائی دینے لگی اور عاصم نے فسطینہ سے مخاطب ہو کر کہا۔"میرا خیال غلط نہ تھا وہ صرف چار ہیں۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا۔"اب ہمارے لئے سڑک پر سفر کرنا خطرناک ہو گا۔"

عاصم نے جواب دیا۔"اب ہمیں سڑک پر جانے کی ضرورت نہیں۔ آئیے۔"

وہ کچھ کہے بغیر اُس کے پیچھے چل پڑیں، لیکن ایک گھنٹہ سفر کرنے کے بعد فسطینہ کی ماں نے کہا۔"آپ کس طرف جا رہے ہیں؟"

"دمشق کی طرف"، اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ اِس صحرا میں راستہ نہیں بھول جائیں گے؟"

"آپ گھبرائیں نہیں میں ستاروں سے اپنا راستہ دیکھ سکتا ہوں۔ لیکن اب ہم زیادہ دیر سفر نہیں کریں گے میں قیام کے لئے کوئی موزوں جگہ دیکھ رہا ہوں ــــ آج کی رات آپ کو آسمان کی چھت کے نیچے سونا پڑے گا۔"

وہ پریشانی اور اضطراب کی حالت میں کچھ دیر اور عاصم کے پیچھے چلتی رہیں۔ بالآخر عاصم نے ریت کے چند بلند ٹیلوں کے درمیان رکتے ہوئے کہا۔"میرے خیال میں یہ جگہ موزوں ہے۔"

وہ گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ عاصم نے گھوڑوں کو جھاڑیوں سے باندھ دیا۔ پھر اُس نے ادھر اُدھر سے کچھ سوکھی لکڑیاں اور گھاس کے تنکے جمع کئے اور اپنی خرجین سے چقماق نکال کر آگ جلانے میں مصروف ہو گیا۔

فسطینہ اور اس کی ماں خاموشی سے ایک طرف بیٹھی اُس کی کارگزاری دیکھ رہی تھیں۔ جب آگ سلگنے لگی تو فسطینہ کی ماں نے کہا۔"یہاں آگ جلانا خطرناک تو نہ ہو گا؟"

"نہیں"۔ اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔"ہم سڑک سے خاصی دور ہیں۔ اور اس سردی میں آگ کے بغیر رات گزارنا بہت مشکل ہو گا۔ آپ الاؤ کے قریب آجائیں۔"

وہ اٹھ کر آگ کے قریب بیٹھ گئیں اور فسطینہ نے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔"میرا جسم سُن ہو رہا ہے اور میں ابھی یہ سوچ رہی تھی کہ اس بیابان میں اچانک ہمیں کوئی خانقاہ دکھائی دے گی اور جب ہم اُس کے دروازے پر دستک دیں گے تو کوئی نیک دل راہب باہر نکل کر ہمارا خیر مقدم کرے گا۔ اور ہمیں یہ مژدہ سنائے گا کہ تمہارے لئے اندر ایک کشادہ کمرے میں آگ جل رہی ہے۔ اس وقت مجھے آگ سے زیادہ کسی چیز کی خواہش نہ تھی۔"

عاصم نے خرجین سے ایک اونی چادر نکال کر زمین پر بچھاتے ہوئے کہا۔"آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ میں کچھ اور ایندھن جمع کر لوں۔"

جب عاصم اپنی تلوار سے ایک جھاڑی کاٹ رہا تھا تو فسطینہ اٹھی اور کٹی ہوئی شاخیں اٹھا اٹھا کر الاؤ کے قریب ڈھیر کرنے لگی۔

عاصم نے کہا۔"آپ تکلیف نہ کریں۔ یہ جھاڑیاں کانٹوں سے بھری ہوئی ہیں۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔"اس سفر کے بعد مجھے یہ کانٹے تکلیف نہیں دے سکتے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ الاؤ کے گرد بیٹھے دوپہر کا بچا ہُوا کھانا کھا رہے تھے۔ گذشتہ کئی گھنٹے کی بے آرامی کے باعث عاصم پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا، لیکن فسطینہ اور اُس کی ماں کے لئے ایک ویرانے میں رات بسر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا اور وہ نیند یا تھکاوٹ کی بجائے خوف محسوس کر رہی تھیں۔ ماں اپنی آنکھوں کے اشاروں سے اپنی بیٹی کو یہ سمجھا رہی تھی کہ ہم ایک خطرے سے بچنے کے لئے دوسرا خطرہ مول لے چکے ہیں۔ یہ نوجوان بہرحال ایک اجنبی ہے اور اگر اُس نے ہماری بے بسی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو ہم اِس ویرانے میں کیا کر سکیں گے۔ لیکن جب وہ عاصم کی طرف دیکھتیں تو انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ اُن کے دِل کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہے۔

چانک فسطینہ کی ماں نے کہا۔"میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"میرا نام عاصم ہے"۔ اُس نے جواب دیا۔

وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔"یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ آپ سرائے میں موجود تھے اور ہمیں دمشق پہنچانے

کا خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں دمشق جانے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ آپ بخیریت اپنے گھر پہنچ جائیں۔"

"میں کبھی اس احسان کا بدلہ نہیں دے سکوں گی۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میں نے اپنی خوشی سے یہ ذمہ داری قبول کی تھی۔"

فسطینہ نے پوچھا۔"اگر وہ سوار ہم پر حملہ کر دیتے تو آپ کیا کرتے؟"

عاصم مسکرایا۔"مجھے معلوم نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میرے ترکش کے چند تیر یقیناً کم ہو جاتے۔"

"اور اگر وہ زیادہ ہوتے تو؟"

"تو مجھے زیادہ تیر ضائع کرنے پڑتے۔ کم از کم میں آپ کو گرفتار ہوتے دیکھنا پسند نہ کرتا —— معاف کیجئے آپ کا یہ مشورہ میرے لئے ناقابل قبول تھا کہ اگر وہ حملہ کر دیں تو مجھے لڑنے کی بجائے دمشق پہنچ کر آپ کے گھر اطلاع دینی چاہیئے —— جب میں اپنے وطن سے نکل کر شام کا رُخ کر رہا تھا تو میں نے اپنی تلوار اتار کر پھینک دی تھی اور اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اب میں کسی لڑائی میں حصہ نہیں لوں گا۔ لیکن آپ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد جب میں نے سرائے کے مالک سے یہ تلوار حاصل کی تھی تو مجھے اِس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اگر آپ کو راستے میں کوئی خطرہ پیش آیا تو میں اپنے عہد پر قائم نہیں رہ سکوں گا۔"

فسطینہ نے کہا۔"آپ ہماری خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈالنا قبول کر لیتے؟"

عاصم نے جواب دیا۔"آپ کو میرے متعلق یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی ہے؟"

فسطینہ کی ماں نے غور سے عاصم کی طرف دیکھا اور اُسے اپنے شبہات پر ندامت محسوس ہونے لگی۔"آپ نے ہم سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم کون ہیں اور کس مصیبت میں مبتلا ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"مجھے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں ایک مصیبت زدہ انسان کا چہرہ پہچان سکتا ہوں تاہم اگر آپ مجھے اپنے حالات بتا سکیں تو میری بہت سی الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات ہے جسے ظاہر کرنا آپ مناسب خیال نہیں کرتیں تو میں اصرار نہیں کروں گا۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا۔"اگر اب بھی میں آپ پر اعتماد نہ کروں تو یہ احسان فراموشی ہو گی۔ سنیئے:

میرا نام یوسیبیا ہے۔ اور فسطینہ میری بیٹی ہے۔ میں ایک یونانی خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرا دادا فوج میں بھرتی ہو کر قسطنطنیہ سے دمشق آ گیا تھا۔ اپنی ذہانت اور کارگزاری کی بدولت وہ دمشق کی فوج کا سالارِ اعلیٰ بن گیا اور ایک شامی خاندان کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد مستقل طور پر وہیں آباد ہو گیا۔

جب میں پندرہ برس کی تھی تو میرے والد تھیوڈوسیس ایران کی سرحد کے قریب ایک قلعے کے محافظ تھے۔ میری ماں فوت ہو چکی تھی اور وہ مجھے اپنے پاس لے آئے تھے۔ اپنے باقی خاندان کے متعلق مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ میری پیدائش سے قبل جب ایرانیوں نے حملہ کیا تھا تو میرے والد کے دو بھائی انطاکیہ کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے تھے اور میرے دادا اور دادی اس حادثہ سے دو سال قبل وفات پا چکے تھے۔

ایک لڑکی کے لئے سرحد کا یہ دور افتادہ قلعہ قطعاً موزوں نہ تھا۔ لیکن اب میرے والد کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ میں ہمیشہ اُن کے پاس رہوں۔ وہ فرصت کے لمحات میں مجھے سواری اور تیراندازی سکھایا کرتے اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ مجھے تنہائی کا احساس نہ ہو۔ مجھے اپنے والد کے ساتھ رہتے ہوئے کوئی چار مہینے گزرے تھے کہ ایران سے انقلاب کی خبریں آنے لگیں۔ پھر ایک رات پچھلے پہر میں گہری نیند سو رہی تھی کہ میرے والد نے مجھے جگایا اور کہا۔"بیٹی اگر تم ایران کے شہنشاہ کو دیکھنا چاہتی ہو تو اپنا لباس تبدیل کر کے باہر آ جاؤ۔"

میرے لئے یہ بات ناقابلِ یقین تھی، لیکن چند سوال کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایران کی سلطنت پر وہاں کے سپہ سالار بہرام نے قبضہ کر لیا ہے اور خسرو پرویز مدائن سے فرار ہو کر یہاں پہنچنے والا ہے۔ میرے والد ایران میں خانہ جنگی کی خبریں سُن کر بہت خوش ہوا کرتے تھے، لیکن خسرو پرویز کو اس قلعے میں پناہ دینے کا مسئلہ بہت نازک تھا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ قیصر کے دربار سے اُس کے لئے دوستی کا پیغام آئے گا یا وہ اُس کی گردن اڑا دینے کا حکم بھیجیں گے۔ بہرحال وہ ایک شہنشاہ تھا اور میرے والد ایرانیوں سے انتہائی نفرت کے باوجود اُس کا استقبال کرنے کے لئے مجبور تھے۔

مجھے ایرانیوں کے تصور سے خوف آتا تھا لیکن ایک شہنشاہ کو دیکھنے کی خواہش میرے خوف پر غالب آ گئی، میں اپنا بہترین لباس پہن کر باہر نکلی تو صبح ہو رہی تھی اور قلعے کے دروازے پر تمام افسر اور سپاہی قطاریں باندھے کھڑے تھے۔ یہاں اُس نوجوان سے میری پہلی ملاقات ہوئی جو میرا رفیق حیات بننے والا تھا۔ وہ بیش قیمت

لباس پہنے ہوئے تھا اور اُس کا چہرہ اُس کے عالی نسب ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ اُس کی تلوار کے دستے میں بیش قیمت جواہرات چمک رہے تھے ـــــ وہ میرے باپ سے باتیں کر رہا تھا اور دو ایرانی جو اُس کے نوکر معلوم ہوتے تھے، ادب سے اُس کے پیچھے کھڑے تھے۔ میں کچھ دیر تذبذب کی حالت میں چند قدم دُور کھڑی رہی بالآخر میرے باپ نے میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا اور میں جھجکتی ہوئی آگے بڑھی مجھے یقین ہو چکا تھا کہ ایران کا شہنشاہ یہی ہے لیکن جب میں نے اُسے جھک کر سلام کیا تو میرے والد اور فوج کے دوسرے افسر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔

یہ نوجوان ایران کا شہنشاہ نہ تھا بلکہ اُس کا ایک وفادار ساتھی تھا۔ جس نے رات کے وقت میرے والد کو پرویز کی آمد کی اطلاع دی تھی۔"

یوسیبیا اس ملاقات کی ایک ایک تفصیل بیان کرنا چاہتی تھی لیکن فسطینہ نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا "اماں! آپ ہر ایک کے سامنے یہ قصہ لے بیٹھتی ہیں۔ بھلا ان کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ انہیں آرام کرنے دیجئے۔"

یوسیبیا نے غصے کی حالت میں اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور پھر عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی "میں آپ کو سارے واقعات سنا کر پریشان نہیں کروں گی۔ اس نوجوان کا نام سین تھا اور اُس سے میری دلچسپی کی پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ انتہائی بے تکلفی سے ہماری زبان میں گفتگو کر سکتا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اُس کی ماں، اُن ہزاروں لڑکیوں میں سے ایک تھی جنہیں نوشیرواں کی فتوحات کے زمانے میں ایرانی آرمینیا اور شام کے شہروں سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

خسرو پرویز اور اُس کے ساتھیوں نے ہمارے قلعے میں صرف ایک روز قیام کیا اور اگلے دن، چند کوس دور، ایک شہر کے حاکم کے پاس چلے گئے۔ اور قسطنطنیہ سے قیصر کا پیغام آنے تک انہیں وہیں ٹھہرنا پڑا۔ اس عرصہ میں سین ایک مرتبہ سیر و شکار کے بہانے ہمارے پاس آیا اور تین دن اس قلعے میں مہمان رہا۔ اُس کے دوران قیام میں، میں یہ محسوس کرنے لگی کہ ایرانیوں سے میری نفرت بتدریج کم ہو رہی ہے۔ وہ آتش پرست تھا لیکن اُس کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عیسائیوں سے نفرت نہیں کرتا۔ میرے والد کسی ایرانی کو اپنا دوست سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سین ایران کے شہنشاہ کا خاص آدمی تھا اس لئے وہ اس کی خاطر مدارت کرنے پر مجبور تھے۔ پھر انہیں یہ بھی خیال تھا کہ شہنشاہ موریس ایران سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کا یہ زریں موقع

پسند نہیں کریں گے اور خسرو پرویز کو اپنا کھویا ہوا تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن مدد دی جائے گی سین بار بار ہمیں اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کرتا تھا کہ اگر پرویز رومیوں کی مدد سے اپنی سلطنت پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ایران اور روم کی جنگ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی اور اس کے برعکس اگر ایران میں بہرام کے قدم جم گئے تو وہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لئے روم پر چڑھائی کر دے گا۔ سین کے قیام کے آخری دن، میں شام کے قریب گھوڑے پر سیر کر کے واپس آ رہی تھی کہ وہ قلعے سے کچھ دُور ٹہلتا ہوا دکھائی دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا اور میں با دلِ ناخواستہ رک گئی۔ اُس نے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا "میں کل صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، اور پھر شاید مدت تک آپ کو نہ دیکھ سکوں۔ چند دن تک قیصر کا حکم پہنچ جائے گا اگر انہوں نے ہماری مدد کی تو ہم مدائن پر حملہ کر دیں گے۔"

میں نے گھبرا کر کہا "چلئے، میرا یہاں آپ سے باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔"

اُس نے کہا۔ "آپ کو مجھ سے خوف آتا ہے؟"

میں نے جواب دیا "نہیں۔ اگر آپ ایران کے بادشاہ ہوتے تو بھی مجھے آپ سے خوف نہ آتا۔"

اُس نے کہا "اگر میں ایران کا بادشاہ ہوتا تو اپنا تاج اتار کر تمہارے قدموں میں ڈال دیتا۔"

میں کچھ دیر سکتے کے عالم میں اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر میں نے اچانک اُس کے ہاتھ سے باگ چھین ں اور گھوڑے کو چابک رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو میرا دل دھڑک رہا تھا اور ٹانگیں ڑا رہی تھیں۔ میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری رگوں کا سارا خون سمٹ کر میرے ـــے میں آ گیا ہے۔ رات کے وقت جب والد نے مجھے دسترخوان پر بلایا تو میں سر کے درد کا بہانہ کر کے اپنے بستر پڑ رہی ـــــ سین اگلے دن چلا گیا اور کچھ عرصہ بعد جب روم کے لشکر نے پرویز کی مدد کے لئے مدائن کی طرف ـیا تو میرے والد کو بھی اُس کا ساتھ دینا پڑا۔ میرا تنہا قلعے میں رہنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے مجھے د... کے ایک ـــے کے گھر پہنچا دیا گیا، جو پڑوس کے شہر کا حاکم بھی تھا۔ قلعے میں میرے والد کا قائم مقام انڈرونیکس تھا۔ یہ ـ آدمی کسی صورت اس منصب کا اہل نہ تھا لیکن وہ قسطنطنیہ کے ایک با اثر خاندان سے تعلق رکھتا تھا ـے گورنر نے اُس کی سفارش کی تھی۔ ان دنوں یہی انڈرونیکس یروشلم کا حاکم ہے۔ اور مجھ سے اُس کی

دشمنی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جب میرے والد کی غیر موجودگی کے دنوں میں وہ میرے پاس شادی کا پیغام لے کر آیا تھا تو میں نے اُس کے منہ پر چپت رسید کر دی تھی۔

بہرام کو شکست دینے اور خسرو پرویز کو تخت پر بٹھانے کے بعد جب میرے والد واپس آئے تو میں بھی شہر سے قلعے میں آ گئی۔ رات کے وقت میں اُن کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی اور وہ مجھے مدائن کے حالات بتا رہے تھے۔ اچانک میں نے سین کے متعلق پوچھا اور وہ میری طرف غور سے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا "بیٹی سین چند دن تک یہاں آ رہا ہے۔" "وہ یہاں کیوں آ رہا ہے؟" میں نے پریشان ہو کر سوال کیا

وہ بولے تمہیں معلوم نہیں ہے؟"

میرا دل دھڑکنے لگا۔ آخری ملاقات کے بعد مجھے سین کے الفاظ اکثر یاد آیا کرتے تھے، پھر بھی میں یہ اطمینان محسوس کرتی تھی کہ وہ دوبارہ مجھے پریشان نہیں کرے گا۔ لیکن اب وہ پھر آ رہا تھا اور میں خوشی سے زیادہ خوف محسوس کر رہی تھی۔ تاہم میں نے کہا "اباجان کیا بات ہے آپ پریشان کیوں ہیں؟"

انہوں نے کہا "بیٹی سین نے تم سے شادی کا پیام دیا ہے اور ہماری فوج کے سپہ سالار نے اس کی سفارش کی ہے۔ وہ یہ کہتا تھا کہ خسرو پرویز نے ذاتی طور پر مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اس مسئلہ میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کروں۔ ہماری فوج کے دوسرے افسر بھی مجھے یہ سمجھاتے تھے کہ یہ شادی ایران اور روم کے تعلقات کے لئے ایک اچھا شگون ثابت ہو گی۔"

میں اضطراب کی حالت میں کھڑی ہو گئی لیکن میرے والد نے مجھے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا اور کہا "بیٹی میرے لئے اُن سب کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہو گا۔ اگر یہ معاملہ شہنشاہ موریس کے پاس پہنچا تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھی پرویز کی حمایت کریں گے۔ سین ایران کے شہنشاہ کو بہت عزیز ہے۔ لیکن اگر تمہاری مرضی نہ ہو تو تمہیں اُس سے شادی کرنے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ میں وہاں یہ کہہ آیا ہوں کہ اگر میری بیٹی رضامند ہوئی تو میں مخالفت نہیں کروں گا۔ اب اگر تم اِس شادی سے بچنا چاہتی ہو تو تمہیں سین کے سامنے انکار کرنا پڑے گا۔ میں اُس سے یہ وعدہ کر آیا ہوں کہ اُسے براہِ راست تم سے گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اور اُس نے یہ بات مان لی ہے کہ اگر تم انکار کر دو تو وہ تمہیں دوبارہ پریشان نہیں کرے گا۔ وہ شاید اسی مہینے یہاں پہنچ جائے، اور تمہیں اقرار یا انکار کرنے سے پہلے اچھی طرح

سوچ لینا چاہئے کہ تم اپنے فیصلے پر کہاں تک قائم رہ سکو گی۔"

اگلے روز میرے والد نے مجھ سے پوچھا "یوسیبا! انڈرونیکس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ اُس نے بھی آج تمہارے رشتے کی درخواست کی ہے۔ میں نے فی الحال اُسے ٹال دیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمہیں پسند آ جائے تو ہمارے لئے سین کو جواب دینا آسان ہو جائے گا۔"

میں نے غصے کی حالت میں انہیں یہ بتایا کہ انڈرونیکس نے مجھے آپ کی غیر حاضری میں ورغلانے کی کوشش کی تھی اور میں اُسے مناسب جواب دے چکی ہوں۔ اب اُسے آپ کے سامنے منہ کھولنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ میں اُسے انتہائی قابلِ نفرت انسان سمجھتی ہوں۔ اور یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر وہ انطاکیہ کے گورنر کا رشتہ دار نہ ہوتا تو آپ اُسے اپنا نوکر رکھنا بھی پسند نہ کرتے۔

میری باتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ والد نے اُسی دن انڈرونیکس کو اس کی خدمات سے سبکدوش کر کے انطاکیہ روانہ کر دیا۔

چند دن بعد سین بھی آ گیا۔ مدائن کے رومی سفیر کا ایک خاص ایلچی اور چند ایرانی امراء اُس کے ساتھ تھے۔

جب سین نے ان سب کی موجودگی میں مجھ سے شادی کی درخواست کی تو میری زبان گنگ ہو گئی اور میں جواب دینے کی بجائے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی ـــــ اُس نے میرا پیچھا کیا اور جب میں اپنے ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسکیاں لے رہی تھی تو وہ کہہ رہا تھا "یوسیبا تم مجھ سے اس لئے نفرت کرتی ہو کہ میں آتش پرست ہوں۔ لیکن میں زرتشت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا ـــــ تمہیں معلوم نہیں کہ خسرو پرویز بھی ایک عیسائی لڑکی سے شادی کر چکا ہے۔ میری قسمت کا فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا لیکن فیصلہ کرنے سے پہلے تمہیں اتنا ضرور سوچ لینا چاہئے کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا ـــــ"

میرا باپ پریشانی کی حالت میں اُس کے پیچھے دروازے میں کھڑا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر سین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "اب آپ کو زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میری بیٹی اپنی قسمت کا فیصلہ کر چکی ہے۔"

تیسرے دن ہماری شادی ہو گئی۔

عاصم نے قدرے بے چین ہو کر پوچھا "آپ کا شوہر زندہ ہے؟"

یوسیبیا نے جواب دیا۔ "ہاں! لیکن اس وقت مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" عاصم نے دوبارہ سوال کیا۔

"اُسے قسطنطنیہ میں قید کرلیا گیا تھا۔ میں آپ کو پوری داستان سناتی ہوں۔ شادی کے بعد میں اپنے شوہر کے ساتھ مدائن چلی گئی تھی۔ وہاں زندگی میرے لئے ایک سہانا خواب تھی۔ پرویز شہنشاہ موریس کو اپنا باپ سمجھتا تھا اور میں یہ محسوس کرتی تھی کہ ایران اور روم کے درمیان جنگ کے امکانات ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکے ہیں۔ مدائن میں ہمارے پادری کسی روک ٹوک کے بغیر تبلیغ کرسکتے تھے لیکن چند سال بعد میں یہ محسوس کرنے لگی کہ مجوسی پیشوا ایران میں عیسائیت کے پرچار سے خائف ہیں۔ اور شاہ ایران اپنی ظاہری رواداری کے باوجود یہ محسوس کرتے ہیں کہ قیصر نے اپنی اعانت کے بدلے اُس سے آرمینیا کے علاقے چھین کر بہت بڑی قیمت وصول کی ہے۔ میرا شوہر پرویز کے انتہائی قابل اعتماد آدمیوں میں سے تھا اور میرے لئے یہ معلوم کرنا مشکل نہ تھا کہ ایران ایک وسیع پیمانے پر جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ تاہم شہنشاہ موریس کے ساتھ خسرو پرویز کے تعلقات ایسے تھے کہ ہمیں کسی فوری جنگ کا خطرہ نہ تھا۔ لیکن ایک دن اچانک یہ خبر آئی کہ قسطنطنیہ میں بغاوت ہوگئی ہے اور فوکاس نے شہنشاہ موریس کو قتل کرکے سلطنت پر قبضہ کرلیا ہے۔ ایران کے امراء اور مذہبی اکابر نے پرویز کو مشورہ دیا کہ اب روم سے حساب چکانے کا وقت آگیا ہے۔ پرویز خود بھی برسوں سے کسی موقع کا انتظار کررہا تھا۔ چنانچہ اس نے موریس کے قتل کی اطلاع ملتے ہی یہ اعلان کردیا کہ ہم فوکاس سے موریس کے قتل کا انتقام لیں گے۔ میرا شوہر جنگ کے خلاف تھا، اور اُس نے بھرے دربار میں کہا کہ ہمیں روم کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح حالات کی چھان بین کرلینی چاہیئے۔ اگر شہنشاہ مجھے اجازت دیں تو میں قسطنطنیہ جانے کو تیار ہوں، اگر وہاں میری تسلی نہ ہوئی تو ہم روم پر حملہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے ۔۔۔۔ پرویز جنگ پر تلا ہوا تھا، تاہم اُس نے میرے خاوند کی یہ درخواست رد نہ کی۔

میرے والد بڑھاپے میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر دمشق اپنے گھر آگئے تھے۔ اور میں نے انہیں کئی سال سے نہیں دیکھا تھا۔ فسطینہ کو بھی اپنے نانا کا گھر دیکھنے کا شوق تھا۔ اس لئے ہم بھی اُن کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ چند منزلوں تک ہم نے ایک ساتھ سفر کیا۔ پھر ہمارے راستے ایک دوسرے سے الگ ہوگئے اور انہوں نے ہمیں اپنے دو وفادار نوکروں اور چند مسلح سپاہیوں کے ساتھ دمشق کی طرف روانہ کرتے ہوئے کہا کہ میں قسطنطنیہ سے

فارغ ہو کر دمشق آؤں گا اور اس کے بعد ہم اکٹھے مدائن چلے جائیں گے۔ شام کی ایک سرحدی چوکی کے سالار نے ہمیں اپنی حفاظت میں دمشق پہنچانے کا ذمہ لیا اور ہم نے ایرانی سپاہی واپس کردیئے، تاہم میرے شوہر کے دو وفادار نوکر ہمارے ساتھ رہے۔ دمشق پہنچ کر ہمیں چند مہینے سین کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔ میرے والد نے دمشق کے حاکم کی وساطت سے اُس کا پتا لگانے کی کوشش کی تو ہمیں یہ اطلاع ملی کہ فوکاس نے انہیں موریس کا طرف دار سمجھ کر گرفتار کرلیا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس خبر سے ہماری کیا حالت ہوئی ہوگی۔ میرے والد نے قسطنطنیہ میں اپنے دوستوں کو پیغام بھیجے۔ انطاکیہ کے گورنر سے مداخلت کے لئے التجائیں کیں لیکن فسطینہ کے باپ کو رہا کروانے کے لئے اُن کی ساری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ پھر جب ایران نے چڑھائی کردی تو ہمیں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب اُن کے لئے فوکاس کی قید سے رہا ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ۔۔۔ اب دعائیں ہمارا آخری سہارا تھیں۔ دمشق کے ایک راہب نے ہمیں مشورہ دیا کہ اگر ہم یروشلم جائیں تو وہاں ہماری دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔ والد بڑھاپے کی وجہ سے سفر کے قابل نہ تھے۔ لیکن دمشق سے زائرین کا ایک قافلہ یروشلم جا رہا تھا اور ہم اپنے دو ایرانی نوکروں کے ساتھ اس قافلے میں شامل ہوگئے۔ اباجان نے ہمیں یروشلم کی فوج کے ایک سالار بطلیوس کے نام تعارفی خط دے دیا تھا۔ یہ شخص اباجان کے ایک دوست کا بیٹا تھا۔ اُس نے ہمیں اپنے پاس ٹھہرانے کی کوشش کی لیکن میں نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے لئے ایک علیحدہ مکان کا بندوبست کردیں۔ اُس نے ہمیں کرائے پر ایک مکان لے دیا، تاہم یہ شرط پیش کی کہ ہم کم از کم دو دن اُس کے پاس ضرور ٹھہریں گے۔ ہم نے بطلیوس سے زیادہ اُس کی نیک دل بیوی کے اصرار پر یہ شرط منظور کی۔ وہ دو دن اُن کے ہاں مہمان رہنے کے بعد کرائے کے مکان میں چلے گئے۔ یروشلم میں ہماری مصروفیات مختلف خانقاہوں اور گرجوں میں جا کر دعائیں کرنے تک محدود تھیں۔ اور ہم نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک ہمیں سین کے متعلق کوئی امید افزا خبر نہیں ملے گی ہم واپس نہیں جائیں گے۔ میں نے کھلے دل سے تمام گرجوں اور خانقاہوں کو نذرانے پیش کئے۔ دولت کی میرے پاس کمی نہ تھی۔ میں نے خانقاہوں سے کئی مشہور و معروف راہبوں کی ہڈیاں حاصل کیں اور بعض انتہائی متبرک ہڈیوں کے عوض میں نے اپنے قیمتی زیورات تک لٹا دیئے۔"

"راہبوں کی ہڈیاں!" عاصم نے چونک کر پوچھا "وہ کس کام آتی ہیں؟"

فسطینہ اُسے اِس قدر بدحواس دیکھ کر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی لیکن یوسیبیا نے قہر آلود نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ”ہم عمر رسیدہ راہبوں کی ہڈیوں کو بہت متبرک سمجھتے ہیں اور یروشلم کی خانقاہوں میں بعض راہبوں کی ہڈیاں تو جواہرات سے زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہیں۔ میں نے ایک مشہور راہب کی ڈیڑھ سو سال پرانی ہڈیوں کو چھونے کی خوشی میں اپنا موتیوں کا ہار اتار کر بشپ کی نذر کر دیا تھا اور انہوں نے مجھے اُس کی مٹی کے پیالے کا ایک ٹکڑا عنایت کیا تھا جس میں یہ بزرگ پانی پیا کرتے تھے۔ لیکن تم ایک عرب ہو اور ایرانیوں کی طرح تمہیں بھی ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔“

عاصم نے اس بحث میں اُلجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی وہ یوسیبیا کی سرگزشت کا آخری حصہ سننے کے لئے بیتاب تھا۔ اس نے کہا۔ ”معاف کیجئے! میں ہڈیوں کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتا، آپ یہ بتائیے کہ اس کے بعد کیا ہوا؟“

یوسیبیا نے کہا۔ ”پھر کوئی بیس دن بعد پطلیوس اپنی بیوی کے ہمراہ ہمارے پاس آیا اور اُس نے کہا آج فلسطین کے نئے حاکم نے اپنا عہدہ سنبھال لیا ہے اور کل شام وہ شہر کے رؤسا اور بڑے بڑے عہدہ داروں کو کھانے کی دعوت دے رہا ہے۔ میں نے فسطینہ اور آپ کا نام مہمانوں کی فہرست میں لکھوا دیا ہے۔ جب میں نے حاکم سے آپ کے والد کا ذکر کیا تھا تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور اُس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں آپ کو دعوت میں ضرور لاؤں۔“ مجھے اس دعوت سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن فسطینہ کا دل بہلانے کے لئے وہاں جانے کا وعدہ کر لیا۔

ہماری بدقسمتی سے یہ نیا گورنر وہی انڈرونیکس تھا جسے میں نے بے عزت کر کے قلعے سے نکلوایا تھا اور مجھے یہ بات اُس وقت معلوم ہوئی جب میں اُس کے محل میں داخل ہو چکی تھی۔ بظاہر وہ ہم سے بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا اور اُس کی بیوی نے بھی ہماری بہت دلجوئی کی۔ لیکن مجھے یہ جاننے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ انڈرونیکس ابھی تک پرانے واقعات نہیں بھولا۔ اُسے معلوم تھا کہ میں ایک ایرانی کی بیوی ہوں اور میرا شوہر قسطنطنیہ میں قید ہے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں تھیوڈوسیس کی بیٹی ہوں اور مجھے بلاوجہ پریشان کرنا اُس کے لئے سودمند نہ ہوگا۔ تاہم میں اُس کی طرف سے خوفزدہ تھی۔ چند دن ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا، لیکن جب دمشق کی طرف ایرانیوں کی پیش قدمی کی اطلاعات آنے لگیں تو مجھے یروشلم میں قیام کرنا خطرناک محسوس ہونے لگا۔ کسی طرح لوگوں کو پتا چل گیا کہ میرا شوہر ایرانی ہے اور ہمارے نوکر بھی ایرانی ہیں اور یہ بات انہیں مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھی۔

ایک روز ہم ایک خانقاہ کی زیارت کر کے واپس آ رہے تھے کہ ہمیں مکان کے دروازے پر لوگوں کا ایک ہجوم دکھائی دیا۔ ہم اُن کے قریب پہنچے تو انہوں نے ہمارے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ وہ ہمیں مرتد، غدار اور ایرانیوں کے جاسوس کہہ رہے تھے۔ پھر چند آدمی ”پکڑ لو، مار ڈالو“ کے نعرے لگاتے آگے بڑھے اور ہم بھاگ کر قریب کے ایک مکان میں گھس گئے۔ اندر صرف چند عورتیں اور بچے تھے۔ ایک عورت نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ مشتعل ہجوم دروازے پر حملہ کرنے والا تھا کہ رومی سپاہیوں کا ایک دستہ وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے لوگوں کو بھگا دیا اور ہمیں وہاں سے نکال کر اپنے گھر پہنچا دیا۔ گھر سے ہمارے دونوں نوکر غائب تھے۔ میری درخواست پر ایک سپاہی پطلیوس کو اطلاع دینے چلا گیا اور باقی ہماری حفاظت کے لئے وہاں ٹھہر گئے۔ پطلیوس اطلاع ملتے ہی ہمارے گھر پہنچا اور یہ صورت حال معلوم کرتے ہی شہر کے کوتوال کے پاس چلا گیا۔ رات کے وقت وہ واپس آیا تو ہمیں اُس کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ جب ہم خانقاہ کی زیارت کو گئے ہوئے تھے تو پولیس کے آدمی ہمارے نوکروں کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ اور اب انہیں یہ بیان دینے پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ ایرانیوں کے جاسوس ہیں۔“

میں نے اُسی وقت انڈرونیکس کے پاس جانے کا ارادہ کیا، لیکن پطلیوس نے کہا۔ ”اس وقت اُس کے پاس جا کر آپ کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میں اُس سے مل آیا ہوں۔ وہ یہ کہتا ہے کہ جب تک پولیس اچھی طرح چھان بین نہیں کر لیتی آپ کے نوکروں کو رہا نہیں کیا جا سکتا، تاہم آپ کے متعلق اُس نے مجھے یہ ہدایت کی ہے کہ مشتعل لوگوں کو آپ کے مکان سے دور رکھوں۔ آپ تسلی رکھیئے! آپ کا بال بیکا نہ ہوگا۔ جب تک آپ کو خطرہ ہے میرے سپاہی آپ کے مکان پر دن رات پہرا دیتے رہیں گے۔“

میں نے کہا۔ ”تم نے انڈرونیکس کو یہ نہیں بتایا کہ میرے نوکر عیسائی مذہب قبول کر چکے ہیں۔“

وہ بولا۔ ”میں نے کہا تھا لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ اُن کے مذہب کے متعلق تحقیقات کرنے کا معاملہ کلیسا کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر کلیسا نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ مرتد ہیں۔ تو میں اِس معاملے میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔“

مجھے اپنے والد کو اطلاع دینے کا خیال آیا لیکن میں یہ محسوس کرتی تھی کہ اس معاملے میں وہ بھی ہماری طرح بے بس ہوں گے۔

چند دن اور گزر گئے۔ اِس عرصہ میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ ہمارے گھر کے باہر کیا ہو رہا ہے۔ ہم کو دروازے

سے باہر جھانکنے کی اجازت نہ تھی۔ سپاہی جو ہمارے گھر پر پہرا دیتے تھے ہمیں بازار سے ضرورت کی اشیاء خرید کر لا دیتے تھے۔ ہمیں یقین ہو چکا تھا کہ گورنر ہمارے خلاف کوئی خطرناک سازش کر رہا ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کا ملال تھا کہ پطیوس نے دوبارہ ہماری خبر تک نہ لی۔ میں نے سپاہیوں کی وساطت سے اپنے باپ کو اس صورت حال سے خبردار کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس سلسلے میں ہماری مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر ایک روز کلیسا کے بشپ اور چند پادری ہمارے پاس آئے اور ہم سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ ان سب کو معلوم تھا کہ میں نے خانقاہوں اور گرجوں میں کس فیاضی کے ساتھ نذرانے پیش کئے ہیں۔ لیکن اُن کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہمارے مذہب ہی پر شک نہیں کرتے، بلکہ ہمیں ایران کا جاسوس بھی سمجھتے ہیں۔

میں غصے سے بے قابو ہو کر خدا معلوم کیا کہہ گئی۔ کہ بشپ نے مجھ پر کلیسا کی توہین کا الزام عائد کر دیا۔ پھر جب میں روتے ہوئے اُن کے پاؤں پر گر پڑی تو انہوں نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ بیٹی کلیسا تمہارے اس جرم سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ تم ایران کے دو جاسوسوں کو اپنے ساتھ لے کر یروشلم آئی ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اُن پر کوئی شبہ نہ ہو —— لیکن وہ ہمیں دھوکا نہیں دے سکیں گے۔ اُن کے مُنہ سے سچی باتیں اگلوانے کے لئے ہمارے پاس مؤثر ذرائع موجود ہیں۔ لیکن تمہیں اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے اور مذہب سے اپنی سچی محبت کا ثبوت دینے کے لئے ایک قربانی دینی پڑے گی۔ ہم تمہیں سزا دینے نہیں آئے —— بلکہ تمہاری بھلائی کے لئے آئے ہیں —— تم اگر اپنی بیٹی کو راہبہ بننے کی اجازت دے دو تو تمہارے خلاف نوکروں کے بیانات سننے کے بعد بھی کوئی تمہاری معصومیت پر شک نہیں کرے گا۔"

میں نے کہا "میں قسم کھاتی ہوں کہ میرے نوکر عیسائی ہیں اور وہ ایرانیوں کے جاسوس نہیں۔"

پادری نے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ درست ہو لیکن لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم مذہب سے محبت کا عملی ثبوت دو اور تمہاری طرف سے بہترین ثبوت یہی ہو سکتا ہے کہ تم فسطینہ کو ہمارے حوالے کر دو" میں نے گڑگڑا کر کہا۔ "مقدس باپ! فسطینہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اسے مجھ سے چھیننے کی کوشش نہ کیجئے۔"

جب بشپ اور دوسرے راہب مجھے سمجھانے کے بعد مایوس ہو گئے تو انہوں نے فسطینہ کو رہبانیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی لیکن یہ ڈر کر روتی ہوئی مجھ سے چمٹ گئی۔ اور وہ مجھے یہ دھمکی دے کر چلے گئے کہ تم

اپنے دین سے گمراہ ہو چکی ہو۔ ایرانیوں کی پیش قدمی نے تمہارے خلاف یروشلم کے عوام کو بہت مشتعل کر دیا ہے۔ اب اگر انہوں نے تمہارے مکان پر دھاوا بول دیا تو ہم کچھ نہیں کر سکیں گے اور حکومت بھی شاید تمہاری حفاظت کا ذمہ لینے کی جرأت نہ کرے۔"

مجھے یہ تمام باتیں ناقابلِ یقین معلوم ہوتی تھیں۔ رات کے وقت اچانک پطیوس ہمارے پاس آیا اور اُس نے اطلاع دی کہ ہم واقعی کسی بڑے خطرے کا سامنا کر رہے ہیں۔ ہمارے ایک نوکر کو خوفناک اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے لیکن اُس نے ہمارے خلاف کوئی بیان نہیں دیا۔ اور اب دوسرے نوکر کو شکنجے میں جکڑ دیا گیا ہے اور اس سے ہمارے خلاف بیان لینے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ اینڈرونیکس کے ایما پر ہو رہا ہے۔ اگر وہ دمشق میں میرے باپ کے اثر و رسوخ سے خائف نہ ہوتا تو نوکروں کی بجائے ہم سے اقبال جرم کرانے کی کوشش کی جاتی۔ اینڈرونیکس کا خیال ہے کہ اگر نوکر ہمارے خلاف گواہی دے دے تو اُسے کلیسا سے ہمارے لئے بدترین سزا کی سفارش کرانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ اور پھر میرا باپ بھی کچھ نہ کر سکے گا۔"

میں نے پطیوس کی باتیں سُن کر کہا "مجھے یقین ہے کہ ہمارا دوسرا نوکر بھی اپنی جان پر کھیل جائے گا لیکن ہمارے خلاف زبان نہیں کھولے گا۔"

پطیوس نے جواب دیا "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پولیس اُسے ہلاک کرنے کے بعد کسی وقت کا سامنا کئے بغیر یہ اعلان کر سکتی ہے کہ آپ کے دونوں نوکروں نے جرم کا اقبال کر لیا تھا۔ اُن کی لاشیں پولیس کی من گھڑت داستانوں کی تردید نہیں کر سکیں گی —— ویسے بھی اب اینڈرونیکس کو آپ کے خلاف کسی اقدام کی ضرورت نہیں۔ اگر ایرانی افواج دمشق میں داخل ہو گئیں تو عوام، جنہیں ایک منظم سازش کے تحت آپ کے خلاف مشتعل کیا گیا ہے، یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ اینڈرونیکس نے آپ کی حفاظت میرے ذمے کی ہے لیکن اُسے یقین ہے کہ کلیسا کے ... اور عوام آپ پر حملہ کریں گے تو میرے سپاہی اُن کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکیں گے۔ اور اُس نے اشارتاً مجھے یہ بھی سمجھایا تھا کہ اگر حالات قابو سے باہر ہو جائیں تو فوج کو ایک ایرانی کی بیوی کی جان بچانے کے لئے کلیسا اور ... کا عتاب مول نہیں لینا چاہیئے۔ اور میں نے مصلحتاً اُس سے یہ کہہ دیا تھا کہ میں کسی صورت میں بھی اپنے سپاہیوں ... کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ مجھے اندیشہ ہے اگر اُسے یہ علم ہو گیا کہ میں آپ سے ملنے

رکھتا ہوں۔ تو وہ اِس مکان کی حفاظت کے لئے ایسے پہرے دار مقرر کرنا مناسب سمجھے گا جو خطرے کے وقت انہیں بند کرلیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں گزشتہ چند دن آپ کے پاس نہیں آیا۔"

میں نے کہا "لیکن میں اپنے باپ کو بھی ان حالات سے خبردار نہیں کرسکی۔ آپ کے سپاہی بھی وہاں ہمارا پیغام پہنچانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔"

پطلیوس نے جواب دیا "اس میں ایک مصلحت تھی۔ اینڈرونیکس کی باتوں سے مجھے معلوم ہوتا تھا کہ اُسے آپ کے والد کے متعلق بھی یہ شبہ ہے کہ وہ درپردہ ایرانیوں کے طرف دار ہیں۔ اور اُس کا اصل مدعا انہیں پھانسنا ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ کے والد ان حالات کی اطلاع ملتے ہی یروشلم پہنچ جائیں گے اور یہاں اُنہیں بھی انہی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو آپ کو درپیش ہیں، اس لئے میں نے اینڈرونیکس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر آپ کے والد کو ان حالات کا پتا چل گیا تو وہ آپ کو بچانے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کردیں گے۔ دمشق کے گورنر اور فوج کے بڑے بڑے رومی عہدہ دار اُس کے دوست ہیں، اس لئے جب تک تھیوڈوسیس کی بیٹی کے خلاف ہمارے ہاتھ کوئی ناقابلِ تردید ثبوت نہیں آتا۔ ہمیں اِس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ یہاں سے کوئی خبر اُس کے کانوں تک نہ پہنچے۔ اور یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ میری باتوں نے اُس پر اثر کیا اور اُسے میرے متعلق بھی اِس بات کا یقین ہوگیا کہ میں آپ کو بچانے کی کوئی کوشش نہیں کروں گا۔ میں نے یہ چند دن ضائع نہیں کئے۔ میں آپ کو یہاں سے نکالنے کا انتظام کرچکا ہوں۔ میں نے یہاں کے ایک بشپ کو اس بات پر آمادہ کرلیا ہے کہ وہ آپ کو کلیسا کی پناہ میں لے لے۔"

میں نے کہا "بشپ آج صبح چند راہبوں کے ساتھ ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے میری بیٹی کو رہبانیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں نے انکار کردیا اور وہ مجھے دھمکیاں دے کر چلے گئے۔"

پطلیوس نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے۔ میں بشپ سے مل چکا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت مجھے آپ کے پاس آنا پڑا۔ اب میری باتیں غور سے سُنیے۔ میں نے بشپ کو یہ بات سمجھائی تھی کہ آپ ایک دولت مند اور بااثر ایرانی جرنیل کی بیوی ہیں۔ اس وقت یہ کہنا مشکل ہے کہ ایران کی فوجیں کہاں پہنچ کر دم لیں گی۔ لیکن اگر آپ سین کی بیوی اور بیٹی کو پناہ دے سکیں تو ممکن ہے کہ وہ آپ کا شکر گزار ہو اور اگر خدانخواستہ یروشلم کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ آپ کے احسان کے بدلے ہمارے گرجوں اور خانقاہوں پر کوئی زیادتی نہ ہونے دے۔ اگر یروشلم کو کوئی خطرہ پیش نہ آئے تو بھی ایک

عورت کی جان بچا کر آپ نیک کاموں کے لئے اُس سے خاصی دولت حاصل کرسکیں گے۔ بشپ نے پہلے تو یہ کہہ کر میری درخواست رد کردی کہ مجھے ایک ایرانی کی بیوی کی موت وحیات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میں نے یہ سمجھایا کہ فوکاس کے قتل کے بعد قسطنطنیہ میں ایک نیا انقلاب آچکا ہے۔ اور ہرقل کے برسرِ اقتدار آنے سے جہاں روم اور ایران میں صلح کے امکانات روشن ہوگئے ہیں۔ وہاں یہ بات بھی یقینی معلوم ہوتی ہے کہ سین جسے فوکاس نے قید کیا تھا بہت جلد رہا کردیا جائے گا۔ وہ پرویز کا خاص آدمی ہے اور اُس کی بیوی کے ساتھ کوئی زیادتی اُس کے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی ——— اور نیا قیصر بھی شاید اسے اچھا نہیں سمجھے گا۔

میری باتیں بشپ کے دل میں بیٹھ گئیں اور وہ آپ کے پاس آنے کے لئے تیار ہوگیا۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ فسطینہ کو راہبہ بننے کی ترغیب دے گا۔ بہرحال اب یہ ضروری ہے کہ آپ کو یہاں سے نکالا جائے۔ میں اینڈرونیکس سے بھی ملا تھا۔ اُسے فوکاس نے یروشلم کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور وہ اپنے سرپرست کی موت پر سخت پریشان ہے ——— میں نے اُسے بھی یہی بات سمجھائی تھی کہ اگر ہرقل صلح کا خواہش مند ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ سین کو فوراً رہا کردے گا۔ ممکن ہے کہ اب تک وہ قسطنطنیہ سے مصالحت کی تجاویز لے کر پرویز کے پاس پہنچ بھی چکا ہو۔ ان حالات میں آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ سین کے گھر کی دشمنی مول لینا آپ کے لئے کس قدر خطرناک ثابت ہوگا۔ اُس نے پریشان ہوکر پوچھا کہ پھر مجھے کیا کرنا چاہئے اور میں نے اُسے سمجھایا کہ ہمیں سین کی بیوی اور بیٹی کو خانقاہ میں بھیج کر وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔ وہاں راہب آپ کی طرف سے اُس کا دل صاف کرنے کی کوشش کریں گے اور اُن سے یہ حلف لینا مشکل نہ ہوگا کہ وہ آپ کے خلاف زبان نہیں کھولیں گی۔

کل بشپ دوبارہ آپ کے پاس آئے گا۔ آپ غروب آفتاب تک اُسے باتوں میں مصروف رکھیں اور اس کے بعد اُس کے ساتھ خانقاہ میں چلی جائیں۔ وہ خانقاہ، جہاں آپ کو ٹھہرانے کا انتظام کیا جائے گا، شہر کے باہر ہے۔ جب آپ خانقاہ سے کچھ دور ہوں گی تو آپ کے محافظوں پر اچانک حملہ ہوگا۔ حملہ کرنے والوں میں سے دو آدمی آپ کو گھوڑوں پر سوار کرکے چند میل دور ایک سرائے کے دروازے پر پہنچا دیں گے۔ اِس سرائے کا مالک میرا دوست ہے۔ اُسے آپ کی حفاظت کے لئے ضروری ہدایات بھیج دی جائیں گی۔ باقی آدمی بشپ اور راہبوں کو اپنے گھوڑوں پر لاد کر کہیں دور کسی اور راستے پر چھوڑ آئیں گے ——— اس کے بعد جب وہ واپس آئیں گے تو میرا کام یہ ہوگا کہ آپ کو غلط

راستوں پر تلاش کیا جائے ——— میں آپ کے نوکر کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ لیکن ممکن ہے کہ آپ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں اُس کے متعلق سوچ سکوں۔ کل تک آپ کا یہاں سے نکل جانا اس لئے ضروری ہے کہ مستقبل کے متعلق وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ ممکن ہے آپ کا نوکر آپ کے خلاف کوئی بیان دینے پر تیار ہو جائے اور ایشدونگیس کسی تاخیر کے بغیر آپ کی قسمت کا فیصلہ کر دے۔ یہ بھی ممکن ہے ایران اور روم کی صلح نہ ہو سکے اور یہاں کے عوام آپ کے خون کے پیاسے ہو جائیں۔ پھر آپ یہ بھی نہیں چاہتیں کہ خانقاہ میں پہنچ کر آپ کی بیٹی ایک راہبہ بن جائے اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایشدونگیس بزدل بھی ہے اور ظالم بھی۔ اور میں ایسے آدمی پر کوئی اعتبار نہیں کر سکتا۔ اب میں آپ سے دوبارہ نہیں مل سکوں گا۔ اور میرا آپ سے ملاقات کرنا ٹھیک بھی نہیں۔ میں بشپ کو یہ بات سمجھا چکا ہوں کہ عوام کے اشتعال سے بچنے کے لئے آپ کو دن کی بجائے رات کی تاریکی میں یہاں سے لے جانا بہتر ہوگا۔ کل میں اُسے آپ کے پاس بھیجنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

میں نے پوچھا "راستے میں ہم پر حملہ کرنے والے کون ہوں گے؟"

اُس نے جواب دیا "آپ کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر آپ کو میرے متعلق کوئی پریشانی ہے تو یہ اطمینان رکھیئے کہ وہ سپاہیوں کے لباس میں نہیں ہوں گے۔"

پطلیوس ہمیں یہ باتیں سمجھا کر چلا گیا۔ اگلی رات بارش ہو رہی تھی اور بشپ اور اُن کے ساتھیوں کو خاصی دیر ہمارے گھر بیٹھنا پڑا۔ بالآخر اُس نے یہ مشورہ دیا کہ ہمیں خانقاہ میں جانے کا ارادہ اگلے دن پر ملتوی کر دینا چاہیئے۔ لیکن میں نے گڑگڑا کر التجا کی کہ کل تک شاید شہر کے مشتعل عوام ہمارے گھر پر حملہ کر دیں اور یہ لوگ ہمیں ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے ——— باقی داستان شاید آپ کے لئے دلچسپ نہ ہو۔ شہر اور خانقاہ کے درمیان جن آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا تھا ان کے چہروں پر نقاب تھے ——— انہوں نے آن کی آن میں بشپ اور اُن کے ساتھیوں کو باندھ کر اپنے گھوڑوں پر ڈال لیا۔ اور انہوں نے اُف تک نہ کی ——— اب ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔"

عاصم نے اٹھ کر چند لکڑیاں الاؤ پر ڈالتے ہوئے کہا "معزز خاتون! میں آپ کا احسانمند ہوں کہ آپ نے مجھے قابلِ اعتماد سمجھا۔ اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ آپ مجھے اعتماد کے قابل پائیں گی۔ اب آپ اطمینان سے سو جائیے۔"

یوسیبیا نے کہا "نہیں! مجھے نیند نہیں آئے گی۔ آپ سو جائیں! آپ نے دوپہر کے وقت بھی آرام نہیں کیا۔"

عاصم نے ایک طرف ہٹ کر لیٹتے ہوئے کہا "اگر آپ کوئی خطرہ محسوس کریں تو مجھے جگا دیں۔"

باب ۱۵

رات کے تیسرے پہر فسطینہ اچانک گہری نیند سے بیدار ہوئی۔ یوسیبیا اس کے قریب بیٹھی اونگھ رہی تھی۔

"امی! آپ ابھی تک نہیں سوئیں؟" اُس نے پوچھا۔

ماں نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا "بیٹی رات کے وقت اِس ویرانے میں، ہم میں سے کسی ایک کا جاگتے رہنا ضروری تھا۔"

فسطینہ نے کہا "میری نیند پوری ہو چکی ہے، اب آپ سو جائیں۔"

یوسیبیا لیٹ گئی۔ فسطینہ نے الاؤ میں لکڑیاں ڈالیں اور آگ کے قریب بیٹھ گئی۔

یوسیبیا نے کہا "بیٹی میں یہ چاہتی ہوں کہ ہمارا ساتھی اچھی طرح آرام کرے لیکن اگر تمہیں نیند آ جائے تو اسے جگا دینا۔"

فسطینہ نے کہا "امی آپ فکر نہ کیجئے۔ اب مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

تھوڑی دیر بعد یوسیبیا گہری نیند سو رہی تھی اور فسطینہ پریشانی اور خوف کی حالت میں ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ رات کے سناٹے میں کبھی کبھی بھیڑیوں کی آوازیں سنائی دیتیں اور اُس کا دل دھڑکنے لگتا۔ پھر فضا پر خاموشی چھا جاتی اور اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ آس پاس ریت کے ٹیلوں اور جھاڑیوں کی آڑ سے اچانک لاتعداد دشمن نمودار ہوں گے اور اُن پر حملہ کر دیں گے۔ کبھی کبھی وہ حوصلے سے کام لے کر اٹھتی اور چاروں طرف نگاہ دوڑانے کے بعد دوبارہ بیٹھ جاتی۔ تنہائی، خوف اور بے بسی کے احساس سے اُس کا دم گھٹتا جا رہا تھا۔ تاہم جب وہ آگ کی روشنی میں عاصم کا چہرہ دیکھتی تو اُسے ایک طرح کی تسکین محسوس ہونے لگتی۔ اُس نے بچپن میں اپنے ایرانی نوکروں سے سنا تھا کہ درندے آگ کے قریب نہیں آتے۔

چنانچہ اُس نے تھوڑی دیر میں تمام وہ ایندھن جو عاصم نے جمع کیا تھا اُٹھا اُٹھا کر الاؤ میں ڈال دیا تھا۔ لیکن اب وہ اس بات سے پریشان ہو رہی تھی کہ آگ کے بلند شعلے دور دور سے نظر آ سکتے ہیں۔

اچانک عاصم کا گھوڑا کان کھڑے کر کے زمین پر پاؤں مارنے لگا اور اُس کے نتھنوں سے گھر گھر کی آواز سنائی دینے لگی، پھر دوسرے گھوڑے بھی بدحواسی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ فسطینہ دم بخود ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اُسے بائیں ہاتھ ایک ٹیلے کے نشیب میں کوئی متحرک شئے دکھائی دی اور ایک ثانیے کے لئے اُس کا خون رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ پھر اُس کا مدافعانہ شعور بیدار ہونے لگا اور وہ زمین پر بیٹھے بیٹھے عاصم کی طرف کھسکنے لگی ——— دہشت سے کانپتے ہوئے اُس نے عاصم کا بازو پکڑ کر ہلایا۔ عاصم نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور کسی توقف کے بغیر تلوار سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔

"بھیڑیے! بھیڑیے!" فسطینہ نے ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عاصم نے ٹیلے کی طرف دیکھتے ہوئے اطمینان سے کہا "مجھے آپ نے پریشان کر دیا تھا۔ میں سمجھا آپ کے دشمن پہنچ گئے ہیں۔"

فسطینہ نے جلدی سے کمان اور ترکش اٹھا کر عاصم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "آپ کو بھیڑیے نظر نہیں آتے، دیکھئے وہ سامنے کھڑے ہیں اُس جھاڑی کے بالکل قریب۔"

عاصم نے فسطینہ کے ہاتھ سے کمان اور ترکش لینے کی بجائے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر ٹیلے کی طرف پھینک دی اور کہا "دیکھئے، وہ بھاگ گئے ہیں اب آپ اطمینان سے سو جائیے۔"

وہ بدحواس ہو کر بولی "آپ کے خیال میں وہ بھیڑیے نہیں تھے۔ ابھی ہمارے گھوڑے اُن کے ڈر سے تڑپ رہے تھے۔"

عاصم نے جواب دیا "ہاں ہاں وہ بھیڑیے ہی تھے لیکن صرف دو تھے۔"

فسطینہ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ اُن کے کئی اور ساتھی ان ٹیلوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔ انہوں نے صرف آگ کی وجہ سے ہم پر حملہ نہیں کیا لیکن میں نے تمام لکڑیاں جلا دی ہیں۔"

عاصم نے پریشان ہو کر پوچھا "آپ ساری رات جاگتی رہی ہیں؟"

"نہیں میں اپنی نیند پوری کر چکی ہوں۔ جب میں بیدار ہوئی تھی تو امی جان بیٹھی ہوئی تھیں۔"

عاصم نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "خاصی رات گزر چکی ہے۔ ہمیں تھوڑی دیر میں یہاں سے کوچ کر لینا چاہیئے" ——— وہ بولی "آپ کو یقین ہے کہ بھیڑیے اب زیادہ تعداد میں جمع ہو کر ہم پر حملہ نہیں کریں گے؟"

عاصم نے الاؤ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا "آپ اطمینان رکھیئے! اگر اس جنگل کے تمام بھیڑیے آ جائیں تو بھی میں آپ کی حفاظت کر سکوں گا۔"

فسطینہ مطمئن سی ہو کر اُس کے قریب بیٹھ گئی اور قدرے توقف کے بعد بولی "آپ کبھی بھیڑیوں سے لڑے ہیں؟"

"نہیں" اُس نے جواب دیا "آج تک میرا بھیڑیوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ میں صرف اُن انسانوں کو خطرناک سمجھتا ہوں جو بلاوجہ ایک دوسرے کا خون بہانے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔"

"آپ نے کبھی انسانوں سے جنگ کی ہے؟"

"ہاں! لیکن اب میں انسانی خون کی پیاس محسوس نہیں کرتا۔"

فسطینہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "جب آپ سو رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ انڈرونیکس کے آدمی ان جھاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ سے ہمارے گرد گھیرا ڈال رہے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ اگر پندرہ بیس آدمی اچانک ہم پر حملہ کر دیں تو آپ کیا کریں گے۔"

عاصم بولا "آپ نے سوچا ہو گا کہ میں بھاگ جاؤں گا۔"

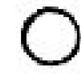
"نہیں۔" اُس نے عاصم کے چہرے پر آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا "میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ ایک عرب جس کا کل تک ہم سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اتنا رحم دل کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال دے۔"

عاصم نے مغموم لہجے میں کہا "کل تک مجھے بھی یہ معلوم نہ تھا کہ میری زندگی کسی کے کام آ سکتی ہے۔"

فسطینہ نے کہا "مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ ہماری طرح آپ بھی کسی مصیبت سے گزر چکے ہیں۔"

عاصم نے فسطینہ کی طرف دیکھا اور اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اُن کے درمیان اجنبیت کی دیواریں ٹوٹ رہی ہیں۔ پھر اچانک اُسے ایک گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی اور اُس نے کہا "میرا خیال ہے اگر ہم طلوع آفتاب سے پہلے چند کوس اور طے کر لیتے تو اچھا ہوتا، ہمارے گھوڑے بھوکے ہیں اور ہمیں کسی ایسی جگہ پہنچ کر دم لینا چاہیئے، جہاں انہیں چارا مل سکے۔ آپ اپنی والدہ کو جگا دیں، میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم جس قدر یروشلم سے دور ہوں گے،

اُسی قدر محفوظ ہوں گے۔"



طلوعِ آفتاب کے ایک ساعت بعد ایک سنگلاخ زمین پر عاصم اور اُس کے ساتھی سفر کر رہے تھے۔ اُن کے بائیں ہاتھ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ عاصم کا سخت جان گھوڑا بھوک اور تھکاوٹ کے باوجود گردن اٹھا کر چل رہا تھا اور فسطینہ کا گھوڑا بھی اُس کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن یوسیبیا چند قدم پیچھے تھی اور اُس کے گھوڑے کی رفتار ہر آن سست ہوتی جا رہی تھی۔ عاصم نے ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور گھوڑے سے اتر کر بھاگتا ہوا پہاڑی پر چڑھ گیا۔ چوٹی پر سے تھوڑی دیر دوسری طرف جھانکنے کے بعد وہ مڑا اور اپنے گھوڑے پر دوبارہ سوار ہو کر بولا "ہم راستے سے زیادہ دور نہیں، تھوڑی دیر اور چلنے کے بعد ہم ایک بستی میں پہنچ جائیں گے۔"

یوسیبیا نے کہا "میرا گھوڑا جواب دے چکا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم تھوڑی دیر یہاں رُک جائیں۔"

"نہیں۔" عاصم نے جواب دیا "یہاں رُک کے ہم گھوڑوں کی بھوک کا علاج نہیں کر سکتے۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے۔ بالآخر یوسیبیا نے پوچھا "ابھی ہم بستی کے قریب نہیں آئے؟"

عاصم نے جواب دیا "ہم بستی سے آگے نکل چکے ہیں۔ لیکن آپ کو چند قدم اور چلنا پڑے گا۔"

یوسیبیا نے پوچھا "آپ نے بستی میں رکنے کا ارادہ بدل دیا ہے؟"

عاصم نے جواب دیا "نہیں! ارادہ تو نہیں بدلا ہے لیکن آپ کے لئے بستی سے دُور رہنا ہی بہتر ہوگا۔ میں پہلے اکیلا وہاں جاؤں گا۔"

فسطینہ بولی "لیکن آپ تو کہتے ہیں کہ ہم بستی سے آگے نکل آئے ہیں؟"

"اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں، میں بستی والوں کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ میں یروشلم سے نہیں بلکہ دمشق سے آرہا ہوں، تاکہ اگر وہاں ہماری تلاش ہو رہی ہو تو مجھ پر کوئی شبہ نہ کرے۔"

تھوڑی دور چل کر عاصم اپنے گھوڑے سے اُترا اور اُسے ایک جھاڑی سے باندھنے کے بعد بولا "اب آپ

اپنے گھوڑے یہاں باندھ دیں اور اطمینان سے بیٹھ جائیں۔ میں بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن آپ کو ساتھ لے جانا زیادہ خطرناک ہے۔ اگر میں کسی وجہ سے نہ آؤں تو آپ پہر دو پہر میرا انتظار کرنے کے بعد کسی اگلی بستی میں پہنچنے کی کوشش کریں۔ اگر میں زندہ ہوا تو وہاں پہنچ جاؤں گا۔ میں اپنا گھوڑا یہاں اس لئے چھوڑے جا رہا ہوں کہ آپ کا گھوڑا جواب دے چکا ہے۔ اگر دوسرا گھوڑا بھی ہمت ہار دے تو آپ دونوں اس پر سوار ہو سکتی ہیں۔ اس نے عرب کی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ آپ کو دھوکا نہیں دے گا۔ میری خورجین سے آپ کو کچھ بچا ہوا کھانا بھی مل جائے گا اور مشکیزے میں تھوڑا سا پانی بھی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری واپسی تک آئندہ سفر کے لئے تیار ہو جائیں۔ اگر بستی سے تازہ دم گھوڑے مل گئے تو ہم دوپہر سے پہلے آرام نہیں کریں گے۔"

یوسیبیا اور اُس کی ماں گھوڑوں سے اتر پڑیں اور عاصم بھاگتا ہوا ٹیلے کی طرف بڑھا پھر اچانک اُس کے دل میں کوئی خیال آیا اور اُس نے مُڑ کر اپنی کمان اور ترکش یوسیبیا کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا "آپ نے کہا تھا کہ آپ بچپن میں تیراندازی سیکھ لی تھیں۔ میں احتیاطاً اپنی کمان اور ترکش آپ کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں، ہم عرب اگر چاروں طرف سے مایوس ہو جائیں تو ہماری آخری خواہش یہ ہوتی ہے کہ مرنے سے پہلے کم از کم اپنے ایک دشمن کو اپنے ساتھ لیتے جائیں۔"

یوسیبیا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن عاصم بھاگتا ہوا ٹیلے پر چڑھا اور اُن کی نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔



سڑک کے کنارے ایک قدیم سرائے کے کھلے احاطے میں تقریباً سو مرد عورتیں اور بچے جمع تھے جن میں سے چند ایک طرف چٹائی پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور باقی سرائے کے مالک سے جھگڑ رہے تھے۔ ایک طرف ایک چھپر کے نیچے سات گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور دوسری طرف چند اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ عاصم سڑک سے اتر کر احاطے میں داخل ہوا۔ لوگ اُسے ایک رومی سمجھ کر اُس کے گرد جمع ہو گئے اور ایک مسافر نے شکایت کی "جناب ہمارے بچے بھوک سے بلک رہے ہیں اور سرائے کا مالک ہمیں کھانا نہیں دیتا۔ یہ یہودی ہے آپ اسے سمجھائیے!"

سرائے کا مالک اپنی بھاری توند ہلاتا ہوا آگے بڑھ کر چلایا "حضور! میں یہودی نہیں، عیسائی ہوں، میں انہیں

سمجھ رہا ہوں کہ آج دو قافلے یہاں سے گزرے ہیں اور وہ باسی ٹکڑے تک ہڑپ کر گئے ہیں۔ اگر یہ تھوڑی دیر صبر کریں تو میں انہیں سوکھی روٹیاں دے سکتا ہوں لیکن یہ میری بات نہیں سنتے۔"

عاصم نے شور مچانے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تم تھوڑی دیر صبر کیوں نہیں کرتے۔ تم چاہتے ہو کہ یہ شخص اپنا کاروبار بند کر کے بھاگ جائے؟"

لوگ جو عاصم کے الفاظ سے زیادہ اُس کے رومی لباس سے مرعوب تھے۔ ادھر ادھر ہٹ گئے۔

سرائے کے مالک نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا "جناب! ایرانی جاسوسوں کا کوئی پتا چلا؟"

"کون سے ایرانی جاسوس؟" عاصم نے اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

سرائے کے مالک نے غور سے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "معاف کیجئے میں سمجھا تھا کہ آپ اُن لوگوں کے ساتھی ہیں جو صبح سے ہماری بستی کے ایک ایک گھر کی تلاشی لے رہے ہیں۔"

عاصم نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا "یہ تلاشی لینے والے کون ہیں؟" سرائے کے مالک نے جواب دیا "جناب! وہ یروشلم سے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ دو عورتیں جو وہاں ایرانیوں کی جاسوسی کر رہی تھیں فرار ہو کر اس طرف آئی ہیں۔ اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ کوئی رومی افسر اُن کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔"

عاصم نے پوچھا "میں حیران ہوں کہ اس بستی کے لوگوں نے ایران کے جاسوسوں کو پناہ دینے کی جرأت کیسے کی؟"

"جناب! بستی کے لوگ روم کے غدار نہیں ہو سکتے لیکن انہیں ہماری باتوں پر یقین نہیں آتا۔ وہ پہلے میری سرائے میں آئے تھے اور سرائے کی تلاشی لینے کے بعد لوگوں کے گھروں میں گھس گئے ہیں۔"

"وہ کتنے آدمی ہیں؟"

"پانچ ہیں جناب! اور انہوں نے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر یہاں سے وہ جاسوس عورتیں برآمد نہ ہوئیں تو بستی کو آگ لگا دی جائے گی۔"

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میں دمشق سے آ رہا ہوں اور کسی تاخیر کے بغیر یروشلم پہنچنا چاہتا ہوں، میرے گھوڑے نے یہاں سے کچھ دور دم توڑ دیا ہے اور میں پیدل یہاں پہنچا ہوں ــــ اب مجھے ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت ہے۔"

"جناب! میرے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور وہ یروشلم کے سپاہیوں نے اپنے لئے رکوا لئے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تازہ دم گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اُن کے افسر کو رضامند کر لیں تو مجھے آپ کو اپنا بہترین گھوڑا دینے میں کوئی تکلف نہ ہوگا۔ وہ دیکھئے میرا ابلق گھوڑا کتنا خوبصورت ہے؟"

عاصم نے جواب دیا "اگر وہ ایرانی جاسوسوں کا پیچھا کر رہے ہیں تو مجھے اُن کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے۔ تم میرے لئے اگر ایک اونٹ کا بندوبست کر دو تو میں اسے بھی غنیمت سمجھوں گا۔ میں یروشلم کے حاکم کے پاس ایک نہایت ضروری پیغام لے کر جا رہا ہوں، اگر آگے کسی بستی سے مجھے گھوڑا مل گیا تو میں تمہارا اونٹ وہیں چھوڑ دوں گا۔ اس خدمت کے لئے تمہیں معقول انعام دیا جائے گا۔"

سرائے کے مالک نے کہا "جناب یہ اونٹ ان مسافروں کے تھے اور یروشلم کے سپاہیوں نے یہ بھی چھین لئے ہیں۔ آپ کو اُن سے بات کرنی چاہئے۔ وہ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔ اور اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے دمشق کے متعلق کچھ پوچھوں، کیا یہ درست ہے کہ دمشق پر ایرانیوں نے حملہ کر دیا ہے؟"

ایک بوڑھے نے آگے بڑھ کر کہا "ہاں، جناب! خدا کے لئے۔ ہمیں سچ سچ بتائیے کیا رومی فوج دمشق کی حفاظت کر سکے گی۔؟"

"دمشق کی حفاظت بہر قیمت ہوگی۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے، ایرانی لشکر کو دمشق سے کوسوں دور رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔"

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا "جناب! دمشق پر حملہ ہو چکا ہے میں وہیں سے آ رہا ہوں، آپ ہمیں کب تک جھوٹی تسلیاں دیں گے۔"

پریشان لوگ اب عاصم کے گرد جمع ہو رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا "تم کو یہ معلوم نہیں کہ لوگوں میں سراسیمگی پھیلانا کتنا بڑا جرم ہے۔"

ایک اور آدمی نے آگے بڑھ کر کہا "جناب! ہمیں معلوم ہے۔ لیکن لوگوں سے صحیح حالات چھپانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ غلط افواہوں پر بھی یقین کر لیتے ہیں۔"

عاصم وہاں سے کھسکنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ پانچ مسلح سپاہی وہاں آ پہنچے اور عاصم اپنے دل میں نا خوشگوار

دھڑکنیں محسوس کرنے لگا۔ لیکن خوش قسمتی سے یہ پانچوں شامی تھے۔ اُن میں سے ایک نے جو اپنے لباس سے کوئی افسر معلوم ہوتا تھا عاصم کو دیکھتے ہی آگے بڑھ کر سلام کیا اور پوچھا۔ "آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میں دمشق سے آرہا ہوں۔"

"یہاں کب پہنچے تھے؟"

"ابھی پہنچا ہوں۔"

"آپ نے راستے میں ایک رومی افسر اور دو عورتیں دیکھی ہیں؟"

"رات کے وقت میں نے اس طرف آنے والے کئی قافلے دیکھے ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جن عورتوں اور رومی افسر کے متعلق آپ پوچھ رہے ہیں وہ اُن کے ساتھ تھے یا نہیں۔"

"میں جن لوگوں کے متعلق پوچھ رہا ہوں وہ یروشلم سے دمشق کی طرف جارہے ہیں۔"

عاصم نے کہا۔ "رات کے وقت مجھے دمشق کی طرف جانے والا کوئی مسافر نہیں ملا۔ اور طلوعِ سحر کے بعد بھی میں نے کسی عورت کو اُس طرف جاتے نہیں دیکھا۔ میرے گھوڑے نے پچھلے پہر راستے میں دم توڑ دیا تھا اور میں پیدل چل کر یہاں پہنچا ہوں۔ مجھے دمشق کے سپہ سالار نے ضروری ہدایات دے کر یروشلم بھیجا ہے اور مجھے ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت ہے۔"

شامی افسر نے مشکوک نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "آپ دمشق سے تنہا سفر کر رہے ہیں؟"

"ہاں ـــــ"

"راستے میں آپ نے کسی جگہ قیام نہیں کیا؟"

"نہیں ـــــ"

شامی افسر نے عاصم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ عجیب بات ہے کہ یہاں سے چار کوس کے فاصلے پر ہماری چوکی ہے جہاں آٹھ دس گھوڑے ہر وقت موجود رہتے ہیں لیکن آپ وہاں سے مدد لینے کی بجائے یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

عاصم کی حالت اُس شخص کی سی تھی جس کی گردن میں اچانک پھندا ڈال دیا گیا ہو۔ تاہم اُس نے اپنے

ضطراب پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "شاید آپ کو معلوم نہیں کہ چوکی کے محافظوں کو دمشق بلا لیا گیا ہے۔"

یک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جناب! جب گزشتہ شام ہمارا قافلہ وہاں سے گزرا تھا تو چوکی کے سپاہی وہیں تھے۔"

شامی افسر اور اُس کے ساتھی جواب طلب نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھنے لگے لیکن اُس نے انتہائی پریشانی کے باوجود مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "چوکی کے سپاہی مجھے آدھی رات گزرنے کے تھوڑی دیر بعد استے میں ملے تھے۔ اگر اُس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ میرا گھوڑا آگے چل کر جواب دے جانے کا تو میں یقیناً اُن میں سے کسی کا گھوڑا چھین لیتا۔ اُس وقت میں نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ چوکی کے تمام گھوڑے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔"

شامی افسر بظاہر مطمئن ہو چکا تھا لیکن عاصم کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اُس کے شبہات دُور نہیں ہوئے۔

سرائے کے مالک نے پوچھا۔ "جناب! کھانے کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟"

شامی افسر نے جواب میں کہا۔ "کھانا تیار ہو چکا ہے تو لے آؤ۔"

وہ بولا۔ "جناب! آپ کے لئے کھانا تیار ہو چکا ہے۔ لیکن آپ اندر تشریف لے چلیں یہاں یہ لوگ آپ کو پریشان کریں گے۔"

شامی نے عاصم سے کہا۔ "میرے خیال میں آپ نے بھی کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ چلئے، کھانے کے بعد ہم آپ کے سفر کا بندوبست کر دیں گے۔"

جب وہ کمرے کے دروازے کے قریب پہنچے تو شامی نے اپنے ایک آدمی کو الگ بُلا کر کوئی بات سمجھائی اور وہ اُس چھپر کی طرف بھاگ گیا، جس میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ پھر جب عاصم نے کمرے کے اندر داخل ہوتے وقت مڑ کر دیکھا تو وہ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر سڑک کا رُخ کر رہا تھا۔

عاصم کو تھوڑی دیر قبل یہ اطمینان تھا کہ اگر یہ لوگ واپس چلے جائیں تو فسطینہ اور اُس کی ماں مزید خدشات کا سامنا کئے بغیر اپنا سفر جاری رکھ سکیں گی۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ یروشلم جانے کے لئے تیار تھا اور اُسے اس بات کی کوئی پروا نہ تھی کہ وہاں اُس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ لیکن اب اُسے یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ ان میں سے ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا چکا ہے۔ اور اگر اُسے چوکی کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے تو اُسے واپس آنے میں دیر نہیں لگے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چوکی کے سپاہی اُس کے ساتھ آجائیں اور وہ فسطینہ اور اُس کی

ماں کو تلاش کرنے کے لئے اس علاقے کا گوشہ گوشہ چھان ماریں۔ پھر یہ حقیقت بھی زیادہ دلچسپ نہیں وہ ملتی کر میں سرائی نہیں ہوں ـــــ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے ہ اب میں کیا کرسکتا ہوں ؟"

ایک نوکر نے کھانا لاکر بوسیدہ میز پر رکھ دیا۔ عاصم کی بھوک مر چکی تھی تاہم وہ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کھانا کھا رہا تھا۔

شامی افسر نے کہا "ہم دمشق کے متعلق بہت پریشان ہیں، وہاں سے متضاد خبریں آرہی ہیں، چند دن قبل ہم نے یہ سنا تھا کہ ہماری فوج شہر کے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرے گی۔ لیکن آج یہ افواہ گرم ہے کہ ایرانیوں نے شہر پر حملہ کر دیا ہے ـــــ آپ کو صحیح حالات کا علم ہوگا۔"

عاصم نے جواب دیا "میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ دمشق میں ایرانی لشکر کو عبرتناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

شامی افسر نے عاصم کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے کہا "یہ عورتیں جنھیں ہم تلاش کر رہے ہیں ایرانیوں کی جاسوس ہیں۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ ایک رومی افسر بھی اُن کے ساتھ ہے لیکن خدا معلوم یہ لوگ کہاں غائب ہوگئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم انہیں پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور وہ کسی بستی میں چھپے ہوئے ہیں۔ تاہم میں نے احتیاطاً ایک آدمی کو آگے بھیج دیا ہے اگر وہ آگے نکل گئے ہیں تو چوکی کے آس پاس کسی بستی سے اُن کا سراغ مل جائے گا۔"

عاصم نے پوچھا "آپ کب سے ان جاسوسوں کا پیچھا کر رہے ہیں ؟"

"کل سہ پہر سے ہم نے ایک لمحہ آرام نہیں کیا۔ یروشلم کی فوج انہیں الرقیم کے راستے پر تلاش کر رہی ہے۔ لیکن شہر کے حاکم کو یہ شبہ تھا کہ وہ ہمیں چکما دے کر دمشق پہنچنے کی کوشش کریں گی، چنانچہ مجھے اس راستے پر اُن کا پتا لگانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم راستے کی کسی بستی میں چھپ کر اُن کا انتظار کریں گے لیکن یروشلم سے چند میل دور ہمیں دمشق سے آنے والے سپاہی ملے اور انہوں نے بتایا کہ ہم نے ان جاسوسوں کو ایک رومی افسر کے ساتھ راستے میں دیکھا ہے۔ میں دس آدمی پیچھے چھوڑ آیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اس وقت تک سڑک کے آس پاس تمام بستیاں چھان ماری ہوں گی۔ جب ہمارا ساتھی اگلی چوکی سے اُن کا پتا معلوم کر کے آجائے گا تو ہم بھی واپس ہو جائیں گے آپ کو یقین ہے کہ چوکی خالی ہو چکی ہے۔"

عاصم نے جواب دیا "ہو سکتا ہے کہ وہاں دو چار آدمی موجود ہوں لیکن گھوڑے وہاں نہیں تھے ؟"

اچانک باہر گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور چند ثانیے بعد ایک سرپٹ سوار نے صحن میں جمع ہونے والے لوگوں کے قریب پہنچ کر پوری قوت سے گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور نیچے کود کر بھاگتا ہوا سرائے کی طرف بڑھا۔ یہ وہی تھا جسے شامی افسر نے اگلی چوکی کی طرف روانہ کیا تھا۔ وہ ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور بے اختیار چلانے لگا "جناب! غضب ہوگیا، ایرانی لشکر دمشق میں داخل ہوگیا ہے۔"

ایک ثانیے کے لئے شامی افسر کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی پھر اُس نے اُٹھ کر پوچھا "تم اتنی جلدی چوکی سے ہو کر واپس کیسے آگئے ہو ؟"

وہ بولا "جناب! فوج کا ایک دستہ مجھے راستے میں ملا ہے۔ وہ میرے پیچھے آرہا ہے۔ ایک زخمی سپاہی گھوڑے سے گر پڑا تھا، اُس نے مجھے بتایا کہ ایرانی دمشق میں داخل ہوچکے ہیں۔ میرا گھوڑا تازہ دم تھا، اس لئے میں اُن سے آگے نکل آیا ہوں، وہ زیادہ دور نہیں ہیں۔"

شامی افسر نے غضب ناک ہو کر کہا "تم چوکی تک کیوں نہیں گئے ؟"

"جناب یہ خبر آپ کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور وہاں قتل عام ہو رہا ہے ؟"

آن کی آن میں یہ وحشت انگیز خبر صحن کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ چکی تھی اور پریشان حال لوگ جن کی زبانیں تھوڑی دیر کے لئے گنگ ہوگئی تھیں، چیختے چلاتے کمرے کے اندر اور باہر جمع ہو رہے تھے پھر اچانک دور سے گھوڑوں کی ٹاپ اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی اور باہر سے کوئی بلند آواز میں چلایا "فوج آرہی ہے فوج آرہی ہے۔" اور وہ سڑک کی طرف بھاگنے لگے۔

شامی افسر اور اُس کے ساتھی کمرے سے نکل گئے اور عاصم اُن کے پیچھے چل دیا۔ شامی افسر نے صرف ایک بار مڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ وہ بھی اُن کے ساتھ آرہا ہے بھاگ کر سڑک کے کنارے جمع ہونے والے ہجوم سے جا ملا۔ عاصم نے ادھر ادھر دیکھا، صحن خالی ہو چکا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں شام کے راستے پر لگی ہوئی تھیں۔ عاصم چند قدم سڑک کی طرف اٹھانے کے بعد چھپر کی طرف مڑا اور گھوڑوں کی قطار کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہوگیا۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب اُسے سڑک کی طرف سے کوئی نہیں دیکھ سکتا، اُس نے ابلق گھوڑے کا

نیزہ اتار کر اُسے لگام دی، اس کے بعد دو اور گھوڑوں کے توبڑے اتارے اور ان میں جتنا اناج تھا وہ ایک توبڑے میں ڈال کر زین سے باندھ دیا پھر جلدی سے رسّا کھولا اور گھوڑے کو چھپر سے نکال کر زیتون کے درختوں میں سے گزرتا ہوا سرائے کی پچھلی طرف پہنچا اور اُس پر سوار ہوگیا۔

کچھ لوگ ابھی تک آس پاس کے مکانوں اور جھونپڑیوں سے نکل نکل کر سڑک کا رُخ کر رہے تھے لیکن کسی نے اُس کی طرف توجہ نہ دی۔ ایک عورت نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے روکنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے اُس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے گھوڑے کی رفتار تیز کردی۔

اس عرصے میں شامی افسر کے ساتھ ایک دل چسپ واقعہ پیش آچکا تھا۔ سپاہیوں کا دستہ جو رتھوں اور سواروں پر مشتمل تھا سرائے کے قریب پہنچا تو اُن کی رفتار سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہاں نہیں رکیں گے۔ شامی افسر اچانک اپنے دونوں ہاتھ بلند کرکے سڑک کے بیچ میں کھڑا ہوگیا۔ اگلی رتھ پر ایک توی ہیکل رومی نے اپنی پوری طاقت سے باگیں کھینچ کر گھوڑوں کو روکا تو شامی افسر نے قریب آکر ادب سے سوال کیا۔

"جناب! میں آپ سے دمشق کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں؟"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" رومی نے غصے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"جناب! میں نے ابھی ایک منحوس خبر سنی ہے۔"

"اور یہ منحوس خبر سننے کے بعد بھی تم راستہ روک کر ہمارا وقت ضائع کرنا چاہتے ہو؟"

"جناب! میں پچھلی چوکی کے سپاہیوں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ دمشق چلے گئے ہیں یا راستے سے آپ کے ساتھ لوٹ آئے ہیں۔"

رومی افسر کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی اُس نے کچھ کہے بغیر شامی کے ایک کوڑا رسید کردیا اور ساتھ ہی اپنے رتھ کے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ آن کی آن میں آٹھ رتھ اور اُن کے پیچھے کوئی ڈیڑھ سو سوار آگے نکل گئے۔ اور تماشائی پریشان حال شامی افسر کے گرد جمع ہونے لگے۔ شامی افسر نے چاروں طرف دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔

"وہ کہاں ہے؟ وہ رومی کہاں گیا؟"

اُس کے ایک ساتھی نے جواب دیا "جناب! وہ یہیں تھا۔ وہ ہمارے ساتھ آرہا تھا۔"

شامی افسر لوگوں کو دھکے دے کر اپنے راستے سے ہٹاتا ہوا سرائے کی طرف بھاگا اور پھر صحن میں نظر دوڑانے کے بعد چلانے لگا۔ "اُسے تلاش کرو، اُسے پکڑو اگر وہ نکل گیا تو میں تمہاری کھالیں اتروا دوں گا۔"

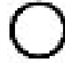
سرائے کے مالک نے بھاگ کر چھپر کی طرف دیکھا اور اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "جناب! غضب ہوگیا وہ میرا ابلق گھوڑا لے گیا ہے۔"

شامی افسر نے بھاگ کر ایک گھوڑے کا رسّا کھولتے ہوئے کہا۔ "وہ زیادہ دور نہیں جاسکتا، اُس کے ساتھی کہیں آس پاس ہی چھپے ہوئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان عورتوں کا ساتھی ہے۔ تم جلدی سے گھوڑوں پر سوار ہوجاؤ۔"

ایک آدمی نے کہا۔ "جناب ابلق گھوڑے پر ایک سوار ابھی اُس طرف جارہا تھا۔"

دوسرے نے کہا۔ "جناب میں نے بھی اُسے دیکھا ہے لیکن وہ ایک رومی افسر تھا۔"

"بیوقوف وہ رومی نہیں تھا۔" شامی نے گھوڑے پر اچھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔



یوسیبیا نے اضطراب کی حالت میں اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "فسطینہ! اُسے بہت دیر ہوگئی ہے۔ اب ہم کیا کریں؟"

"امی مجھے ڈر ہے کہ وہ گرفتار ہوچکا ہے۔"

"اُس نے ہمیں تاکید کی تھی کہ اگر مجھے دیر ہوجائے تو تمہیں انتظار نہیں کرنا چاہیے۔"

"امی آپ جانتی ہیں کہ اُس کے بغیر ہم سفر نہیں کرسکتے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "اُس کی نیک نیتی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا گھوڑا ہمارے پاس چھوڑ گیا ہے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "بیٹی میں اُس کی نیت پر شبہ نہیں کرتی۔ مجھے صرف یہ ڈر ہے کہ اگر گرفتار کرنے والوں نے اُسے جسمانی اذیتیں دے کر ہمارا پتا معلوم کرنے کی کوشش کی تو ممکن ہے کہ وہ ہمت ہار دے۔ آخر ہم نے اُس

پر کون سا احسان کیا ہے کہ وہ ہماری خاطر اپنی کھال اتروانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔"

"امی میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا۔ اگر وہ زندہ ہے تو ضرور واپس آئے گا۔ اُس کی صورت دیکھ کر مجھے بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ اگر وہ میرا بھائی ہوتا تو بھی میں اُس پر اس سے زیادہ اعتماد نہ کر سکتی۔ میں دوبارہ ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتی ہوں۔" فسطینہ یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔

یوسیبیا نے کہا "بیٹی! بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اگر تمہیں دوسری طرف سے کسی نے دیکھ لیا تو یہ بہت خطرناک بات ہوگی۔ ٹھہرو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

یوسیبیا ترکش اور کمان اٹھا کر فسطینہ کے ساتھ ٹیلے پر چڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ماں اور بیٹی چوٹی پر ایک پتھر کی اوٹ سے دوسری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ٹیلے سے کوئی آدھ میل دور دو چرواہے بھیڑوں کا ایک گلہ ہانک رہے تھے ان سے آگے ایک بل کھاتی ہوئی سڑک جس پر مسافروں کے چھوٹے چھوٹے قافلے نظر آتے تھے۔ بستی کے درختوں میں روپوش ہو جاتی تھی۔

وہ دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں، بالآخر یوسیبیا نے کہا "فسطینہ! اگر وہ نہ آیا تو ہم بھوکے اور پیاسے گھوڑوں پر زیادہ دور نہیں جا سکیں گے۔"

اچانک فسطینہ نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ دیکھو، امی! ایک سوار اس طرف آ رہا ہے۔ شاید دشمن کو ہمارا سراغ مل گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُس کے پیچھے ایک فوج ہوگی۔"

یوسیبیا کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی اور اُس نے مغموم لہجے میں کہا "بیٹی مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔"

"ان درختوں کی طرف دیکھو، امی! وہ سیدھا اس طرف آ رہا ہے۔"

یوسیبیا چلائی "بیٹی وہ سچ مچ اِس طرف آ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہمارے ساتھی نے انہیں ہمارا پتا دے دیا ہے۔ اب تم میرا کہا مانو اور بھاگ کر گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ وہ کہتا تھا کہ میرا گھوڑا بہت سخت جان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم عزت بچا سکو گی۔ میں انہیں روکنے کی کوشش کروں گی۔ اگر وہ تعداد میں زیادہ ہوئے تو بھی کم از کم میرے دو تیر خالی نہیں جائیں گے۔"

فسطینہ نے کہا "امی آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں گی؟"

یوسیبیا نے کہا "فسطینہ جلدی کرو۔ ممکن ہے کہ تم گھر پہنچ کر میرے لئے کچھ کر سکو۔"

فسطینہ چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑی ماں کی التجائیں سنتی رہی، بالآخر وہ چلائی "امی! ذرا غور سے دیکھو، وہ آ رہا ہے، وہ زندہ ہے، اُس نے ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کیا۔ وہ دو بے بس عورتوں کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا تھا۔"

تھوڑی دیر میں عاصم ٹیلے کے قریب پہنچ گیا۔ تیز رفتار گھوڑا چند چھلانگوں میں ٹیلے کے وسط تک پہنچ گیا لیکن اس سے آگے چڑھائی سخت تھی اور اُس کے پاؤں پھسل رہے تھے۔ عاصم گھوڑے سے کود پڑا اور اُس کی باگ پکڑ کر پیدل دوڑنے لگا۔ فسطینہ پتھر کی آڑ سے نکل کر چند قدم آگے بڑھی تو وہ بلند آواز میں چلایا "فسطینہ! پیچھے چھپ جاؤ۔ وہ آ رہے ہیں، جلدی کرو۔"

فسطینہ بد حواس ہو کر پیچھے پلٹی اور پتھر کی اوٹ سے سامنے دیکھنے لگی۔ اچانک اُس کی رگوں کا سارا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ دائیں طرف چند سوار درختوں کے جھنڈ سے نمودار ہو رہے تھے۔

یوسیبیا نے کہا "فسطینہ! اب بھی وقت ہے تم بھاگ جاؤ۔"

لیکن اُس نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "امی! اب میں کسی سے نہیں ڈرتی۔"

عاصم نے چند قدم چوٹی کے دوسری طرف اترنے کے بعد کہا "فسطینہ! اس گھوڑے کی باگ پکڑ لو اور اپنی ماں کے ساتھ فوراً نیچے چلی جاؤ۔"

فسطینہ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور عاصم نے یوسیبیا کے ہاتھ سے کمان اور ترکش لیتے ہوئے کہا "آپ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ یہ گھوڑا تازہ دم ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا گھوڑا بھی اس کا ساتھ دے سکے گا۔ ان پہاڑیوں کی اوٹ میں کوئی ایک کوس چلنے کے بعد آپ دمشق کے راستے پر پہنچ جائیں گی۔ یہ آپ کا آخری مرحلہ ہے مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد کوئی آپ کا تعاقب نہیں کرے گا۔ دمشق پر ایرانیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور راستے میں جو لوگ آپ کو ملیں گے وہ آپ سے زیادہ پریشان ہوں گے۔ اب جلدی کیجئے، میں آپ سے بہت جلد آ ملوں گا — لیکن آپ میرا انتظار نہ کریں۔ میں یہ اطمینان کر چکا ہوں کہ آپ کو تلاش کرنے والے اس بستی سے آگے نہیں گئے — اور میں آپ کو یہ یقین بھی دلا سکتا ہوں کہ ان پانچ آدمیوں میں سے، جو اس وقت میرے

پیچھے آ رہے ہیں۔ کوئی آپ کا تعاقب کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

فسطینہ کی ماں اُس کا بازو پکڑ کر کھینچنے لگی۔ لیکن اُس نے آبدیدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ تنہا اُن پانچ آدمیوں کا مقابلہ کریں گے؟"

"تم میری فکر نہ کرو۔ میرا ترکش تیروں سے بھرا ہوا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ تمہاری طرف متوجہ نہ ہوں۔ دیکھو وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ قدرت تمہیں ان بھیڑیوں سے بچانا چاہتی ہے، وہ تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ تمام واقعات اس طرح پیش نہ آتے۔ آپ کو ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت تھی وہ میں لے آیا ہوں۔ میرا گھوڑا بھوکا تھا اُس کے لئے مجھے اناج کا توبڑا مل گیا ہے۔ اگر آپ کو راستے میں کوئی ضرورت پیش آئی تو میری خرجین میں پڑے ہوئے چند سکے آپ کے کام آ سکیں گے۔ اب جائیے!"

فسطینہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی ماں کے ساتھ چل پڑی —— عاصم نے اپنی کمان اور ترکش پتھروں کی آڑ میں رکھ دیئے اور چند قدم آگے بڑھ کر ٹیلے کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پانچ سوار ٹیلے کے نیچے پہنچ کر رکے اور گھوڑوں سے کود کر ایک نصف دائرے میں اوپر چڑھنے لگے۔

شامی افسر نے بلند آواز میں کہا۔ "اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایران کی جاسوس عورتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم انہیں ہمارے حوالے کر دو تو میں تمہاری جان بچانے کا ذمہ لیتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "تمہیں تھیوڈوسیس کی بیٹی اور نواسی پر ایرانیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگاتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔"

شامی افسر نے کہا۔ "تھیوڈوسیس کی بیٹی کا شوہر ایک ایرانی ہے لیکن اگر وہ ایرانیوں کی جاسوس نہ ہو تو بھی ہم کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے۔ ہم صرف یروشلم کے حاکم کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔"

"تم اپنے گھر کی فکر کیوں نہیں کرتے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایرانی دمشق پر قبضہ کر چکے ہیں اور انہیں یروشلم پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

شامی چلایا۔ "تم ایک غدار ہو اور تمہاری سزا موت ہے۔"

"اس وقت میری بہ نسبت تم موت سے زیادہ قریب ہو۔"

عاصم نے یہ کہہ کر اچانک ایک بھاری پتھر نیچے لڑھکا دیا۔ اور پیچھے ہٹ کر ان پتھروں کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ جہاں اُس کا ترکش اور کمان پڑی تھی۔

نیچے سے آواز آئی۔ "تمہارے پتھر ہمارے تیروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اگر تم چاہتے ہو کہ ہم ان عورتوں کو باعزت طریقے سے یروشلم پہنچا دیں تو اپنی تلوار پھینک کر نیچے آ جاؤ، ورنہ ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ایرانیوں نے انطاکیہ کی عورتوں کے ساتھ کیا ہے۔"

عاصم نے اٹھ کر دوسری طرف دیکھا۔ فسطینہ اور اُس کی ماں گھوڑوں پر سوار ہو کر کوئی تین سو گز دور جا چکی تھیں پھر وہ حملہ کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے اوپر آ رہے تھے۔ عاصم نے یکے بعد دیگرے چند پتھر اٹھا کر نیچے پھینک دیئے اور پھر ترکش اور کمان اٹھا کر پتھروں کی آڑ لیتا ہوا بائیں طرف ایک چٹان کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا —— اب وہ اوپر آنے والے تمام آدمیوں کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا —— یہ لوگ سیدھے اوپر چڑھنے کی بجائے دائیں بائیں چکر کاٹ کر اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بائیں طرف سے دو آدمی چٹان کے بالکل قریب آ چکے تھے۔ اچانک عاصم کی کمان سے ایک تیر نکلا اور ایک سپاہی زخمی ہو کر لڑھکتا ہوا کئی گز نیچے چلا گیا۔ دوسرے نے بھاگ کر ایک پتھر کی آڑ میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن عاصم کا دوسرا تیر اُس کی پسلی میں لگا اور وہ چیخ مار کر ایک طرف گر پڑا۔ باقی تین آدمی جو دائیں ہاتھ، پتھروں کے پیچھے چھپ کر ایک دوسرے کو ہدایات دے رہے تھے اچانک خاموش ہو گئے۔ عاصم ٹیلے کی چوٹی سے ذرا پیچھے ہٹ کر بھاگتا ہوا دوبارہ ان پتھروں کے پیچھے جا بیٹھا جہاں اُس نے چند ثانیے پہلے پتھر لڑھکائے تھے۔ اچانک اُسے دائیں ہاتھ کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اُس نے آہستہ سے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک آدمی رینگتا ہوا چوٹی کے اُوپر پہنچ چکا تھا، عاصم اور اُس کے درمیان صرف دس قدم کا فاصلہ تھا۔ عاصم نے جلدی سے سر نیچا کر کے اپنی تلوار نکالی اور پھر اچانک پتھروں کی آڑ سے نکلا اور پلک جھپکتے میں اُس کے سر پر جا پہنچا۔ یہ ان سپاہیوں کا افسر تھا اور پیشتر اس کے وہ اپنی کمان سیدھی کر سکتا عاصم کی تلوار کی نوک اُس کی گردن کو چھو رہی تھی۔ عاصم نے کسی توقف کے بغیر اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم میرے تیر کی زد میں تھے لیکن میں نے بلاوجہ ایک آدمی کی جان لینا مناسب نہیں سمجھا۔ اپنے ساتھیوں کو حکم دو کہ وہ ہتھیار پھینک دیں ورنہ مجھے تمہاری گردن سے اس چھوٹے سے سر کا بوجھ اتارنا پڑے گا۔"

شامی افسر نے کہا۔ "تم مجھے قتل کر کے بھاگ نہیں سکو گے۔ تھوڑی دیر میں میرے کئی اور ساتھی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن تم اُن کی کارگزاری نہیں دیکھ سکو گے۔ اپنے ساتھیوں کو آواز دو۔"

شامی افسر اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینے لگا۔ دو آدمی چند قدم نیچے پتھروں کی اوٹ سے سر نکال کر دیکھنے لگے۔

عاصم نے بلند آواز میں کہا۔ "اگر تم اپنے ساتھی کی جان بچانا چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک کر آگے آجاؤ۔"

وہ تذبذب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ عاصم نے اپنی تلوار کو ذرا دبایا اور شامی افسر چلایا۔ "تم سنتے نہیں۔ کیا کہہ رہے ہیں۔ جلدی کرو!"

وہ اپنے ہتھیار پھینک کر آگے بڑھے۔ اور عاصم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اُٹھ کر کہا۔ "میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو تمہاری جانیں محفوظ ہیں۔ مجھے تمہارے دو ساتھیوں کی ہلاکت کا افسوس ہے لیکن مجھے کرائے کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارا جانا پسند نہ تھا۔"

شامی افسر نے کہا۔ "اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم تھوڑی دیر میرا پیچھا نہ کر سکو۔ دیکھو اُس طرف میرے دو گھوڑے بندھے ہوئے ہیں۔ تم اپنے ایک آدمی کو حکم دو کہ وہ اُن کے رسے اتار کر یہاں لے آئے۔ لیکن یاد رکھو اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا۔"

شامی افسر کے اشارے سے ایک سپاہی نیچے چلا گیا اور عاصم نے دوسرے سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم اپنے ساتھی کے قریب لیٹ جاؤ۔" اُس نے کسی توقف کے بغیر حکم کی تعمیل کی۔

تھوڑی دیر بعد اُن کا تیسرا ساتھی رسے لے کر آ گیا۔ عاصم نے ایک رسا بیچ میں سے کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے شامی افسر سے کہا۔ "اب تم اٹھ کر اطمینان سے اپنے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دو۔"

شامی افسر نے کہا۔ "میں وعدہ کر چکا ہوں کہ ہم تمہارا پیچھا نہیں کریں گے۔"

"میں تمہارے وعدے سے زیادہ اپنی احتیاط پر بھروسا کرنا چاہتا ہوں —— جلدی کرو اور یاد رکھو اگر تمہارے ساتھی سے مجھے کوئی خطرہ پیش آیا تو میں سب سے پہلے تم سے نپٹنے کی کوشش کروں گا۔"

افسر نے دل پر پتھر رکھ کر اپنے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تو عاصم نے کہا۔ اب تمہاری باری

ہے لیکن تمہیں لیٹنے کی ضرورت نہیں میں صرف تمہارے ہاتھ باندھنے چاہتا ہوں۔"

عاصم نے دوسرے رسے سے اُس کے ہاتھ باندھنے اور گلے میں پھندا ڈالنے کے بعد اطمینان سے نیچے پڑے ہوئے سپاہیوں کا معائنہ کیا اور اُن کے ہاتھ پاؤں ذرا مضبوطی سے کس دیئے پھر آگے بڑھ کر پتھروں کی آڑ سے اپنی کمان اور ترکش اٹھایا اور جکڑے ہوئے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "دیکھو! میں تمہارے ساتھی کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے تو مجھے اس کی گردن کی رسی کھینچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ جن خواتین کو تم تلاش کر رہے ہو وہ کہاں ہیں لیکن اگر وہ چند دن تک دمشق نہ پہنچیں تو اس کی لاش مشرقی دروازے پر لٹک رہی ہوگی —— میں نہیں جانتا کہ تمہیں اپنے افسر کی جان کتنی عزیز ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم رومیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک شامی بھائی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالو گے۔ بستی کے لوگ تمہیں بہت جلد تلاش کر لیں گے، اس کے بعد تمہارے لئے یہ بہتر ہوگا کہ تم اپنے گھروں کی فکر کرو۔ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں اور اگر تم نے یروشلم پہنچنے میں تاخیر سے کام لیا تو وہ شاید تم سے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔

عاصم اپنے قیدی کے گلے کا رسا پکڑ کر چل دیا۔ اُس کا رُخ ٹیلے کی اُس نشیب کی طرف تھا جہاں یہ لوگ اپنے گھوڑے چھوڑ آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پہاڑی سے اُتر کر ان جھاڑیوں کے قریب پہنچے جہاں اُن کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ عاصم نے تین گھوڑوں کی لگامیں اتار کر انہیں ایک طرف ہانک دیا۔ اس کے بعد ایک گھوڑے پر اپنے قیدی کو لادا اور دوسرے پر خود سوار ہو گیا۔ اس طرف سے ٹیلوں اور پہاڑیوں کی دیوار کے ساتھ ساتھ کچھ دور چلنے کے بعد، وہ نسبتاً ایک آسان راستے سے دوسری طرف جا نکلا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ دمشق کے راستے کے قریب پہنچے تو عاصم نے اپنے قیدی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میں تمہیں کسی مناسب جگہ چھوڑ دوں گا۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ تمہارے رسے کا دوسرا سرا میری زین سے بندھا ہوا ہے۔ اگر تم نے راستے میں کسی کو اپنا مددگار سمجھ کر شور مچایا تو مجھے تمہاری زبان مستقل طور پر بند کرنے کے لئے صرف اپنے گھوڑے کو ایڑ لگانے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اگر میں راستے میں کسی سے بات کروں تو تم میری تردید نہیں کرو گے مجھے یقین ہے کہ اب تک ایرانیوں کے خوف سے راستے کی تمام چوکیاں خالی ہو چکی ہوں گی۔ تاہم اگر کسی نے ہماری

طرف توجہ کی تو تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ میں کسی خطرے کا سامنا کئے بغیر اپنا سفر جاری رکھوں۔"

قیدی نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "جناب! میں باپ، بیٹے اور روح القدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں سیدھا اپنے گھر جاؤں گا۔ اب مجھے اپنے بیوی بچوں سے زیادہ کسی بات کی فکر نہیں۔ دمشق کی شکست کے بعد رومی یروشلم میں نہیں ٹھہریں گے۔ مجھ پر رحم کیجئے۔"

عاصم نے کہا۔ "میں تمہیں زیادہ دور نہیں لے جاؤں گا۔ لیکن میرے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری ہے کہ تمہارے ساتھی میرا پیچھا نہیں کر رہے۔"

"جناب! اب اگر ان کی مدد کے لئے یروشلم کی پوری فوج آجائے تو بھی وہ دمشق کا رُخ نہیں کریں گے۔ وہ تو دمشق کی شکست کی خبر سنتے ہی واپس جانا چاہتے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے انہیں آپ کا پیچھا کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کے متعلق جو پچھلی بستیوں میں آپ کو تلاش کر رہے ہیں میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ پوری رفتار سے یروشلم کا رُخ کر رہے ہوں گے۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھ جو عورتیں تھیں وہ کئی کوس دور جا چکی ہیں اور اب انہیں کوئی خطرہ نہیں۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ آگے جا چکی ہیں۔"

"جناب! یہ سمجھنے کے لئے کسی ذہانت کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے صرف ایک غلطی ہوئی اور وہ یہ کہ میں نے آپ کو سرائے میں دیکھتے ہی فوراً گرفتار نہیں کیا۔ ورنہ آپ سے چند باتیں کرنے کے بعد مجھے یہ یقین ہو چکا تھا کہ آپ رومی نہیں ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ شامی ہوں گے۔ یہاں غسانی قبیلے کے کئی معززین رومیوں کا لباس پسند کرتے ہیں لیکن آپ کی بعض باتوں سے میرا یہ شبہ بھی دُور ہو گیا۔

عاصم نے پوچھا۔ "اور اب تمہارے خیال میں میں کون ہوں؟"

قیدی نے کہا۔ "اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ خالص عرب ہیں۔ کم از کم آپ کی زبان سے یہی ظاہر ہوتا ہے"

عاصم نے کہا۔ "اچھا، اب ہوشیار ہو جاؤ! میں گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر رہا ہوں۔"

دوپہر کے وقت فسطینہ اور اُس کی ماں نے ایک چھوٹی سی بستی کے قریب ندی کا پل عبور کیا۔ اور فسطینہ نے گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔ "امی اب ہم بہت دور آگئے ہیں میرے خیال میں ہمیں اس ندی کے کنارے تھوڑی دیر آرام کرنا چاہیئے ——— بستی کے اندر داخل ہونا ٹھیک نہیں وہاں لوگ ہمیں پریشان کریں گے۔"

ماں نے کہا۔ "بیٹی! میں تم سے زیادہ تھک گئی ہوں اور اب اگر کوئی خطرہ بھی ہو تو میں آگے نہیں جا سکتی۔"

فسطینہ نے کہا۔ "امی! راستے میں ہمیں کتنے آدمی ملے ہیں، لیکن کسی نے ہماری طرف دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی ہے اور یہ بستی بھی شاید خالی معلوم ہوتی ہے۔"

وہ گھوڑوں سے اتریں اور اُن کی باگیں پکڑ کر بائیں طرف چل پڑیں ندی کے بلند کنارے سرسبز درختوں میں چھپے ہوئے تھے۔ پل سے تھوڑی دور انہیں نیچے اترنے کا راستہ دکھائی دیا۔ انہوں نے نیچے جا کر گھوڑوں کو پانی پلایا۔ پھر اپنی پیاس بجھائی اور اس کے بعد درختوں سے گھوڑے باندھ دیئے۔ فسطینہ نے اناج کا توڑا کھول کر عاصم کے گھوڑے کے منہ پر چڑھا دیا اور اپنی ماں کے پاس سبز گھاس پر بیٹھ گئی۔

بستی سے ایک چرواہا، جو اپنے مویشیوں کو پانی پلانے کے لئے لا رہا تھا، انہیں کچھ فاصلے سے دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں آگے بڑھ کر بولا۔ "آپ دمشق سے تشریف لائی ہیں۔"

فسطینہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن یوسیبیا نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔"

"آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ ابھی پہنچ جائیں گے۔"

چرواہے نے کہا۔ "ہماری بستی خالی ہو رہی ہے۔ صرف چند لوگ رہ گئے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے گھر میں آرام کر سکتی ہیں۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "نہیں شکریہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔"

چرواہے نے کہا۔ "اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے لئے گھر سے دودھ لا سکتا ہوں۔"

یوسیبیا نے کہا "بہت اچھا لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم بستی کے لوگوں کو جمع کر کے یہاں لے آؤ۔ ہم پہلے ہی پریشان ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں میں کسی کو یہاں نہیں آنے دوں گا۔" چرواہا یہ کہہ کر پوری رفتار سے بستی کی طرف بھاگنے لگا۔

یوسیبیا نے کہا "فسطینہ! اب مجھے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن میں اُس کے متعلق بہت پریشان ہوں۔"

فسطینہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور اُس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ پھر اُس نے اچانک پُرامید سی ہو کر کہا "امی! وہ ضرور آئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔ جب وہ ہمارے لئے گھوڑا لینے گیا تھا تو آپ اُس کی نیت پر شک کرتی رہیں۔"

یوسیبیا نے مغموم لہجے میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے اُس پر شک کیا تھا۔ جب ہم اُس سے جُدا ہو رہے تھے تو میرے دل میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ میں اُس سے معافی چاہوں۔ اس سے کہوں کہ میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتی۔"

فسطینہ نے کہا "مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ ایک عرب تھا۔"

"بیٹی! دنیا کا کوئی خطہ فرشتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔"

مجھے تو اس کا نام بھی یاد نہیں رہا ممکن ہے ہم اُسے دوبارہ نہ دیکھیں، شاید وہ زخمی ہو چکا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ......؟"

فسطینہ کی آواز بیٹھ گئی اور وہ سسکیاں لینے لگی۔ "امی! مجھ سے وعدہ کرو کہ ہم کسی دن وہاں جائیں گے۔ نہیں! ہم ہر سال اُن ٹیلوں کا طواف کیا کریں گے، جہاں ہمارے لئے اُس نے اپنا خون گرایا ہے۔ ہم وہاں ایک گرجا تعمیر کروائیں گے۔ جب آپ نانا جان سے کہیں گی تو وہ خوشی سے اُس کی یادگار تعمیر کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ میں ابا جان کو بھی مجبور کروں گی کہ وہ اپنی ساری دولت وہاں نذر کریں۔"

یوسیبیا نے کہا "بیٹی حوصلے سے کام لو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔"

"امی! اگر وہ نہ آیا تو نانا جان اور ابا جان کو اس بات کا کتنا صدمہ ہو گا کہ وہ ہمارے ایک محسن کو کوئی صلہ نہ دے سکے ــــ لیکن ...۔" فسطینہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور پل کی طرف دیکھنے کے بعد بولی ......" امی مجھے

ہے کہ اگر وہ آیا تو سیدھا آگے نکل جائے گا۔ میں پل پر جا کر اُس کا راستہ دیکھتی ہوں۔"

ماں نے برہم ہو کر کہا "فسطینہ پاگل نہ بنو۔ بیٹھ جاؤ۔ تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہو۔"

"امی! آپ فکر نہ کریں، میں اُن درختوں کے پاس چھپ کر راستہ دیکھوں گی۔" فسطینہ یہ کہہ کر بھاگتی ہوئی پل کے قریب جا پہنچی۔

دمشق کی سمت سے سواروں کی ایک ٹولی اور اُس کے بعد پیدل انسانوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ گزر گیا لیکن فسطینہ کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ وہ پل کے قریب ایک درخت کی آڑ میں کھڑی دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ اچانک اُسے ایک گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی۔ پھر سڑک کے موڑ سے ایک سوار نمودار ہوا اور اُس کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آگئیں۔ یہ عاصم تھا۔ اُس نے پل کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا اور پھر قدرے توقف کے بعد سڑک کے دائیں جانب، نشیب کی طرف باگ موڑ لی۔ فسطینہ اُس کی طرف بھاگنا چاہتی تھی لیکن اُس کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ اُس نے آہستہ آہستہ چند قدم اٹھائے پھر آدھا پل عبور کرنے کے بعد وہ ایک ہرنی کی طرح بھاگ رہی تھی۔ عاصم پانی کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ چلّو سے پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد وہ اپنے منہ پر چھینٹے مار رہا تھا کہ پیچھے کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ فسطینہ ہچکچائی، رکی اور پھر اچانک آگے بڑھ کر اُس کے قریب کھڑی ہو گئی۔ وہ مسکرا رہی تھی، اُس کا دل مسرت سے اچھل رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی اُس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو رہے تھے۔ "مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے۔ میں اُن درختوں کے پیچھے چھپ کر آپ کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ ہمیں دیکھے بغیر آگے نہ گزر جائیں۔ آپ نے بہت دیر لگائی۔ آپ زخمی تو نہیں ہیں؟" فسطینہ نے یہ کہہ کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور سسکیاں لینے لگی۔

عاصم نے کہا "فسطینہ اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ تمہاری والدہ کہاں ہیں؟"

"وہ پُل کے دوسری طرف بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"تم رو رہی ہو، دیکھو میں زندہ ہوں، اور مجھے کوئی زخم بھی نہیں آیا۔"

فسطینہ نے اپنے ہاتھ نیچے کر لئے اور پھر عاصم کی طرف دیکھ کر اچانک سوال کیا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام عاصم ہے"۔ عاصم نے قدرے حیران ہو کر جواب دیا۔

"آپ ان سے لڑے تھے؟"

"ہاں"

"اگر آپ نہ آتے تو ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ ہمارے محسن کا نام کیا تھا۔ آپ ان سب کو قتل کر آئے ہیں؟"

"نہیں میں نے صرف دو آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ دو کو باندھ کر اُس ٹیلے پر چھوڑ آیا ہوں اور ایک کو پکڑ کر ساتھ لے آیا تھا۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"میں نے اُسے یہاں سے دو میل دُور چھوڑ دیا ہے۔ اب اُس سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ اب اگر میں آپ کے ساتھ نہ جاؤں تو بھی آپ دمشق پہنچ سکتی ہیں۔"

فسطینہ نے اچانک سنجیدہ ہو کر پوچھا۔ "آپ ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ اب آپ کو میری ضرورت نہیں؟"

"آپ کا خیال غلط ہے۔ آئیے امی آپ کا انتظار کر رہی ہیں"۔ فسطینہ یہ کہہ کر مسکراتی ہوئی پل کی طرف چل پڑی اور عاصم اپنے گھوڑے کی باگ تھامے اُس کے پیچھے ہو لیا۔

باب ۱۶

ایرانیوں کی فتح کے بعد انطاکیہ کے رومی گورنر کا محل شہنشاہ ایران کی قیام گاہ بن چکا تھا۔ ایک دن پرویز محل کے ایک کشادہ کمرے میں رونق افروز تھا اور اُس کے چند مصاحب مسند سے نیچے، دائیں بائیں، دو قطاروں میں کھڑے تھے نقیب کی آواز سُن کر مختلف محاذوں سے آنے والے ایلچی باری باری کمرے میں داخل ہوتے، اپنی معروضات پیش کرتے اور شہنشاہ سے ہدایات لینے کے بعد رخصت ہو جاتے۔ آج سب سے پہلے حاضری دینے والے ایلچی نے دمشق کے محاصرے کی خبر سنائی تھی، اس لئے پرویز کے نزدیک دوسرے محاذوں سے آنے والے ایلچیوں کی کوئی اہمیت نہ تھی چنانچہ وہ کسی کو مختصر سی ہدایات اور کسی کو اگلے دن پیش ہونے کا حکم دے کر رخصت کر رہا تھا۔ سب سے آخر میں نقیب نے سین کا نام پکارا اور شہنشاہ کے مصاحب حیران ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ پرویز نے محل کے داروغہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہمارا خیال ہے کہ آج جن لوگوں کو ملاقات کی اجازت دی گئی تھی، اُن کی فہرست میں سین کا نام نہیں تھا۔ اور ہم جس سین کو جانتے ہیں وہ قسطنطنیہ میں تھا۔"

داروغہ نے ادب سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "عالیجاہ! یہ وہی ہیں اور حضور کے غلام نے انہیں انتظار کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن وہ اِسی وقت حضور کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہونے پر مصر تھے ـــــــ وہ کوئی اہم خبر لے کر آئے ہیں۔"

ایک قوی ہیکل آدمی جس کی چال میں غایت درجہ کی خود اعتمادی تھی کمرے میں داخل ہؤا۔ وہ جُھک جُھک کر سلام کرتا ہؤا آگے بڑھا اور مسند کے قریب پہنچ کر سربسجود ہو گیا۔

چند ثانیے کمرے کے اندر خاموشی طاری رہی۔ بالآخر پرویز نے کہا "تم رومیوں کی قید میں تھے؟"

"جی، عالیجاہ!" اس نے اُٹھ کر ادب سے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انطاکیہ پہنچ کر اپنا لباس تبدیل کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔"

"عالیجاہ! یہ غلام کسی تاخیر کے بغیر قدم بوسی کو حاضر ہونا چاہتا تھا۔"

"تم مہمان خانے میں آرام کرو! ہم بدولت فرصت کے وقت تمہاری سرگزشت سنیں گے۔"

سین کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، اُس نے اپنے بچپن کے ساتھی اور دوست کی طرف دیکھا اور کہا "عالیجاہ، میں ایک نہایت اہم خبر لے کر آیا ہوں۔"

پرویز نے سوال کیا "کیا دمشق فتح ہو چکا ہے؟"

"عالیجاہ! میں قسطنطنیہ کے قید خانے سے چھوٹ کر سیدھا یہاں پہنچا ہوں۔ اس لئے مجھے دمشق کے حالات کا علم نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر ہمارے لئے تمہاری کوئی اہم خبر نہیں ہو سکتی۔ بہرحال ہم خوش ہیں کہ تم واپس آ گئے ہو۔ ہمیں تمہارا وہاں جانا پسند نہ تھا لیکن تم ایران کی تلواروں کی بہ نسبت اپنی زبان کو زیادہ مؤثر سمجھتے تھے۔ اب تمہیں یہ اطمینان ہو گیا ہو گا کہ رومی صرف تلوار کی زبان سمجھتے ہیں۔"

سین نے کہا "عالیجاہ! میں ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں۔"

"قسطنطنیہ سے ہم صرف ایک خبر سُن کر خوش ہو سکتے ہیں اور وہ یہ کہ رومیوں نے ہماری فوج کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے ہیں۔"

"عالیجاہ قسطنطنیہ میں انقلاب آ چکا ہے۔ فوکاس باغیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے اور رومیوں نے افریقی ممالک کے گورنر کے بیٹے ہرقل کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ فوکاس کے جو ساتھی شہنشاہ موریس کے قتل کے ذمہ دار تھے گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ ہرقل نے حکومت پر قبضہ کرتے ہی میری رہائی کا حکم صادر کر دیا تھا لیکن انقلاب سے قبل مجھے قسطنطنیہ کے قید خانے سے جزیرۂ قبرص میں منتقل کر دیا گیا تھا اور ہرقل کی یہ خواہش تھی کہ میں انطاکیہ کا رُخ کرنے سے پہلے اُس سے ملاقات کروں۔ چنانچہ مجھے دوبارہ قسطنطنیہ جانا پڑا۔ اب حضور کا یہ ناچیز غلام ہرقل

کی طرف سے امن اور دوستی کا پیغام لے کر حضور کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا ہے۔"

پرویز نے اطمینان سے جواب دیا "قسطنطنیہ کے انقلاب کی خبر اب بہت پرانی ہو چکی ہے۔ ہمیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ جنگ میں تاخیر کے باعث ہم قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا بہترین موقع کھو چکے ہیں۔ اب حملہ کرنے کے لئے ہمیں زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔"

سین نے کہا "لیکن ہمارا دشمن مارا جا چکا ہے اور روم کا نیا حکمران، لڑائی کے بغیر، ہمارے جائز مطالبات ماننے کو تیار ہے۔"

پرویز نے کہا "اگر یہ بات ہے تو ہمارا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لئے قسطنطنیہ کے دروازے کھول دیئے جائیں۔"

سین نے کہا "عالیجاہ! قسطنطنیہ روم کا دارالسلطنت ہے اور اُس کی حفاظت کے لئے لاکھوں انسان جان کی بازی لگا دیں گے۔"

پرویز نے تلخ ہو کر کہا "تم ہم سے یہ کہنے آئے ہو کہ ہم قسطنطنیہ فتح نہیں کر سکیں گے؟"

"نہیں عالیجاہ! میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن حالات نے حضور کو روم سے جنگ کرنے پر مجبور کیا تھا، وہ بدل چکے ہیں اور ہرقل، فوکاس کی غلطیوں کی تلافی کرنے پر آمادہ ہے۔"

پرویز نے کہا "سین! ہمارے ایک بہادر اور وفادار سپاہی کو یہ بار بار ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے کہ اُس کی بیوی نے اُسے رومیوں کا طرفدار بنا دیا ہے۔ تم ہمارے ایلچی کی حیثیت سے قسطنطنیہ گئے تھے اور انہوں نے تمہیں قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ لیکن اب تم اُس فوج کو راستہ دکھاؤ گے جو تمہارے لئے قیصر کے محل کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ ہم تمہیں قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے ہراول کی کمان سونپنا چاہتے ہیں لیکن تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم تھکے ہوئے ہو۔ اس لئے ہم تمہیں آرام کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے بعد تمہیں ضروری ہدایات مل جائیں گی۔ مہمان خانے کا داروغہ اس بات کا خیال رکھے گا کہ یہاں تمہارے قیام کے لمحات تمہاری توقع سے زیادہ خوشگوار ہوں۔ اور اگر وہ تمہاری تفریح کے سامان مہیا نہ کر سکے تو تم شہر کے کسی مکان کا دروازہ اپنے لئے بند نہیں پاؤ گے۔"

سین نے کہا۔ "عالیجاہ! مجھے اپنی تھکاوٹ کا احساس نہیں، ایک غلام کے لئے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل سب سے بڑا آرام ہے لیکن میری بیوی اور بیٹی دمشق میں ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں محاذِ جنگ کا رُخ کرنے سے پہلے اُن کا حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

پرویز نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ "یہ بات ہمیں معلوم نہ تھی، ہمارا خیال تھا کہ تم انہیں ساتھ لے گئے تھے۔ اب تم دمشق پہنچ کر ہمارا انتظار کرو۔ ہم بہت جلد وہاں پہنچ جائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ دمشق تمہارے وہاں پہنچنے سے پہلے فتح ہو چکا ہوگا اور ہم تمہیں ایشیائے کوچک کے محاذ پر بھیجنے کی بجائے کوئی اور اہم ذمہ داری سونپ سکیں گے۔"

سین نے احسان مندی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "عالیجاہ! آپ اس غلام کو اعتماد کے قابل پائیں گے۔"

پرویز نے کہا۔ "اگر کسی وجہ سے دمشق کا محاصرہ طویل ہو جائے تو تمہیں سپہ سالار کی مدد کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ ہم آئندہ تمہارے مُنہ سے نصرانیوں کی حمایت میں ایک لفظ سننا بھی پسند نہیں کریں گے۔" شہنشاہِ ایران یہ کہہ کر اُٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا عقب کے کمرے میں چلا گیا۔ حاضرین چند ثانیے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر آگے بڑھ بڑھ کر سین کو مبارکباد دینے لگے۔

ایک مجوسی پیشوا نے اُس کے کان میں کہا۔ "آپ بہت خوش قسمت ہیں اگر آپ کی جگہ کوئی اور اس طرح کی باتیں کرتا تو شاید اُس کی کھال اُتار دی جاتی۔"

سین نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوش ہونے کی بجائے یہ محسوس کر رہا تھا کہ اُسے مبارکباد دینے والے اُس کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔

ایک ساعت بعد سین بیس سواروں کے ہمراہ دمشق کا رُخ کر رہا تھا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو بدترین حالات میں بھی مسکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن آج اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اپنی بیوی اور اکلوتی بیٹی سے زیادہ اُسے پرویز کے طرزِ عمل کے متعلق پریشانی تھی۔ انطاکیہ میں داخل ہونے سے قبل وہ یہ سوچتا تھا کہ شہنشاہ اُسے دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑے گا۔ اور نئے قیصر کی طرف سے صلح کے پیغام کو آرمینیا اور شام کی فتوحات سے زیادہ اہمیت دی جائے گی ــــــ پرویز اُس کے لئے صرف ایک شہنشاہ نہ تھا بلکہ بچپن کا ساتھی اور جوانی کا دوست بھی تھا۔ جب محل کے محافظوں نے اُس کا راستہ روک کر اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ جہاں پناہ آج

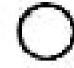
آپ سے ملاقات نہیں کر سکیں گے تو اُس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اگر داروغہ بروقت مداخلت نہ کرتا تو وہ محافظ دستے کے ایک گستاخ افسر کے مُنہ پر تھپڑ مارنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ پھر جب شاہی نقیب ملاقات کرنے والوں کے نام پکار رہا تھا تو اُس کا غم و غصہ جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ وہ معمولی افسر جو مختلف محاذوں سے پیغامات لائے تھے باری باری دربار میں حاضری دے کر باہر نکل رہے تھے اور وہ بے بسی کی حالت میں باہر ٹہل رہا تھا کبھی وہ یہ سوچتا تھا کہ شاید داروغہ نے شہنشاہ کو اُس کی آمد کی اطلاع نہ دی ہو۔ کبھی اُسے یہ خیال پریشان کرنے لگتا کہ شاید دربار میں اُس کے رقیبوں اور حاسدوں کا پلہ بھاری ہو چکا ہے۔ پھر جب سب سے آخر میں نقیب نے اُسے آواز دی تو اُس کے سارے گلے جاتے رہے۔ لیکن اِس ملاقات کے بعد اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دنیا بدل چکی ہے انطاکیہ کا فاتح اُس شخص سے مختلف تھا، جسے وہ بچپن سے جانتا تھا اور جس کے لئے اُس نے بارہا اپنی جان کی بازی لگائی تھی۔ شہنشاہ کی سرد مہری سے زیادہ اُسے اِس بات کی شکایت تھی کہ دربار میں بعض ایسے لوگوں نے بھی اُس کی بے بسی کا تماشا دیکھا تھا، جنہیں اُس کے ساتھ آنکھ ملا کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

انطاکیہ سے روانہ ہونے کے بعد سین خاصی دیر تک اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس کرتا رہا لیکن اچانک اُس کے دل میں ایک اور خیال آیا اور اُسے مستقبل کے افق پر اُمید کی ایک نئی روشنی دکھائی دینے لگی۔ وہ سوچ رہا تھا ــــــ "کیا شہنشاہ نے مجھے قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے ہراول کی کمان پیش نہیں کی۔ کیا میرے رقیب اور حاسد اب کسی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے آقا کی نگاہوں سے گر چکا ہوں۔ شہنشاہ کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ میں رومیوں کی طرف داری کر رہا ہوں اور اب شاید مجھے لڑائی سے خوف آتا ہے لیکن کیا اب یہ ثابت کر دکھانا میرے اختیار میں نہیں کہ ایران کا کوئی سپوت تلوار کے کھیل مجھ سے بہتر نہیں جانتا میں ایک سپاہی ہوں اور ایک سپاہی کا مقام مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

اب اُس کے ذہن میں قسطنطنیہ کی جنگ کے مختلف نقشے تیار ہو رہے تھے لیکن پھر اُسے اپنی بیوی اور بیٹی کا خیال آیا اور اُسے ایک تلخی سی محسوس ہونے لگی ــــــ وہ اپنے دل سے پوچھ رہا تھا۔ کیا ایران اور روم کی جنگ ضروری ہے۔ کیا فوکاس کی موت کے بعد پُرانے حالات بدل نہیں گئے۔ کیا رومیوں کے خلاف تلوار اٹھاتے وقت مجھے یہ خیال پریشان نہیں کرے گا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ بدعہدی کر رہا ہوں۔ جب میں اُسے یہ بتاؤں گا

کہ مجھے قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے والی فوج کی رہنمائی سونپی گئی ہے تو وہ کیا خیال کرے گی ـــــ میں نے ہرمز اُسے یہ اُمید دلائی تھی کہ اب روم اور ایران کی دشمنی ختم ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ فوکاس کے ہاتھوں موریس کے قتل کی خبر سننے کے بعد میں نے اُسے یہی تسلی دی تھی کہ میں روم اور ایران کے تعلقات خراب نہیں ہونے دوں گا لیکن اب میں کیا کر سکتا ہوں ؟"

سین کے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ پرویز سے ملاقات کے بعد اُسے یہ یقین ہو چکا تھا کہ جنگ کو روکنا اب اُس کے بس کی بات نہیں رہی ـــــ اور اپنے متعلق اُس کا آخری فیصلہ یہی تھا کہ میں صرف ایک سپاہی ہوں۔



باقی راستے کسی پریشانی کا سامنا کئے بغیر عاصم اور اُس کے ساتھیوں نے ایک رات دمشق سے دس کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی میں قیام کیا۔ راستے کی دوسری بستیوں کی طرح اِس بستی میں بھی صرف نادار کسان اور چرواہے رہ گئے تھے۔ خوش حال لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔ ایک بوڑھے کسان نے اپنے جھونپڑے سے باہر نکل کر ان مسافروں کا خیر مقدم کیا اور جب عاصم نے اُس سے سرائے کے متعلق پوچھا تو اُس نے کہا "جناب! یہاں کوئی سرائے نہیں لیکن گاؤں کے سب سے بڑے رئیس کا مکان خالی پڑا ہے۔ ایک بوڑھے نوکر کے سوا وہاں کوئی نہیں۔ اگر آپ اس مکان میں ٹھہرنا پسند کریں تو اُسے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

عاصم نے کہا "ہم دمشق پہنچنا چاہتے تھے لیکن ہمارے گھوڑے تھک چکے ہیں اور ان خواتین کو بھی آرام کی ضرورت ہے ـــــ آج رات ہم تمہارے مہمان ہیں اور یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ ہمیں کہاں ٹھہرنا چاہیئے۔"

کسان نے جواب دیا "جناب! اگر آپ کے آرام کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کو اپنے جھونپڑے میں ٹھہرانے پر اصرار کرتا لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے لئے بستی کے رئیس کا مکان زیادہ موزوں ہو گا۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ دمشق کیوں جا رہے ہیں ؟ آپ وہاں کے حالات سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔"

عاصم نے جواب دیا "ہم وہاں کے حالات سے بے خبر نہیں ہیں لیکن ہمارے لئے وہاں پہنچنا ضروری ہے۔

اِس وقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ رات گزارنے کے لئے کوئی جائے پناہ تلاش کرنا ہے۔"

"آئیے، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" کسان نے یہ کہہ کر عاصم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کشادہ حویلی کے دروازے کے سامنے گھوڑوں سے اُترے۔ کسان نے مکان کے محافظ کو آوازیں دیں۔ ایک بوڑھا آدمی دروازہ کھول کر باہر نکلا اور بدحواس ہو کر عاصم اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

کسان نے کہا "یہ بستی میں سرائے تلاش کر رہے تھے اور میں انہیں یہاں لے آیا ہوں۔"

نوکر نے عاصم کی طرف دیکھا اور کہا "میرا مالک یہاں نہیں ہے لیکن اگر آپ یہاں ٹھہرنا پسند کریں تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔ یہ سارا مکان خالی پڑا ہے۔ آئیے!"

عاصم نے کہا "تمہیں ہمارے گھوڑوں کے لئے چارے کا بندوبست کرنا پڑے گا یہ بہت بھوکے ہیں۔"

نوکر نے کہا "جناب! آپ فکر نہ کریں۔"

وہ چار دیواری کے اندر داخل ہوئے اور نوکر نے کسان سے کہا "تم ان کے گھوڑے اصطبل میں لے جاؤ۔ میں ان کے لئے کھانا تیار کرتا ہوں۔"

عاصم نے کہا "ہمارے کھانے کے لئے تمہیں کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ ان حالات میں ہمارے لئے سوکھی روٹی بھی ایک نعمت ہو گی۔"

نوکر نے جواب دیا "جناب! میرے آقا نے یہاں سے روانہ ہوتے وقت یہ حکم دیا تھا کہ ہماری بھیڑیں ایرانیوں کے کام نہیں آنی چاہییں، اس لئے میں ہر روز ایک بھیڑ کاٹ کر پڑوسیوں کو تقسیم کیا کرتا ہوں۔ آج میں نے جو برہ ذبح کیا تھا اُس کا خاصا گوشت گھر میں پڑا ہوا ہے۔"

عاصم نے کہا "لیکن تمہیں سب سے پہلے ہمارے گھوڑوں کے لئے چارے کا بندوبست کرنا چاہیئے وہ بہت بھوکے ہیں۔"

نوکر نے کہا "جناب! اگر آپ پچاس گھوڑے لے کر آتے تو بھی ہمارے گھاس کے ذخیرے میں کمی نہ آتی۔"

عاصم نے یوسیبیا اور فسطینہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "آپ اندر تشریف لے جائیے میں گھوڑے بندھوا کر آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد یوسیبیا اور فسطینہ ایک کشادہ کمرے میں بیٹھی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ عاصم خورجین اٹھائے اندر داخل ہوا اور اُس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے اُمید نہ تھی کہ اس بستی میں ہمیں اتنی آرام دہ جگہ مل جائے گی۔ یہ نوکر کوئی نیک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "آپ کو یقین ہے کہ یہاں ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔"

عاصم نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ اب اگر آپ یہ اعلان کر دیں کہ آپ ایرانی ہیں تو بھی آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ اس بستی میں صرف وہ نادار لوگ رہ گئے ہیں جو اپنے لئے رومیوں یا ایرانیوں کی غلامی میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ وہ آدمی جو ہمیں یہاں لے کر آیا تھا، یہ کہہ رہا تھا کہ ہم بھیڑوں کا گلہ ہیں، اور بھیڑوں کے لئے اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اُن کی اون اور ان کا گوشت رومیوں کے کام آتا ہے یا ایرانیوں کے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "اب اس بات کا تو ڈر نہیں رہا کہ کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ دمشق پہنچ کر ہم کن حالات کا سامنا کریں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "دمشق میں ایرانی لشکر کا کوئی عہدہ دار آپ کے شوہر کے نام سے ناواقف نہ ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں آپ کے والد کی حیثیت عام رومیوں سے مختلف ہوگی۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ نئے قیصر نے آپ کے شوہر کو رہا کر دیا ہو اور وہ دمشق پہنچ چکے ہوں۔"

فسطینہ بولی۔ "اگر میرے اباجان قید سے رہا ہو چکے ہوتے تو وہ دمشق میں ہمارا انتظار کرنے کی بجائے فوج لے کر یروشلم پہنچنے کی کوشش کرتے۔"

یوسیبیا نے غور سے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! تمہارے والدین زندہ ہیں؟"

"نہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں ایک مدت سے جانتی ہوں اور تمہیں بیٹا کہتے ہوئے مجھے ایک طرح کی خوشی اور تسکین محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ابھی تک مجھے یہ پوچھنے کا موقع نہیں ملا کہ تم کن حالات میں اپنے گھر سے نکلے ہو۔ تمہاری صورت ان انسانوں سے مختلف ہے جو کسی کے ساتھ بُرائی یا زیادتی کر سکتے ہیں ۔۔۔ میں تمہیں بیٹا کہہ چکی ہوں اور ایک ماں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے

بچوں کے دُکھ درد میں شریک ہو، بُرا نہ مانو تو میں تمہاری سرگزشت سننا چاہتی ہوں۔ اگر میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکی تو کم از کم تمہیں تسلی ضرور دے سکوں گی۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں آپ کا شکرگزار ہوں لیکن میری سرگزشت سن کر آپ کو ایک ذہنی کوفت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ممکن ہے آپ بھی مجھے ایک دیوانہ سمجھنے لگیں۔"

"نہیں، بیٹا! تم سناؤ۔"

یوسیبیا کے اصرار پر عاصم نے ماضی کے وہ واقعات بیان کر دیئے، جن کے باعث اُس کے لئے یثرب کی زمین تنگ ہو چکی تھی۔

فسطینہ کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے اُس نے سمیرا سے اپنی محبت کی داستان کی تفصیلات میں جانے کی کوشش نہ کی لیکن اپنی گفتگو کے دوران میں جب کبھی وہ فسطینہ کی طرف دیکھتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ اُس کی ذہین نگاہیں، اُس کے احساس کی گہرائیوں میں جھانک رہی ہیں۔

جب وہ عدی کے گھر کا آخری منظر بیان کرنے کے بعد خاموش ہو گیا تو فسطینہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے اور وہ اپنی ماں سے یہ کہہ رہی تھی۔ "امی! مجھے اب بھی سمیرا کی موت کا یقین نہیں آتا۔ میں سوچ رہی تھی کہ جب یہ اپنے وطن سے روانہ ہونگے تو وہ ان کے ساتھ ہوگی۔ اور پھر اُس کی علالت یا کسی اور مجبوری کے باعث یہ اُسے راستے کی کسی بستی یا شہر میں چھوڑ آئے ہوں گے۔ مجھے یہ بات بھی بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتی تھی کہ ان کے دشمنوں نے پیچھا کیا ہوگا اور وہ سمیرا کو چھین کر واپس لے گئے ہوں گے۔ امی! اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو میں ہر روز یہ دعا کیا کرتی کہ وہ انہیں مل جائے۔ میں اپنے اباجان سے التجا کرتی کہ وہ ان کی مدد کریں۔ میں کسریٰ کے پاس جا کر یہ فریاد کرتی کہ میں سین کی بیٹی ہوں اور یہ ہمارے محسن ہیں، اس لئے ان کی اعانت آپ پر فرض ہے۔ امی جان! اُسے مرنا نہیں چاہیے تھا۔ کاش یہ تھوڑی دیر پہلے اُن کے گھر پہنچ جاتے۔" فسطینہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اُس کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔

یوسیبیا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "بیٹی! موت کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا۔ اب تم ان کے لئے یہ دعا کیا کرو کہ خدا انہیں صبر اور ہمت دے۔"

تھوڑی دیر بعد نوکر کھانا لے کر آگیا اور وہ دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ عاصم کھانے سے فارغ ہوتے ہی دوسرے کمرے میں چلا گیا اور یوسیبیا اور فسطینہ اُسی کمرے میں سوگئیں۔

پچھلے پہر یوسیبیا نے فسطینہ کو جھنجوڑ کر گہری نیند سے بیدار کیا اور کہا "بیٹی! اب صبح ہو رہی ہے، سفر کی تیاری کرو۔" فسطینہ نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ "امی جان! ابھی بہت رات باقی ہے، انہوں نے کہا تھا کہ پچھلے پہر گھوڑے تیار کر کے ہمیں جگا دیں گے۔"

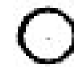
"بیٹی! میں نے ساتھ کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آہٹ سنی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اصطبل کی طرف گیا تھا۔"

"اچھا! اٹھتی ہوں۔" فسطینہ نے انگڑائی لے کر کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

ماں نے پوچھا۔ "بیٹی! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں، امی جان! میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن ابھی میرا اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔"

صحن میں پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور پھر کسی نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔ "فسطینہ!" یہ عاصم کی آواز تھی فسطینہ نے جلدی سے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ ایک رومی کی بجائے ایک عرب کے لباس میں اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس نے کہا۔ "اس سے آگے میں رومی لباس میں سفر کرنا خطرناک سمجھتا ہوں۔ وہ نوکر مجھے دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ اُس نے یہ خیال کیا تھا کہ رومی فوج کا کوئی عرب دستہ یہاں پہنچ گیا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اُسے تسلی دی ہے۔ گھوڑے تیار ہیں۔ آپ جلدی سے تیار ہو کر اصطبل میں آجائیں میں وہاں آپ کا انتظار کرتا ہوں۔"



چند میل اور سفر کرنے کے بعد انہیں دمشق کے حسین مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ فسطینہ اب اُس لڑکی سے مختلف نظر آتی تھی جسے عاصم نے انتہائی بے بسی کی حالت میں دیکھا تھا۔ آلام و مصائب کے بادل چھٹ چکے تھے اور اُس کا سنجیدہ اور معصوم چہرہ، ایک کھلتے ہوئے پھول کی طرح شگفتہ تھا۔ لیکن یوسیبیا اب بھی مغموم اور پریشان دکھائی دیتی تھی۔ اب اُسے پیچھا کرنے والوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا لیکن دمشق کے متعلق طرح طرح کے

خیالات اُسے پریشان کر رہے تھے اور وہ گردن جھکائے گھوڑے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

فسطینہ نے اپنا گھوڑا اُس کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ "امی جان! اب تو آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم تھوڑی دیر میں گھر پہنچ جائیں گے اور وہاں ایرانی لشکر کی موجودگی میں ہمیں کوئی خطرہ نہ ہوگا۔"

یوسیبیا نے جواب دیا۔ "بیٹی! میں تمہارے نانا کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ خدا معلوم، وہ کس حال میں ہوں گے۔ فاتح لشکر جب کسی شہر میں داخل ہوتا ہے تو کسی پر رحم نہیں کرتا۔"

فسطینہ نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "امی جان! مجھے یقین ہے کہ ایران کے سپاہی ہمارے گھر کی حفاظت کر رہے ہوں گے وہ میرے باپ سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔"

"بیٹی! مجھے ڈر ہے کہ ان حالات میں تمہارے نانا کسی کو یہ بتانا بھی گوارا نہیں کریں گے کہ میں سین کا خسر ہوں اگر ایرانیوں نے دمشق کے باشندوں پر مظالم کئے تو انہیں اپنی جان بچانے کی فکر نہیں ہوگی۔ اور میں تمہارے باپ کے متعلق بھی پریشان ہوں۔ قسطنطینیہ کے لوگ شام میں ایرانیوں کے مظالم کی داستانیں سننے کے بعد انہیں کسی نیک سلوک کا مستحق نہیں سمجھیں گے۔ اگر انہوں نے اُن پر کوئی اور سختی نہ کی تو بھی جنگ کے دوران میں اُن کا قید سے رہا ہونا ممکن نہیں۔"

فسطینہ کے چہرے پر اداسی کے بادل چھا گئے۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے سر جھکائے اپنی ماں کے ساتھ چلتی رہی اور پھر گھوڑے کو ایڑ لگا کر عاصم سے جا ملی۔

عاصم نے پوچھا۔ "کیا بات ہے فسطینہ!"

فسطینہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "امی جان میرے نانا کے متعلق بہت پریشان ہیں۔ اور میں بھی یہ سوچ رہی ہوں کہ جب فاتح لشکر کے سپاہی کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہ جوان اور بوڑھے میں تمیز نہیں کیا کرتے۔"

عاصم نے کہا۔ "تمہیں اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے باپ کا نام تمہارے نانا کے لئے ایک ڈھال کا کام دے سکے گا۔"

"آپ میرے نانا کو نہیں جانتے وہ اپنی جان کے خوف سے روم کے دشمنوں کی پناہ لینا گوارا نہیں کریں گے اور میرے ابا وہاں یہ کہنے کے لئے موجود نہ ہوں گے کہ میں ایران کے شہنشاہ کا دوست ہوں اور یہ بوڑھا شخص میرا خسر ہے۔"

فسطینہ کے چہرے سے ایک الہڑ لڑکی کی شوخیاں رخصت ہو چکی تھیں اور وہ ایک بار پھر اپنی عمر سے بڑی دکھائی دے رہی تھی۔

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "فسطینہ! ہمارا سفر ختم ہونے والا ہے۔ اس وقت میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ جب تم اپنے گھر کے اندر پاؤں رکھو تو میں دروازے کے باہر کھڑے ہو کر تمہارے قہقہے سنوں اور پھر تمہارے یہ معصوم قہقہے ہمیشہ کے لئے میرے کانوں میں گونجتے رہیں۔ دمشق سے کوسوں دور رہ کر بھی میرے لئے یہ تسکین بہت بڑا انعام ہوگی کہ تم اپنے گھر میں خوش ہو۔ کاش! تمہارے ابا جان بھی وہاں پہنچ چکے ہوں اور مجھے دمشق کو الوداع کہتے ہوئے یہ اطمینان ہو کہ تمہاری تمام مصیبتیں ختم ہو چکی ہیں۔"

فسطینہ نے کہا۔ "اگر میرے ابا جان وہاں موجود ہوئے تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو دمشق سے کوسوں دور بھاگنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ آپ انہیں احسان فراموش نہ پائیں گے۔"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "فسطینہ! جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو تمہارے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ دمشق میں میرے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔"

فسطینہ نے کہا۔ "ہمارا گھر مدائن میں ہے اور میں ابا جان سے کہوں گی کہ وہ آپ کو فوج میں کوئی بڑا عہدہ دے کر وہاں بھیج دیں۔"

"نہیں! میرے لئے دمشق اور مدائن میں کوئی فرق نہ ہوگا۔"

"تو آپ کہاں جائیں گے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ جب میں اپنے ملک سے نکلا تھا تو میرا یہ خیال تھا کہ مجھے فارس یا شام کے کسی اور تاجر کے ہاں نوکری مل جائے گی۔ میں کسی کی بھیڑیں چرانے کے لئے بھی تیار تھا۔ لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ زندگی کی تلخیاں یہاں بھی میرا پیچھا کر رہی ہیں۔ میں کوئی ایسی جگہ تلاش کروں گا جہاں ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا نہ ہو۔"

فسطینہ نے مسکرا کر کہا۔ "اگر آپ بھیڑیں چرا کر خوش رہ سکتے ہیں تو میں ابا جان سے کہوں گی کہ وہ شام کی تمام بھیڑ بکریاں اکٹھی کر کے آپ کے حوالے کر دیں۔ وہ آپ کو کوئی بہترین چراگاہ بھی دلا سکیں گے۔ لیکن فرض کیجئے اگر وہ بھی

...یدے رہا ہو کر وہاں نہ پہنچے ہوں اور خدانخواستہ میرے نانا پر کوئی مصیبت آ گئی ہو اور جب ہم گھر میں پاؤں ...یں تو آپ کو قہقہوں کی بجائے ہماری چیخیں سنائی دیں تو آپ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں ایسے حالات میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑ سکوں گا۔"

فسطینہ نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "آپ بہت رحم دل ہیں۔ لیکن وہاں آپ ہماری کوئی مدد نہ کر سکیں گے اور ...بھی یہ گوارا نہ کروں گی کہ آپ ہمارے لئے کوئی اور خطرہ مول لیں ــــ جب آپ اس پہاڑی پر تنہا رہ گئے ...ے اور پانچ آدمی آپ پر حملہ کرنے والے تھے تو میں اپنے آپ کو ملامت کر رہی تھی اور جب تک آپ واپس نہ ...ے تھے، میں ہر سانس میں آپ کی سلامتی کی دعائیں کر رہی تھی۔ اب اگر دمشق کے حالات سازگار نہ ہوئے تو میں ...پ سے درخواست کروں گی کہ آپ اپنی جان بچانے کی فکر کریں ــــ لیکن میں یہ کبھی نہ سمجھ سکوں گی کہ ایک عرب جس سے ہمارا کوئی رشتہ نہ تھا، ہم پر اتنا مہربان کیوں تھا۔"

عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں چند دن پہلے اپنے عرب ہونے پر فخر کر سکتا تھا لیکن اب میرا ...ائی وطن نہیں۔"

فسطینہ کچھ دیر عاصم کے ساتھ چلتی رہی۔ پھر اُس نے مڑ کر چند قدم دُور اپنی ماں کی طرف دیکھا اور ...ڑا روک کر اُس کا انتظار کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد یہ لوگ اپنے راستے کے دو رویہ سرسبز باغات میں سے گزرتے ہوئے دمشق کی ایک مضافاتی بستی میں داخل ہوئے جہاں جگہ جگہ انسانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ آس پاس کے درخت گِدھوں سے پٹے پڑے تھے اور بعض لاشیں جنہیں انہوں نے قابل توجہ سمجھا تھا صرف ہڈیوں کے ڈھانچے دکھائی دیتی تھیں۔ ...یک مکان کے دروازے کے باہر دو لاشوں پر چند کتے اور گدھ زور آزمائی کر رہے تھے۔ عاصم نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اب آپ کو ذرا ہمت سے کام لینا پڑے گا۔"

فسطینہ چلائی۔ "خدا کے لئے! یہاں سے نکلنے کی کوشش کیجئے۔ یہاں تعفّن سے میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔"

عاصم نے اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی ــــ لیکن بستی کے دوسری طرف کے حالات بھی اس سے مختلف نہ تھے بلکہ یہاں سڑک کے آس پاس لاشوں کی تعداد زیادہ تھی اور ہر لاش ایک نئی داستان بیان کر رہی

تھی۔ وہ قدم قدم پر دلخراش مناظر دیکھتے ہوئے شہر کے مشرقی دروازے کے قریب پہنچے۔ باہر مسلح سپاہیوں کے دستے گشت کر رہے تھے۔ اور دروازے کے سامنے ایک درخت پر پانچ لاشیں لٹک رہی تھیں۔ سپاہیوں کے ایک گروہ نے کچھ فاصلے سے عاصم اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور شور مچاتے ہوئے بھاگ کر اُن کے گرد جمع ہو گئے۔

ایک آدمی نے جو اس دستے کا افسر معلوم ہوتا تھا۔ عاصم سے مخاطب ہو کر فارسی میں کہا "تم نے یہ قیمتی شکار کہاں سے حاصل کیا ہے؟"

عاصم نے سر ہلاتے ہوئے عربی زبان میں جواب دیا "میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا۔"

ایرانی افسر نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں پہلی بار ایک عرب کی قید میں رومی عورتوں کو اس قدر مطمئن دیکھ رہا ہوں۔ لیکن کیا تمہارے خیال میں یہ دو عورتیں ایک آدمی کی ضرورت سے زیادہ نہیں؟"

اُس کے ساتھی بھوکے درندوں کی طرح فسطینہ اور یوسیبیا کی طرف دیکھنے لگے۔

یوسیبیا نے غصے سے لال پیلی ہو کر کہا "بدتمیزو! تم کیا بک رہے ہو۔ میں سین کی بیوی ہوں اور یہ میری بیٹی ہے۔"

ایرانی افسر یوسیبیا کے غصے سے زیادہ اُس کی فارسی زبان سے متاثر ہوا اور بدحواس ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا پھر اُس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "سین کون ہے؟"

یوسیبیا نے جواب دیا "تم یہ سوال ایران کے شہنشاہ سے کر سکتے ہو۔ اور اگر یہاں مدائن کا کوئی باشندہ ہے تو وہ سین سے ناواقف نہیں ہو سکتا۔"

ایک سپاہی نے افسر کے کان میں کچھ کہا اور اُس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔

اُس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا "معزز خاتون! مجھ سے بھول ہوئی۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ اور آپ کے کسی ادنیٰ نوکر کے ساتھ بھی گستاخی نہیں کر سکتا —— اگر اس عرب نے آپ کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہے تو میں اس کی کھال اتروا دوں گا۔"

یوسیبیا نے جواب دیا "اس عرب نے ہماری جان اور عزت بچائی ہے۔"

ایرانی افسر نے کہا "معاف کیجئے! جس سین کو ہم جانتے ہیں وہ تو شاید قسطنطنیہ میں ہیں آپ کہاں سے آئی ہیں؟"

"ہمارے لئے تمہارے ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔ اب بہتر یہی ہے کہ تم ہمارا راستہ چھوڑ دو۔"

"معاف کیجئے! اب آپ کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ آپ کہاں جانا چاہتی ہیں؟"

"ہمارا مکان دروازے کے قریب ہے۔"

"اگر اجازت ہو تو میں وہاں تک آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

یوسیبیا نے فاتحانہ انداز سے عاصم اور فسطینہ کی طرف دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ایرانی افسر اور اُس کے سپاہی اُن کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر دروازے سے گزرتے ہی انہیں چند ایسے آدمی دکھائی دیئے جن کے لباس ایرانیوں کی بجائے عربوں سے ملتے تھے۔ یہ لوگ تین چیختی چلاتی عورتوں کے بال پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے ایک مکان کے اندر لے گئے۔ اور فسطینہ اور اُس کی ماں کچھ دیر اپنے گھوڑے روک کر اُن کی جگر دوز چیخیں سنتی رہیں۔

بالآخر یوسیبیا نے ایرانی افسر سے مخاطب ہو کر پوچھا "یہ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟"

اُس نے جواب دیا "یہ حیرہ، نجد اور یمن کے قبائل سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے حلیف ہیں۔"

"تم اُن مظلوم عورتوں کی مدد نہیں کر سکتے؟"

ایرانی افسر نے جواب دیا "جناب! ہمارے سپہ سالار کی طرف سے انہیں پوری آزادی ہے۔ اپنے سرداروں کے سوا یہ کسی کا حکم نہیں مانتے اور انہیں کوئی بات سمجھانے کے لئے مجھے ان کے سردار کو تلاش کرنا پڑے گا لیکن آپ کے لئے یہاں رُکنا مناسب نہیں، چلئے!"

یوسیبیا نے کچھ کہے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور عاصم اور فسطینہ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ تھوڑی دور آگے جا کر ایک ڈیوڑھی کے سامنے رکے اور گھوڑوں سے اتر پڑے۔ عاصم نے تینوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور فسطینہ اور اس کی ماں آگے بڑھ کر ڈیوڑھی کے بند دروازے پر دستک دینے لگیں۔ جب چند ثانیے کوئی جواب نہ آیا تو یوسیبیا اضطراب کی حالت میں نوکروں کو آوازیں دینے لگی۔

اچانک اندر سے زنجیر کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور یوسیبیا اور فسطینہ بھاری کواڑوں کو دھکیل کر اندر داخل ہوئیں۔ دروازہ کھولنے والا اپنے لباس سے عرب معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنی زبان میں کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اُس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر پائیں باغ میں بھاگتی ہوئی آگے نکل گئی۔

پہریدار انہیں چند آوازیں دینے کے بعد دروازے کی طرف متوجہ ہوا تو عاصم نے جلدی سے آگے بڑھ کر گھوڑے اندر ہانک دیئے۔

پہریدار چلایا "تم کون ہو۔ تم اندر نہیں جا سکتے۔"

عاصم نے جواب دیا "اگر یہ تھیوڈوسیس کا مکان ہے تو تم میرا راستہ نہیں روک سکتے۔"

"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ آگے نہ جاؤ۔ یہ مکان ہمارے سردار کے قبضے میں ہے اور تمہارا شکار اب ایک شیر کی کچھار میں داخل ہو چکا ہے۔ اب تمہیں کسی اور گھر کا رُخ کرنا چاہیے۔"

پہریدار اپنی تلوار سونت کر عاصم کے راستے میں کھڑا ہو گیا۔

عاصم کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر اُس کے چہرے میں آگیا۔ اُس نے جھپٹ کر ایک ہاتھ سے اپنے مدِمقابل کی کلائی پکڑلی۔ اور دوسرے ہاتھ کی ایک ہی ضرب سے اُسے زمین پر لٹا دیا۔ پھر چشم زدن میں نیچے پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور باغ سے مکان کی طرف بھاگنے لگا۔

اتنی دیر میں ایرانی افسر اور اُس کے ساتھی جنہیں وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور پہریدار نے اُن کے تیور دیکھ کر اٹھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

عاصم کو باغ میں چند قدم بھاگنے کے بعد اچانک نسوانی چیخیں سنائی دیں اور جب وہ سیب کے درختوں سے نکل کر ایک عالیشان عمارت کے قریب پہنچا تو یوسیبیا دہائی مچاتی واپس آ رہی تھی اور تین آدمی قہقہے لگاتے اور گالیاں دیتے ہوئے اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔

شراب کے نشے میں اُن کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ سب سے اگلے آدمی نے یوسیبیا کی گردن پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی اور وہ دونوں مُنہ کے بل گر پڑے۔ عاصم نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "ٹھہرو! تم نہیں جانتے کہ تمہیں ایران کے شہنشاہ کے سامنے اس گستاخی کا جواب دینا پڑے گا۔ تم شہنشاہ کے ایک ایسے دوست کا عتاب مول لے رہے ہو جس کے اشارے پر تمہارے سرداروں کی گردنیں اڑا دی جائیں گی۔"

وہ انتہائی بدحواسی کے عالم میں عاصم کی طرف دیکھنے لگے اور پیشتر اس کے کہ وہ کوئی اور اقدام کرسکتے ایرانی سپاہی جو عاصم کے پیچھے آ رہے تھے انہیں اپنے گھیرے میں لے چکے تھے۔

عاصم نے آگے بڑھ کر یوسیبیا کو اٹھنے کے لئے سہارا دیا۔ اور وہ ہوش میں آتے ہی چلانے لگی "خدا کے لئے! میری بیٹی کو بچاؤ۔ وہ مکان کے اندر ہے۔"

عاصم پوری قوت سے مکان کی طرف بھاگا ایک کمرے سے فسطینہ کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے زور سے دھکا دے کر دروازہ کھولا اور ہوا کے ایک تند و تیز جھونکے کی طرح اندر داخل ہوا۔ فسطینہ ایک دراز قامت آدمی کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہی تھی ـــــ وہ فسطینہ کو ایک طرف دھکیل کر عاصم کی طرف متوجہ ہوا لیکن اُس کے ہاتھ خالی تھے اور ہتھیار کمرے کے دوسرے کونے میں پڑے تھے۔ عاصم اپنی تلوار پھینک کر ایک زخمی شیر کی طرح اُس پر جھپٹ پڑا۔ اُس نے مدافعت کے لئے ہاتھ اٹھائے لیکن نشے کی حالت میں اُس کی پیش نہ گئی۔ عاصم نے یکے بعد دیگرے اُس کے منہ اور گردن پر چند مکّے رسید کئے وہ تیورا کر فرش پر گرا اور دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہ کی۔ فسطینہ ایک بچے کی طرح سسکیاں لیتی اور روتی ہوئی عاصم سے لپٹ گئی۔ وہ کہہ رہی تھی "خدا کے لئے! آپ یہاں سے نکل جائیں۔ آپ بھاگ جائیں۔ آپ کو ہمارے ساتھ نہیں آنا چاہیئے تھا۔ ہمیں آپ کو بار بار خطرے میں ڈالنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر ہمارے مقدر میں ذلت اور رسوائی ہے تو آپ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

عاصم نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "نہیں فسطینہ میں بھاگنے کے لئے یہاں تک نہیں آیا۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اور تمہارے مقدر میں ذلت و رسوائی نہیں ہے۔"

یوسیبیا اور ایرانی افسر کمرے میں داخل ہوئے اور فسطینہ عاصم کو چھوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گئی۔ ایرانی افسر نے آگے بڑھ کر نیچے پڑے ہوئے آدمی کو اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد یوسیبیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اگر آپ کا محافظ اس معزز آدمی کو قتل کر دیتا تو مسئلہ بہت خطرناک ہو جاتا۔"

یوسیبیا غصے سے کانپتی ہوئی بولی "تم اس وحشی کو ایک معزز آدمی سمجھتے ہو؟"

ایرانی افسر نے کہا "جناب! یہ حیرہ کے ایک معزز خاندان کا رئیس ہے اور لڑائی کے میدان میں بہت کم لوگ اس کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں۔ آج اگر یہ شراب سے مدہوش نہ ہوتا تو اس کی یہ حالت نہ ہوتی۔"

یوسیبیا فسطینہ سے مخاطب ہوئی "وہ لڑکی کون تھی، وہ کہاں گئی ہے؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "میں اُسے اچھی طرح نہیں پہچان سکی لیکن میرا خیال ہے کہ وہ یوحنا کی بہن تھی میں نے اُسے پچھلے کمرے کی طرف بھاگتے دیکھا تھا۔"

یوسیبیا نے آگے بڑھ کر عقبی کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔ "دروازہ کھولو۔ تمہیں اب کوئی خطرہ نہیں میں تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتی ہوں۔ میں یوسیبیا ہوں۔"

ایک عورت دروازہ کھول کر باہر نکلی، اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔

"ہیلانہ!" یوسیبیا اور فسطینہ نے یک زبان ہو کر کہا۔ وہ چند ثانیے گردن جھکائے بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر اُس نے اچانک آگے بڑھ کر فرش پر پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور گرے ہوئے آدمی پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے بھاگ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ چلائی۔ "مجھے چھوڑ دو۔ خدا کے لئے! مجھے انتقام لینے دو۔ تم نہیں جانتے یہ کتنا ظالم ہے۔ اُس نے میرے شوہر کو قتل کیا ہے۔ اور میں کل سے ......" ستم رسیدہ عورت کی آواز سسکیوں میں گم ہو کر رہ گئی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔

عاصم نے اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

ایرانی افسر نے یوسیبیا سے سوال کیا۔ "یہ آپ کی بہن ہے؟"

اُس نے جواب دیا۔ "یہ ہمارے ایک پڑوسی کی بیوی ہے۔"

فسطینہ نے کہا۔ "ہیلانہ! حوصلے سے کام لو۔ اور خدا کے لئے مجھے نانا جان کے متعلق بتاؤ۔"

"تمہارے نانا جان یہاں نہیں ہیں۔" ہیلانہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کہاں ہیں؟"

"انہیں زندہ جلا دیا گیا۔ دمشق والوں کو ایک بےگناہ آدمی کی جان لینے کی سزا ملی ہے۔ میرے خاوند نے انہیں بچانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بے بس تھا۔ اور کل اُس وحشی نے میری آنکھوں کے سامنے آپ کے بوڑھے نوکر کا گلا گھونٹ دیا۔"

یوسیبیا نے پوچھا۔ "میرے باپ کو زندہ جلانے والے کون تھے؟"

"انہیں رومی سپاہی پکڑ کر لے گئے تھے۔ اور ہمارا اسقف اور شہر کے سینکڑوں آدمیوں کا جلوس اُس کے ہمراہ

تھا۔ اُن پر ایرانیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔"

یوسیبیا نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہیں یقین ہے کہ میرے باپ کو زندہ جلا دیا گیا؟"

"ہاں! جب اُن کی چتا کو آگ لگائی گئی تھی تو میرا شوہر اور محلے کے کئی آدمی وہاں موجود تھے۔"

"اور محلے کے لوگوں نے اُن کی کوئی مدد نہ کی؟"

"اُن کے سینکڑوں ہمدرد رو رہے تھے لیکن کلیسا کی عدالت کے فیصلے کے بعد کسی کو اُن کے خلاف دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ اور شہر کے عوام کی اکثریت بھی اُن کے خلاف مشتعل ہو چکی تھی۔"

یوسیبیا اور فسطینہ تھیوڈوسیس کی موت کی تفصیلات پوچھ رہی تھیں اور ایرانی افسر سریانی زبان سے ناآشنا ہونے کے باعث پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا۔ مکان کے باہر اُس کے سپاہی تین عربوں کو گھیرے میں لئے کھڑے تھے۔ ایک سپاہی کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے اپنے افسر سے کہا۔ "جناب! اُن عربوں کے متعلق کیا حکم ہے۔ وہ ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں۔"

"انہیں پڑاؤ میں لے جاؤ، شراب کا نشہ اُترنے کے بعد اُن کا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن پہلے اُن کے سردار کو یہاں سے نکالو اور کم از کم چار آدمیوں کو پہرا دینے کے لئے یہاں چھوڑ دو۔"

سپاہی نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور تین آدمی بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے، ایرانی افسر آگے بڑھ کر عرب سردار کو جھنجھوڑنے لگا اور اُس نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھول دیں۔ ایرانی افسر کے اشارے پر سپاہیوں نے اُس کے بازو پکڑ کر اُسے اٹھایا اور دروازے کی طرف کھینچنے لگے۔ اُس نے بدحواسی کی حالت میں چند قدم گھسٹنے اور پھر اچانک اپنے آپ کو اُن کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن چار آدمیوں کے مقابلے میں اُس کی پیش نہ گئی اور وہ اُسے زبردستی کمرے سے باہر لے گئے۔

ایرانی افسر نے یوسیبیا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ عرب سخت منتقم مزاج ہوتے ہیں لیکن یہ شخص دوبارہ آپ کو پریشان نہیں کرے گا۔ تاہم موجودہ حالات میں آپ کا گھر محفوظ نہیں۔ اس لئے جب تک آپ یہاں ہیں میرے سپاہی آپ کے دروازے پر پہرا دیں گے۔ میں سپہ سالار کو آپ کے متعلق اطلاع دینے جا رہا ہوں اور اگر انہوں نے اجازت دی تو میں بذاتِ خود آپ کی حفاظت کے لئے یہاں آجاؤں گا۔ اگر سپہ سالار نے آپ کو کسی اور محفوظ

جگہ ٹھہرانا ضروری خیال نہ کیا تو میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ لیکن اگر اس نوجوان کو اپنی جان عزیز ہے تو اسے مکان سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ کسی لخمی یا تمیمی دستے کا آدمی ہوگا لیکن یہ تو کوئی اجنبی معلوم ہوتا ہے۔"

یوسیبیا نے جواب دیا۔ "اگر یہ نوجوان یروشلم سے دمشق تک ہمارا ساتھ نہ دیتا تو ہم اس وقت رومیوں کی قید میں ہوتے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر شہنشاہ ایران کی نظروں میں سین کی بیوی اور بیٹی کی کوئی قیمت ہے تو وہ اس نوجوان کو عزت کے قابل سمجھیں گے۔ تم اپنے سپہ سالار سے کہو کہ جب تک مجھے اپنے خاوند کا حال معلوم نہیں ہوتا میں یہیں رہنا پسند کروں گی۔"

"بہت اچھا! میں فی الحال چار آدمی یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن تھوڑی دیر میں چند اور آدمی یہاں پہنچ جائیں گے۔" افسر یہ کہہ کر باہر نکل گیا اور یوسیبیا اور فسطینہ دونوں بیلانہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

باقی سارا دن خیریت سے گزر گیا۔ سہ پہر کے قریب دمشق فتح کرنے والے لشکر کا سپہ سالار بذات خود اظہار ہمدردی کے لئے سین کی بیوی کے پاس آیا۔ اور پہریداروں کو، جو بیرونی دروازے کے قریب پائیں باغ میں ایک خیمہ نصب کر چکے تھے، ضروری ہدایات دینے کے بعد واپس چلا گیا۔

باب ۱۷

رات کے وقت عاصم سلوتی مکان کے ایک سرے پر مہمان خانے کے ایک کمرے میں لیٹا ہوا تھا لیکن تھکاوٹ کے باوجود اس کی آنکھوں میں نیند نہ تھی۔ دن بھر اس نے بیلانہ کی زبان سے اہل دمشق پر ایرانی لشکر کے وحشیانہ مظالم کی داستانیں سنی تھیں۔ اور اسے یہ خوبصورت شہر اپنے وطن کے ریگ زاروں سے زیادہ وحشت ناک محسوس ہوتا تھا۔ وہاں قبائل ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے اور یہاں سلطنتوں کا تصادم تھا۔ دمشق کی گلیوں اور بازاروں میں فاتح لشکر کے نعرے اور قہقہے اور آس پاس کے مکانوں سے مفتوح قوم کی چیخیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ کاش! میں وحشت اور بربریت کے اس طوفان کو روک سکتا ـــــ کاش! میں دمشق کے ہر گھر پر پیغام دے سکتا کہ میرا! تم نے کہا تھا کہ رات کے مسافر کو صبح کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ لیکن وہ صبح کب آئے گی؟۔ کیا ان تاریک بادلوں کے آغوش سے کوئی آفتاب نمودار ہو سکتا ہے؟" عاصم کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ اسے انسانیت کا مستقبل اس کے ماضی اور حال سے زیادہ بھیانک نظر آتا تھا اور وہ بار بار یہ کہہ رہا تھا کاش! فسطینہ کی دنیا سمیرا کی دنیا سے مختلف ہوتی۔" دیر تک بے چینی کی حالت میں کروٹیں بدلنے کے بعد اس کو نیند آگئی۔ لیکن پچھلے پہر وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ بیرونی دروازے کی طرف پہریداروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اس نے تلوار اٹھائی اور ننگے پاؤں باہر نکل آیا پائیں باغ میں چند آدمی مشعلیں اٹھائے مکان کا رخ کر رہے تھے۔ عاصم درختوں کی آڑ لیتا ہوا چند قدم اس طرف بڑھا لیکن پھر اچانک کچھ سوچ کر بھاگتا ہوا اس کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا جہاں یوسیبیا اور اس کی بچی ٹھہری ہوئی تھیں۔ مشعلوں کی روشنی میں اسے آٹھ دس آدمی دکھائی دے رہے تھے۔ عاصم سوچ رہا تھا۔ "وہ آئیں

ہیں۔ پہریداروں نے اُن کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی ـــــ شاید اُن کا افسر بھی غداری کر رہا ہو۔ میں اتنے آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر میں ایک بار اُن کا مُنہ پھیر دوں تو بھی یہ معاملہ ختم نہ ہوگا۔ اگر یہ بھاگ گئے تو اور آ جائیں گے اور اُن کی تعداد زیادہ ہوگی ـــــ فسطینہ کہتی تھی کہ اگر ہمارے مقدر ہی میں ذلت اور رسوائی ہے تو تم ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن میں اپنی زندگی میں اُس کی ذلت و رسوائی نہیں دیکھوں گا۔ اور اس کے بعد مجھے اِس بات سے کوئی سروکار نہ ہوگا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ میری آنکھیں اُسے کبیرا کی طرح مرتے ہوئے نہیں دیکھیں گی۔ وہ میری لاش روندے بغیر اُس کے کمرے میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر میں انہیں تھوڑی دیر کے لئے روک سکوں تو سین کا کوئی وفادار دوست یہاں پہنچ جائے۔ آج ایرانی سپہ سالار بذاتِ خود اُن کی مزاج پُرسی کے لئے آیا تھا ـــــ عاصم موت کے بھیانک چہرے پر اُمید کی روشنی تلاش کر رہا تھا۔ وہ مکان سے چند قدم دُور رُکے ایک دراز قامت آدمی نے دوسرے کے ہاتھ سے مشعل لینے کے بعد ان سے کچھ کہا اور وہ واپس چلے گئے۔ اجنبی تیزی سے آگے بڑھا اور عاصم دروازے کی محراب کے اندر سمٹنے لگا۔ پھر اچانک اُس نے اپنی تلوار کی نوک اُس کے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”تم آگے نہیں جا سکتے۔“

اجنبی ٹھٹھک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور ایک ثانیہ توقف کے بعد اُس نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔ اور میری آواز پر آن کی آن میں بیسیوں آدمی تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔“

عاصم نے جواب دیا۔ ”مجھے معلوم ہے لیکن تمہاری آواز حلق سے باہر نہیں نکل سکے گی۔“

اجنبی نے اطمینان سے کہا۔ ”تم عرب معلوم ہوتے ہو اور میں حیران ہوں کہ تم اِس گھر کی حفاظت کے لئے اپنی جان کیوں خطرے میں ڈال رہے ہو؟“

”اگر تم ایرانی ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سین کی بیوی کا گھر ہے اور سین شہنشاہ کا دوست ہے۔“

”اور تم اُن کے محافظ ہو؟“

”تمہیں ابھی تک یقین نہیں آیا؟“

اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم بہت بہادر ہو اور بہت بیوقوف بھی۔ لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں بہت دُور سے آیا ہوں اور اب میرے لئے واپس قسطنطنیہ کا رُخ کرنا ممکن نہیں ـــــ میرا نام سین ہے۔“

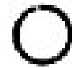
عاصم سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ سین نے اپنے ہاتھ سے اُس کی تلوار ایک طرف ہٹا دی اور آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ تھوڑی دیر اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو عاصم نے کہا۔ ”وہ اس وقت بہت خوفزدہ ہیں آپ انہیں آواز دیجئے۔“

سین چلایا۔ ”فسطینہ فسطینہ، بیٹی دروازہ کھولو میں آگیا ہوں۔“

فسطینہ دروازہ کھول کر باہر نکلی اور ابا جان، ابا جان کہتی ہوئی اُس سے لپٹ گئی۔

سین نے مڑ کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اب تمہیں اطمینان ہو جانا چاہیئے۔ پہریداروں نے مجھے تمہارے متعلق بتا دیا تھا لیکن مجھے یہ توقع نہ تھی کہ تم اِس وقت دروازے پر کھڑے ہوگے۔ جاؤ اب آرام کرو۔“

عاصم مہمان خانے کی طرف چل دیا۔



اگلے دن دیر تک عاصم کو سین سے دوبارہ ملاقات کا موقع نہ ملا۔ وہ کبھی اصطبل میں جا کر اپنے گھوڑے کو دیکھتا اور کبھی پائیں باغ میں ٹہلنا شروع کر دیتا۔ مکان کے محافظ اُس کے ساتھ اونیٰ خادموں کی طرح پیش آتے تھے۔ دوپہر کے وقت وہ اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ اچانک فسطینہ اندر داخل ہوئی اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ فسطینہ نے کہا۔ ”آج میں بہت دیر سوئی ہوں ـــــ امی اور ابا جان ابھی بیدار ہوئے ہیں۔ وہ کھانے پر آپ کو بلانا چاہتے تھے لیکن ہیلانہ نے کہا تھا کہ آپ کھانا کھا چکے ہیں۔ ہم صبح تک آپ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ ابا جان اب سپہ سالار سے ملنے جا رہے ہیں۔ واپس آ کر وہ آپ سے ملاقات کریں گے۔ امی جان کہتی ہیں کہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔ ابھی انہوں نے ایک آدمی کو آپ کے لئے نیا لباس خریدنے بھیجا ہے۔“

عاصم نے کہا۔ ”مجھے نئے لباس کی ضرورت نہیں ـــــ میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ آپ کے ابا جان خیریت سے گھر پہنچ جائیں اور یہ خواہش پوری ہو چکی ہے۔ اب دمشق کو خدا حافظ کہتے ہوئے میرے دل پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔“

فسطینہ نے جواب دیا۔ ”اب آپ کے میزبان میرے ابا جان ہیں۔ اور یہ فیصلہ کرنا اُن کا کام ہے کہ آپ کب جاسکتے ہیں؟ اور جب تک انہیں یہ اطمینان نہیں ہو جاتا کہ آپ جس جگہ جانا چاہتے ہیں وہ دمشق سے بہتر ہے

وہ آپ کو کبھی اجازت نہیں دیں گے۔"

باہر سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فسطینہ نے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔"ابا جان آ رہے ہیں۔"

عاصم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور فسطینہ ایک طرف ہٹ گئی۔ سین کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ایک قدم کے فاصلے سے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔"میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں اور واپس آ کر اطمینان سے تمہارے ساتھ باتیں کروں گا۔ میری بیٹی کہتی ہے کہ تم بھاگ جاؤ گے اور میں اسے یہ اطمینان دلا چکا ہوں کہ تم اس گھر سے میری اجازت کے بغیر باہر نہیں نکلو گے۔"

"یہ آپ کا حکم ہے؟"

"نہیں! ہم اپنے محسنوں کو حکم نہیں دیا کرتے۔ فسطینہ! میری غیر حاضری میں تمہیں اپنے مہمان کا خیال رکھنا چاہیئے۔" سین نے عاصم کے کندھے پر تھپکی دی اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

شام کے وقت عاصم اپنے کمرے کے باہر ٹہل رہا تھا۔ بیلانہ کپڑوں کی ایک گٹھڑی اٹھائے سکونتی مکان سے نمودار ہوئی اور اس کے قریب آ کر بولی۔"لیجئے! یہ آپ کے کپڑے ہیں۔ آپ انہیں جلدی پہن لیجئے۔ فسطینہ کے ابا جان آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

عاصم نے پوچھا۔"کیا وہ نئے لباس کے بغیر کسی سے ملاقات نہیں کرتے؟"

بیلانہ نے پریشان ہو کر جواب دیا۔"نہیں! انہوں نے یہ نہیں کہا کہ آپ یہ کپڑے پہن کر ہی اُن کے پاس آئیں۔ لیکن فسطینہ کی یہ خواہش ہے کہ آپ لباس تبدیل کر لیں۔"

عاصم نے اُس سے گٹھڑی لے کر کمرے کے اندر پلنگ پر پھینک دی اور واپس آ کر بولا۔"لباس تبدیل کرنے میں دیر ہو جائے گی۔ میں پہلے اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔"

بیلانہ کچھ کہے بغیر اُس کے آگے آگے چل پڑی اور تھوڑی دیر بعد اُس نے سکونتی مکان کے ایک نیم وا دروازے کے سامنے رُکتے ہوئے کہا۔"آپ اندر تشریف لے جائیے!"

عاصم جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا۔ کمرے میں دو شمعیں جل رہی تھیں اور سین، یوسیبیا اور فسطینہ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ سین نے اُسے دیکھتے ہی اپنے سامنے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"بیٹھ جاؤ! میری بیوی

بیٹی کی یہ خواہش تھی کہ میں اُن کی موجودگی میں تمہارا شکریہ ادا کروں۔ اور میں ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں ایران کے تمام امراء کو یہاں بلاتا اور اُن کے سامنے تمہارا ہاتھ پکڑ کر یہ اعلان کرتا کہ یہ نوجوان اس دُنیا میں میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اور میں آج سے اسے اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔ میرے لئے سریانی زبان میں اپنے جذبات کا اظہار ممکن نہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم فارسی نہیں جانتے۔"

عاصم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔"آپ کو میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

سین نے کہا۔"میں علی الصباح ایک مہم پر جا رہا ہوں۔ لیکن دمشق چھوڑنے سے پہلے میرے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ دولت کی میرے پاس کمی نہیں۔ فسطینہ اور اس کی والدہ تمہاری بدولت جو جواہرات بچا لائی ہیں اُن پر تم سے زیادہ کسی کا حق نہیں، وہ تمہیں قبول کرنے پڑیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

سین نے کہا۔"تم غریب الوطن ہو اور میں تمہیں شام اور آرمینیا کے ہر شہر میں بہترین محل، زمین اور باغات دلوا سکتا ہوں۔ اگر تم کسی طاقتور دشمن کے ہاتھوں تنگ آ کر اپنے وطن سے نکلے ہو تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس جنگ سے فارغ ہونے کے بعد میں تمہیں ایک فاتح کی حیثیت سے وہاں بھیجوں گا اور تمیمی اور یمنی قبائل کا ایک ایسا لشکر تمہارے ساتھ ہو گا جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہو گی۔ میں یمن کے گورنر کو بھی شہنشاہ کی طرف سے تمہاری اعانت کا حکم بھجوا سکتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"معاف کیجئے! میں محلات، زمین اور باغات کی تلاش میں یہاں نہیں آیا۔ یہ درست ہے کہ میری زندگی کی تمام راحتیں میرے وطن کی خاک میں دفن ہو چکی ہیں لیکن میں وہاں اُس آگ کی چنگاریاں نہیں لے جاؤں گا جس کے شعلے میں نے دمشق میں دیکھے ہیں۔ میرے ہم وطنوں کے لئے قدرت کی یہی سزا کچھ کم نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔"

سین نے کہا۔"نوجوان! میں صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں ورنہ عرب پر ایرانیوں کے حملے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عرب کا بہترین علاقہ یمن ہے اور وہ پہلے ہی ہمارے قبضے میں ہے۔ عراقِ عرب کے

قبائل ہمارے باجگذار ہیں اور باقی عرب ایک ایسا صحرا ہے جس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ مجھے معلوم نہیں تم کن حالات میں اپنے گھر سے نکلے ہو لیکن اگر تم ہمیشہ کے لئے اپنے وطن کو خیرباد کہہ چکے ہو تو مجھے اپنا دوست سمجھو میں تمہیں یہ احساس نہیں ہونے دوں گا کہ تمہارا کوئی وطن یا گھر نہیں۔ تم دمشق کے حالات سے بہت پریشان معلوم ہوتے ہو اور میں خود بھی ایرانی لشکر کے طرزِ عمل سے خوش نہیں ہوں لیکن یہ جنگ کا زمانہ ہے اور ایرانی لشکر فاتح کی حیثیت سے ماضی کی انہی روایات پر عمل کر رہا ہے جو رومیوں نے قائم کی ہیں۔"

عاصم نے پریشان ہو کر کہا۔ "لیکن آپ تو اس جنگ کے مخالف تھے۔"

"ہاں! اور میں اس مخالفت کی سزا بھگت چکا ہوں۔ میں قیصر کو یہ سمجھانے گیا تھا کہ تم شہنشاہ ایران کو ناراض کر کے ایک بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔ ایران اور روم کی بھلائی اسی میں ہے کہ انہیں جنگ سے باز رکھا جائے۔ کسریٰ شہنشاہ موریس کے قاتلوں کو معاف نہیں کرے گا۔ اور اگر تم روم کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو قسطنطنیہ کو کسی ایسے آدمی کے حوالے کر دو جو پرویز کی رنجش دور کر سکتا ہو۔ مجھے خدشہ تھا کہ فوکاس براہِ راست میری باتوں سے متاثر نہیں ہوگا۔ اس لئے میں نے اُس سے ملاقات کرنے سے پہلے با اثر امراء کو ہم خیال بنانا ضروری سمجھا لیکن کسی نے فوکاس کو بتا دیا کہ میں سینیٹ کے ارکان کو مرعوب کر رہا ہوں اور مجھے قید کر لیا گیا۔ پھر مجھے قبرص کے ایک قید خانے میں یہ اطلاع ملی کہ قسطنطنیہ میں انقلاب آ چکا ہے۔ فوکاس قتل کر دیا گیا ہے اور نئے قیصر نے مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں قبرص سے قسطنطنیہ پہنچا اور مجھے ایک قیدی کی بجائے ایک معزز مہمان کی حیثیت سے نئے قیصر ہرقل کے دربار میں پیش کیا گیا۔ میں نے ہرقل کی طرف سے اپنے شہنشاہ کو دوستی کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر لی اور میرا خیال تھا کہ خسرو پرویز ہرقل کی طرف سے دوستی کا پیغام سن کر خوش ہوگا اور یہ جنگ ختم ہو جائے گی لیکن یہ میری دوسری حماقت تھی۔ انطاکیہ پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے اور اب اس طوفان کو روکنا میرے بس کی بات نہیں۔ فوکاس نے جو آگ جلائی تھی وہ اب خطرناک شعلوں کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اب میں اگر اسے بجھانے کی کوشش بھی کروں تو مجھے اپنے ہاتھ جلانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں انطاکیہ سے یہاں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ اہلِ دمشق اُس شخص کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں جسے میں دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ قابلِ عزت سمجھتا تھا۔ تھیوڈوسیس نے مجھے رومیوں اور شامیوں سے محبت کرنا سکھایا

تھا لیکن ان کے نزدیک اُسے آگ میں جلانے کے لئے یہ بات کافی تھی کہ وہ میرا خسر تھا۔"

عاصم نے پوچھا۔ "اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

سین نے جواب دیا۔ "میں پرویز کا ایک سپاہی ہوں۔ اور میری سب سے بڑی غلطی یہی تھی کہ میں نے ایک سپاہی کی حدود سے باہر پاؤں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ میں اپنے شہنشاہ کا خادم ہوں اور میرے آقا کو صلح اور امن کا راستہ دکھانے والوں کی بجائے ایران کی فتوحات کے پرچم لہرانے والوں کی ضرورت ہے۔ میری وفاداریاں ایران کے لئے ہیں اور اگر حالات نے ایران کو بازنطینی سلطنت کا دشمن بنا دیا ہے تو میں اپنے حصے کی ذمہ داریوں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا ـــــ اب ایران کا لشکر قسطنطنیہ فتح کئے بغیر نہیں رکے گا اور بازنطینی مقبوضات کے عوام کی بھلائی اسی میں ہے کہ قسطنطنیہ جلد فتح ہو جائے کیونکہ یہ جنگ جتنا طول کھینچے گی اُسی قدر ان کی مظلومیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ تم اہلِ دمشق کے حالات سے بہت متاثر ہو لیکن جنگ کے آئین ہم نے نہیں بنائے۔ روم اور ایران صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی شہر رومیوں کے قبضے میں آ جائے تو وہاں کے عوام کے ساتھ اُن کا سلوک اِس سے بہتر نہیں ہوگا۔"

عاصم نے کہا۔ "میں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ اگر فوکاس، شہنشاہ موریس کو قتل کر کے بازنطینی سلطنت پر قبضہ نہ کرتا تو ایران کو حملہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ لیکن اب جب کہ فوکاس قتل ہو چکا ہے اور نیا قیصر ایران کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا خواہش مند ہے تو پرویز کے لئے اس جنگ کو جاری رکھنے کا کیا جواز ہے؟"

سین نے جواب دیا۔ "ہمارے شہنشاہ کے لئے جنگ جاری رکھنے کی سب سے بڑی وجہ اُن کی فتوحات ہیں۔ ایک شکست خوردہ فوج ہمیشہ صلح اور امن کی طرف راغب ہوتی ہے لیکن ایک فاتح لشکر کو ایک کامیابی ہمیشہ دوسری کامیابی کا راستہ دکھاتی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ روم اور ایران کبھی ایک دوسرے کے دوست نہ تھے۔ بعض حالات نے عارضی طور پر انہیں جنگ بند کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ خسرو پرویز کو بہرام سے نپٹنے کے لئے شہنشاہ موریس کی اعانت کی ضرورت تھی اور موریس یہ محسوس کرتا تھا کہ بہرام کے مقابلے میں پرویز کو مدد دینا رومیوں کے لئے زیادہ سود مند ہوگا۔ بہرام سے انہیں یہ اُمید نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ لڑے بغیر اپنی سلطنت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی رومیوں کے حوالے کر دے گا لیکن پرویز کے متعلق شہنشاہ موریس کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ ایک

کمزور ہمسایہ ثابت ہوگا۔ پرویز نے رومیوں کی اعانت کے صلے میں آرمینیا کے بیشتر علاقے اُن کے حوالے کر دیئے تھے لیکن اگر رومیوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کسریٰ نے ہمیشہ کے لئے اُن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں تو اُن کی غلطی تھی۔ پرویز کو اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت تھی اور فوکاس کے ہاتھوں موریس کے قتل سے اُسے یہ بہانہ مل گیا۔ اگر شہنشاہ موریس قتل نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ دو چار سال اور خیریت سے گزر جاتے لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ ایران اور روم کے جو تعلقات ہنگامی مصلحتوں کے تحت استوار ہوئے تھے وہ کسی دائمی امن کی ضمانت ہو سکتے ہیں۔ اگر آرمینیا میں ایرانی لشکر کو کسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تو ممکن ہے کہ پرویز اپنی تلوار نیام میں کرنے پر مجبور ہو جاتا لیکن اب رومیوں کے مقابلے میں اُسے پہلی بار اپنی قوت کا احساس ہوا ہے اور یہ احساس اس قدر شدید ہے کہ وہ صلح اور امن کے الفاظ بھی سننا گوارا نہیں کرتا۔"

عاصم نے کہا۔ "لیکن آپ ان سب باتوں کے باوجود اس جنگ کو پسند نہیں کرتے۔"

سین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "میری پسند ناپسند کوئی معنی نہیں رکھتی ——— انطاکیہ میں شہنشاہ سے ملاقات کے بعد میرے لئے صرف دو راستے تھے ایک یہ کہ میں پوری قوت کے ساتھ اس جنگ کے خلاف اپنی آواز بلند کروں اور وہ مجھے بزدل، یا رومیوں کا طرف دار سمجھ کر قتل کر ڈالیں اور دوسرا یہ کہ میں اس حقیقت کا اعتراف کرلوں کہ اس لڑائی کو روکنا اب میرے بس کی بات نہیں۔ صلح اور جنگ کے متعلق سوچنا ایک بادشاہ کا کام ہے۔ مجھے صرف اُن ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہیئے جو ایران کے ایک سپاہی کی حیثیت سے مجھ پر عائد ہوتی ہیں ——— میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ مجھے خون بہانے میں کوئی لذت محسوس ہوتی ہے بلکہ اس لئے کہ مجھے ہمیشہ کے لئے اُس آدمی کی نگاہوں سے گر جانا پسند نہیں جسے وقت آنے پر میں کوئی اچھا مشورہ دے سکتا ہوں۔ خسرو پرویز کبھی میرا دوست تھا اور میرے مشوروں پر عمل کیا کرتا تھا لیکن اس وقت اُس کے صلاح کار ایسے لوگ ہیں جنہیں میرے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ میری آخری اُمید یہی ہے کہ کسی دن میں اُس کا کھویا ہوا اعتماد حاصل کر سکوں گا۔ اور صلح و امن کے حق میں میری آواز شہنشاہ کے کانوں کو ناخوشگوار محسوس نہیں ہوگی۔ میری غیر حاضری میں بعض علماء کو شہنشاہ کے کانوں میں زہر بھرنے کا موقع مل گیا تھا لیکن میں اُنہیں اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ شہنشاہ عنقریب یہاں پہنچ رہا ہے اور اس کے بعد شاید مجھے کسی محاذ پر بھیج دیا جائے۔ لیکن جب تک میں یہاں ہوں

تمہیں اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں۔"

"دمشق پہنچنے سے پہلے میری بیوی اور بیٹی تمہاری پناہ میں تھیں اور اب تم میری پناہ میں ہو۔ تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور میں صرف اپنا فرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آج سے ہم دنیا کی ہر خوشی اور غم میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اگر میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکا تو مجھے ساری عمر افسوس رہے گا۔"

عاصم کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا بالآخر اُس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "جب میں گھر سے نکلا تھا تو مجھے سر چھپانے کے لئے کسی جگہ کی ضرورت تھی۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرا سفر کہاں ختم ہوگا؟ مجھے ایران اور روم کی جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں، لیکن اگر آپ نے مجھ کو ایک غریب الدیار سمجھ کر میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تو آپ مجھے احسان ناشناس نہیں پائیں گے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

سین نے کہا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں اور تمہیں کوئی ایسا حکم نہیں دوں گا جو ایک باپ اپنے بیٹے یا ایک دوست اپنے دوست کو نہ دے سکے۔ میرا پہلا حکم یہ ہے کہ تم اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کرو اور پھر واپس آکر ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

سین مسکرا رہا تھا اور عاصم یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس خوش وضع انسان کی نگاہیں سنگلاخ چٹانوں کو بھی موم بنا سکتی ہیں وہ اپنے دل میں محبت اور اطاعت کی دھڑکنیں محسوس کرتا ہوا اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا پھر جب وہ کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں لیٹا سین کی باتوں پر غور کر رہا تھا تو اُسے ایک الجھن سی محسوس ہوتی تھی۔ اُسے یہ توقع نہ تھی کہ ایران کا ایک جرنیل اُس سے اس درجہ بے تکلفی کے ساتھ پیش آئے گا۔ پھر اُسے سین کی گفتگو کے دوران میں یوسیبیا کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر بار بار یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ کسی ذہنی کرب میں مبتلا ہے اور سین کا مقصد اُس کی دلجوئی سے کہیں زیادہ اپنی بیوی کو مطمئن کرنا ہے۔

عاصم کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ زمانے کی گردش نے ایک جری انسان کو امن اور جنگ کے متعلق اپنا موقف تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

چند دن بعد کسریٰ پرویز انطاکیہ سے دمشق پہنچ گیا اور ایران کے لشکر نے شام کے کئی اور شہروں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد لبنان پر یلغار کر دی۔ لبنان کے ساحلی شہر دفاعی لحاظ سے خاصے مضبوط تھے اور سمندر کی طرف

سے اُن کے رسد و کمک کے راستے کھلے تھے لیکن رومیوں کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی جگہ بھی جم کر مقابلہ نہ کرتے تھے۔

دمشق میں پرویز کی آمد کے بعد سین کی یہ پریشانی دور ہو چکی تھی کہ وہ شہنشاہ کی نگاہوں سے گر چکا ہے۔ اب وہ دربار میں اُن چند سرکردہ جرنیلوں کے دوش بدوش کھڑا ہوتا تھا جو جنگی امور کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ پرویز شہر کے اُس عالیشان محل میں مقیم تھا جہاں فتح سے قبل رومی حاکم رہا کرتے تھے۔ سین صبح ہوتے ہی محل میں چلا جاتا اور غروب آفتاب تک وہاں مصروف رہتا۔ بعض اوقات وہ گھر آکر بھی کئی کئی گھنٹے مختلف محاذوں کے جنگی نقشے تیار کرنے میں منہمک رہتا تھا۔

ان ایام میں عاصم کی حالت ایک ایسے انسان کی سی تھی جو کسی تیز رفتار ندی کے بھیانک گرداب سے نکلنے کے بعد کنارے کی چٹان کے دوسری طرف ایک بڑے دریا کی طغیانیوں کا مشاہدہ کر رہا ہو اور جسے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا یکساں دشوار اور بہت کٹھن محسوس ہوتا ہو۔ یہ چٹان سین کا گھر تھا جہاں پاؤں جمانے کے بعد وہ ماضی کے گرداب کو بھول جانا چاہتا تھا لیکن اس سے آگے اُس کے مستقبل کی تمام منزلیں زیادہ بھیانک اور زیادہ حوصلہ شکن طوفان کے آغوش میں چھپی ہوئی تھیں۔

یہ گھر حال اور مستقبل کے درمیان ایک جزیرہ تھا جہاں اُس کی خواہش صرف زندہ رہنے تک محدود تھی۔ وہ علی الصباح اٹھتا۔ اپنے گھوڑے کی دیکھ بھال کرتا، پائیں باغ میں ٹہلتا اور پھر جب اسے اپنے گردوپیش سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی تو مہمان خانے کے ایک کمرے میں جا بیٹھتا۔ یوسیبیا اُس کے ساتھ حسب معمول انتہائی شفقت سے پیش آتی لیکن کبھی کبھی اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اپنے دل پر جبر کر کے مسکرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ جنگ کے باعث جو اداسی دمشق کے درودیوار پر چھائی ہوئی تھی وہ کبھی کبھی اُس کے پُر وقار چہرے کو بھی مغموم بنا دیتی تھی ــــــ ذکر جن کی تعداد اب سات تک پہنچ چکی تھی مختلف محاذوں پر ایرانیوں کی فتوحات کی خبریں لاتے تھے۔

یوسیبیا بظاہر ان خبروں پر مسرت کا اظہار کرتی لیکن عاصم کو بارہا ایسا محسوس ہوتا کہ سین کی بیوی اپنے صحیح احساسات پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ فسطینہ اُس سے مختلف تھی۔ اُسے اس بات پر فخر تھا کہ وہ سین کی بیٹی ہے اور اُس کا باپ شہنشاہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ اُسے ایران کا سب سے بڑا جرنیل اور پرویز کو ساری دنیا کا فاتح دیکھنا چاہتی تھی۔ رومی اور یونانی سپاہیوں کی تباہی اور اہل شام کی مظلومیت کے متعلق اُس کے تاثرات

بھی ماں سے قطعاً مختلف تھے۔ وہ بے حس یا سنگدل نہ تھی اور کبھی کبھی شامیوں کی مظلومیت کی داستانیں سُن کر اس کے شگفتہ چہرے پر غم کے بادل چھا جاتے تھے لیکن ایرانیوں کے مظالم سے شاکی ہونے کے باوجود اُسے یہ یقین تھا کہ رومی بلاوجہ اس جنگ کو طول دے کر اہل شام کے مصائب میں اضافہ کر رہے ہیں۔ وہ اکثر کہتی "قیصر یہ جانتا ہے کہ وہ ایران کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اُس کی افواج ہر محاذ سے بھاگ رہی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ہار نہیں مانتا۔ اگر وہ ہمارے شہنشاہ کی اطاعت قبول کر لے تو یہ جنگ ختم ہو سکتی ہے۔ کاش! رومیوں کو کوئی یہ بات سمجھا سکتا کہ ایرانی قسطنطنیہ فتح کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔" فسطینہ مختلف طریقوں سے عاصم کو بھی یہ سمجھانے کی کوشش کیا کرتی تھی کہ ایران کے لشکر میں ایک بہادر سپاہی کے لئے شہرت اور ناموری کے دروازے کھلے ہیں۔ "اگر تم چاہو تو ابا جان تمہارے لئے بہترین عہدہ حاصل کر سکتے ہیں اور تم کسی دن ایران کے شہنشاہ کو بھی اپنا گرویدہ بنا سکو گے" لیکن عاصم اُس کی باتوں کو ایک بچے کی دل لگی سمجھ کر گفتگو کا موضوع بدل دیتا۔

کچھ دنوں سے عاصم نے سین کے گھر میں بیکاری کے لمحات گزارنے کے لئے فارسی زبان سیکھنی شروع کر دی تھی اور اُس کی درخواست پر سین فوج کے ایک عمر رسیدہ سپاہی کو اپنے گھر لے آیا تھا جس نے نوشیرواں کے زمانے میں گرفتار ہونے کے بعد ایک رومی افسر کے غلام کی حیثیت سے اپنی جوانی کے ابتدائی سال قسطنطنیہ اور شام کے مختلف شہروں میں گزارے تھے۔

اس بوڑھے سپاہی کا نام فیروز تھا اور وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ سریانی، رومی اور یونانی زبانوں میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکتا تھا۔ عاصم کو سین کے گھر میں بیکاری کے لمحات گزارنے کے لئے کسی ساتھی اور فیروز کو بڑھاپے میں کسی قدردان کی ضرورت تھی چنانچہ وہ چند دن میں ایک دوسرے کے ساتھ خاصے بے تکلف ہو گئے۔ فیروز میانے قد اور دوہرے جسم کا ایک تندرست اور توانا آدمی تھا۔ اُس کے بال سفید ہو چکے تھے لیکن چہرے پر ابھی تک جوانوں کی سی تازگی نظر آتی تھی۔ سین نے اُسے عاصم کو فارسی سکھانے کے علاوہ اُس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی سونپ دی تھی اور وہ سائے کی طرح اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ کبھی کبھی عاصم اور فیروز سیر و شکار کے بہانے گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے باہر نکل جاتے اور جب وہ تھک کر کسی درخت کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے تو فیروز اپنے بچپن یا جوانی کی کوئی دلچسپ داستان شروع کر دیتا۔

ایک رات عاصم فیروز سے باتیں کر رہا تھا۔ سین کا ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا "جناب آقا آپ کو یاد فرماتے ہیں۔"

عاصم کسی توقف کے بغیر اٹھا اور نوکر کے پیچھے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سین کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک خوبصورت قالین پر بیٹھا ایک نقشہ دیکھنے میں منہمک تھا۔ عاصم کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا اور پھر ادب سے اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ سین نے نقشہ لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور اُس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "عاصم! تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ شہنشاہ نے میرا مشورہ مان لیا ہے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب جنگ ختم ہو جائے گی۔"

"نہیں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اس مرتبہ میں نے انہیں صلح کا مشورہ دینے کی حماقت نہیں کی۔ بلکہ اس بات پر زور دیا کہ ہمیں یروشلم پر چڑھائی کرنے سے پہلے لبنان کی چند اور بندرگاہوں پر قبضہ کر لینا چاہیئے تاکہ رومیوں کا بحری بیڑہ ہمارے لئے کسی پریشانی کا باعث نہ ہو — ہمارے جرنیلوں کی اکثریت اس بات کی حامی تھی کہ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر یروشلم پر چڑھائی کر دینی چاہیئے۔ وہاں سے کل یہودیوں کا ایک وفد آیا تھا اور انہوں نے بھی شہنشاہ پر زور دیا تھا کہ رومی افواج فیصلہ کن جنگ لڑنے کی نیت سے یروشلم میں جمع ہو رہی ہیں اس لئے ہمیں حملے میں تاخیر کر کے انہیں مزید تیاری کا موقع نہیں دینا چاہیئے لیکن میں نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر یروشلم کے محاصرے نے طول کھینچا تو اہل روم کو اپنی بحری قوت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا اس لئے ہمیں یروشلم کا محاصرہ کرنے سے پہلے اُن کی کمک کے راستے بند کر دینے چاہئیں۔ آج ایک طویل بحث کے بعد شہنشاہ نے میری تجویز مان لی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی مجھے قیساریہ کا محاصرہ کرنے والے لشکر کو کمک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ میں کل صبح یہاں سے تین ہزار سواروں کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔ چند دن تک شہنشاہ خود بھی لبنان کے محاذ پر پہنچ جائیں گے۔ اس جنگ کو ختم کرنے کی اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ ہم رومیوں کو اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیں کہ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور اُن کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ بلا تاخیر ہتھیار ڈال دیں — میں علی الصباح فوج کے مستقر میں چلا جاؤں گا۔ اور وہاں سے محاذ پر روانہ ہو جاؤں گا اس لئے شاید تم سے دوبارہ ملاقات کا موقع نہ ملے — میں تم سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم یہیں رہو گے اور میری غیر حاضری میں دمشق چھوڑ کر جانے کی کوشش نہیں کرو گے — یہ حکم نہیں بلکہ ایک درخواست ہے، ایک ایسے شخص کی درخواست جو تمہیں اپنا بیٹا سمجھنے میں ایک راحت محسوس کرتا ہے۔ میری عمر کا انسان نئے ساتھی اور دوست تلاش نہیں کرتا لیکن تمہیں دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم جیسے ہمیشہ سے میرے ساتھ ہو۔"

عاصم نے متاثر ہو کر کہا۔ "اس گھر سے باہر میرے لئے کوئی جگہ نہیں اور اگر ہو بھی تو میں آپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

سین مسکرایا۔ "میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد عاصم اپنے بستر پر لیٹا اپنے دل میں سین کی گفتگو دہرا رہا تھا۔ اُسے اس بات کی کوئی خوشی نہ تھی کہ پرویز نے لبنان کی بندرگاہیں فتح کرنے کے متعلق سین کا مشورہ مان لیا ہے۔ تاہم یہ پہلا موقع تھا کہ اُس کے خیالات ایرانیوں کی فتح کے حق میں تھے اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سین محاذِ جنگ پر جا رہا تھا۔

باب ۱۸

عاصم کو سین کے گھر میں زندگی کی تمام آسائشیں میسر تھیں۔ ماضی کے زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو رہے تھے۔ وہ دنیا جسے عاصم اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا دنوں، ہفتوں اور مہینوں کے پردوں میں چھپتی جا رہی تھی۔

ابتدا میں جنگ کے متعلق وحشت ناک خبریں اُسے پریشان کیا کرتی تھیں اور وہ ہر نئے شہر یا قلعے پر ایرانیوں کی فتح یابی کی خبر سننے کے بعد اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کیا کرتا تھا ــــ لیکن اب وہ ان خبروں کا عادی ہو چکا تھا۔ ایرانیوں کی بربریت کے خلاف اگر اُس کے دل میں کوئی نفرت تھی تو وہ سین سے عقیدت کے جذبات میں دب چکی تھی۔ تاہم جب وہ تنہائی کے لمحات میں اپنے حال اور مستقبل کے متعلق سوچتا تو اُسے اس قسم کے خیالات پریشان کرنے لگتے، میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟۔ اس گھر میں میری کیا حیثیت ہے؟ میں کب تک روم اور ایران کی جنگ سے بے تعلق رہ سکتا ہوں؟ یہ گھر اس دنیا میں میری آخری جائے پناہ ہے۔ سین نے اُس وقت میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے جب میرا کوئی سہارا نہ تھا۔ کیا وفاداری کا یہ تقاضا نہیں کہ میں اُس کے دوستوں کو اپنا دوست اور اُس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھوں۔ وہ میدان جنگ میں میرے متعلق کیا سوچتا ہوگا؟ اُس کی بیوی جو عیسائی ہونے کے باوجود صبح و شام اپنے شوہر کی سلامتی کی دعائیں مانگتی ہے اور اُس کی بیٹی جس کا چہرہ ایرانیوں کی فتوحات کی خبریں سنکر دمک اُٹھتا ہے، میرے متعلق کیا سوچتی ہوں گی۔ اور یہ نوکر جنھیں فسطینہ میری بہادری کے قصے سنکر مرعوب کرنے کی کوشش کیا کرتی ہے میرے متعلق کیا خیال کرتے ہوں گے؟"

کبھی کبھی اُسے اس گھر کی چار دیواری کے اندر ایک گھٹن سی محسوس ہونے لگتی اور اُس کا جی چاہتا کہ وہ

بے بسی اور مجبوری کی زنجیریں توڑ کر کسی ایسے ویرانے کی طرف نکل جائے جہاں اُسے جاننے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن پھر مکان کے کسی گوشے سے فسطینہ کے معصوم قہقہے سنائی دیتے اور زندگی کے تلخ حقائق اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے

ایک دن فسطینہ بھاگتی ہوئی اُس کے پاس آئی اور عاصم کو ایسا محسوس ہوا کہ کائنات کی ساری خوشیاں اور تمام قہقہے اُس کی آنکھوں میں سما گئے ہیں۔ وہ بولی "ابا جان کا خط آیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے تین شہر اور فتح کر لئے ہیں۔ دیکھئے یہ اُن کا خط ہے۔ انہوں نے امی جان کو آپ کے متعلق بھی چند باتیں لکھی ہیں۔ میں آپ کو پڑھ کر سناتی ہوں ــــ وہ لکھتے ہیں مجھے ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا ہے کہ میں ساری عمر اس کی نیکی کا بدلہ نہیں دے سکوں گا۔ میں واپس آکر اُسے کسی ایسے کام پر لگا دوں گا جو اُس کی خواہش کے مطابق ہو۔ میں نے شہنشاہ سے اُس کا ذکر کیا تھا اور انہوں نے فرمایا تھا کہ ایسا نوجوان ہماری طرف سے انعام کا مستحق ہے۔ میں کسی دن موقع ملتے ہی اُسے شہنشاہ کی خدمت میں پیش کروں گا۔"

عاصم کوئی جواب دینے کی بجائے اس انجان لڑکی کی طرف دیکھتا رہا۔ اور وہ قدرے توقف کے بعد بولی "مجھے یقین تھا کہ ابا جان آپ کے لئے کوئی بڑا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب آپ شہنشاہ کے سامنے پیش ہوں گے تو آپ کے لئے عزت اور شہرت کے تمام دروازے کھل جائیں گے۔ ممکن ہے آپ کسی لشکر کے سالار بن جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو کسی علاقے کا حاکم بنا دیا جائے۔"

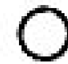
عاصم مسکرایا۔ "اگر میں سالار یا حاکم بن جاؤں تو تم خوش ہو جاؤ گی؟"

"ہاں" اُس نے سنجیدہ ہو کر جواب دیا۔ "پھر کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوگی کہ آپ جنگ میں حصہ لینے سے خوف کھاتے ہیں۔ اور آپ کو کسی کی بھیڑیں چرانے کا خیال بھی نہ آئے گا۔"

فسطینہ ہنستی ہوئی واپس جا رہی تھی اور عاصم پہلی بار چند برس آگے ان دنوں کا تصور کر رہا تھا جب وہ کسریٰ کی فوج کے ایک سالار کی حیثیت سے کسی بڑی مہم سے واپس آرہا ہوگا اور کسی خوبصورت محل کے دروازے پر اس کمسن لڑکی کی بجائے ایک عورت اُس کے استقبال کے لئے کھڑی ہوگی ــــ لیکن تھوڑی دیر بعد اُسے یہ حسین تصورات مضحکہ خیز محسوس ہونے لگے ــــ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں پرویز کی فوج میں بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر لوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ کسی خوبصورت محل پر میرا انتظار کرنے والی عورت فسطینہ ہو۔ میں ایک عرب ہوں اور سین کی بیٹی کسی ایرانی شہزادے کی راہ دیکھنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ میں اُسے

اپنے دل میں جگہ دے سکتا ہوں لیکن میری دنیا اُس کے لئے بہت تنگ ہے۔ وہ اُس کی دنیا میں کسی دن میری حیثیت اُن ستاروں سے مختلف نہیں ہوگی جن کی ٹمٹماہٹ طلوعِ آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔"

پھر جب اپنی غریب الوطنی، کم مائگی اور بے بسی کے احساس سے اُس کا دم گھٹنے لگا تو اُس کے دل کی گہرائیوں میں وہ جذبۂ خود پسندی کروٹیں لینے لگا جو زندگی کے ہر امتحان میں ایک بدوی کا آخری سہارا تھا ــــ اب وہ اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا۔ میں اپنے ماضی کو واپس نہیں لا سکتا لیکن مجھے اپنے حال اور مستقبل سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اس دنیا کی راحتیں اُن لوگوں کا خراج ہیں جو تلوار کی نوک سے اپنا راستہ صاف کرتے ہیں اور میں اپنی تلوار پر بھروسا کر سکتا ہوں۔ زندگی میں یہی میرا ایک ایسا دوست اور ساتھی ہے جس نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا ــــ اسی نے میرے لئے سین کے گھر کا دروازہ کھولا ہے اور یہی مجھے آئندہ کے لئے اُس کی دوستی کا مستحق ثابت کر سکتی ہے۔ اپنی قوتِ بازو پر اعتماد کر کے میں ایران کے عالی نسب شہزادوں کے دوش بدوش کھڑا ہو سکتا ہوں۔ اگر یہ لوگ مجھے ایک بہادر آدمی سمجھتے ہیں تو میں انہیں مایوس نہیں کروں گا۔"



ایک دن عاصم فیروز کے ساتھ سیر کو نکلا اور دیر تک جبل الشیخ کی دلفریب وادیوں میں گھومتا رہا۔ شام کے قریب گھر پہنچتے ہی اُسے سین کی آمد کی اطلاع ملی اور اُس نے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے ایک نوکر سے پوچھا۔ "وہ ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں! بالکل ٹھیک!" اُس نے جواب دیا۔ عاصم کوئی اور سوال کئے بغیر آگے بڑھا اور اصطبل کے سامنے گھوڑے سے کود پڑا۔ ایک نوکر نے بھاگ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور عاصم چند ثانیے اُس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے اور تھپکیاں دینے کے بعد زین اُتارنے لگا۔ اچانک اُسے ایک بلند قہقہہ سنائی دیا اور وہ مڑ کر بائیں باغ کی طرف دیکھنے لگا۔ فسطینہ چند قدم دور ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان کے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی اور وہ اُس کی مسکراہٹوں کے جواب میں پوری قوت کے ساتھ ہنسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عاصم کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر فسطینہ آگے بڑھی اور اس اجنبی نوجوان کے کھوکھلے قہقہے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

فسطینہ نے قریب آ کر کہا۔ "اباجان آ گئے ہیں اور انہوں نے آتے ہی آپ کے متعلق پوچھا تھا، آپ نے بہت دیر لگائی ــــ" عاصم نے کہا۔ "میں ذرا دور نکل گیا تھا۔ وہ کہاں ہیں؟"

"اندر سو رہے ہیں۔"

"اور وہ کون ہے؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "یہ ایرج ہے اور ایران کے ایک بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ مدائن میں اس کا گھر ہمارے گھر کے سامنے تھا۔ اس کا باپ اباجان کا دوست تھا۔ یہ آرمینیا کی جنگوں میں دو بار زخمی ہو چکا ہے اور اب لبنان کے محاذ سے اباجان کے ساتھ آیا ہے۔"

ایرج جو تذبذب اور پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔

فسطینہ نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ عاصم ہیں اگر یہ ہماری مدد نہ کرتے تو آج شاید ہم یہاں نہ ہوتے۔"

عاصم نے ایرج کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اُس نے مصافحہ کرنے کی بجائے عاصم کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ گھوڑا بہت خوبصورت ہے۔"

ایک ثانیہ کے لئے عاصم کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر اس کے چہرے میں آ گیا۔ تاہم اُس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "یہ گھوڑا خوبصورت بھی ہے اور شریف بھی اور عرب، گھوڑوں کے ظاہری حُسن کی بجائے اُن کی شرافت کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔"

ایرج نے گھور کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہم گھوڑے کی شرافت کا اندازہ کرنے کے لئے اُس کے سوار کو دیکھتے ہیں۔ اگر ہماری ملاقات اِس گھر کی بجائے کسی اور جگہ ہوتی تو میں اپنے نوکروں سے کہتا کہ اس گھوڑے کو ایک اچھے سوار کی ضرورت ہے۔ اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس کی قیمت کیا ہے؟"

عاصم نے زین اتار کر نوکر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اِس کی قیمت ایک بہادر اور شریف دوست کی مسکراہٹ ہے۔"

فسطینہ جواب تک پریشانی کی حالت میں اُن کی گفتگو سن رہی تھی۔ ایرج سے مخاطب ہو کر بولی۔ "آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ ہمارے گھر میں مہمان اپنے گھوڑے فروخت کرنے آتے ہیں؟"

ایرج کا غرور پریشانی میں تبدیل ہو رہا تھا اور اُس نے اپنی خفت مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے [illegible] مذاق کر رہا تھا فسطینہ! مجھے معلوم تھا کہ یہ عرب اپنے گھوڑے پر جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔"

نوکر گھوڑے کو اصطبل کے اندر لے گیا اور فسطینہ نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔" ابا جان! بہت تھکے ہوئے تھے جب وہ بیدار ہوں گے تو میں انہیں آپ کے متعلق بتا دوں گی۔"

فسطینہ وہاں سے چل پڑی اور ایرج اُس کے ساتھ ہو لیا۔ فیروز نے آگے بڑھ کر عاصم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔" آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ایرج ایک انتہائی مغرور اور بدمزاج نوجوان ہے۔ اور اُس کا غرور بلاوجہ نہیں یہ ایران کے ایک انتہائی بااثر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اگر اُس کے دل میں سین کا احترام نہ ہوتا تو یہ تلخ کلامی آپ کے لئے انتہائی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی تھی۔"

عاصم نے کہا۔" فیروز کیا تم بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ مجھے منہ پر طمانچہ کھا کر مسکرانے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی؟"

فیروز نے جواب دیا۔" نہیں! میں یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ آپ کو ایک اژدہے کے منہ میں ہاتھ دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ کم از کم اُس وقت تک جب تک آپ کے بازوؤں میں اُس کے جبڑے چیرنے کی قوت نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ سین کی پناہ میں تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ ایران میں بہت کم لوگ اُس سے زیادہ بااثر ہیں۔ وہ شہنشاہ کا دوست ہے اور اُس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم ہے کہ آج جبکہ سینکڑوں ایرانی عیسائی ہونے کے شبہ میں موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں۔ بڑے سے بڑا مجوسی پیشوا بھی یہ اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کرتا کہ سین کی بیوی عیسائی ہے۔ لیکن یہی اُس کی ایک ایسی کمزوری ہے جس سے کسی وقت بھی اُس کے دشمن فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ تم اِس بات پر حیران ہو کہ سین روم اور ایران کی لڑائی کا مخالف ہونے کے باوجود خوشی سے محاذ پر چلا گیا تھا۔ لیکن میرے لئے یہ بات کوئی معمّا نہیں میں جانتا ہوں کہ آج اُس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنی بیوی کو شہنشاہ، امراء اور سب سے زیادہ مجوسی کاہنوں کے عتاب سے بچانا ہے۔ اگر تمہیں اُس سے کوئی ہمدردی ہے تو تمہاری کوشش بھی یہی ہونی چاہیئے کہ تمہاری وجہ سے اُس کا کوئی دوست دشمن نہ بن جائے اور ایرج ایک ایسا نوجوان ہے جس کی دشمنی اُس کے لئے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے ـــــ عاصم نے فیروز کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔" میں تمہارا شکر گزار ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری وجہ سے سین کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ [illegible] میں احسان فراموش نہیں ہوں۔"

جب عاصم اور فیروز یہ باتیں کر رہے تھے۔ مکان کے کمرے میں یوسیبیا، ایرج اور اپنی بیٹی کی ناخوشگوار بحث سن رہی تھی۔

فسطینہ کہہ رہی تھی" مجھے یہ توقع نہ تھی کہ آپ اُس آدمی کی توہین کریں گے۔ جس نے اپنی جان پر کھیل کر ہماری عزت بچائی ہے۔ اور آپ کو یہ کیسے خیال آیا کہ وہ گھوڑے پر سواری کرنا نہیں جانتا۔؟"

اور ایرج اُسے مطمئن کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔" فسطینہ! میں اُس سے دل لگی کر رہا تھا اور ایک عرب کو اِس قدر حساس نہیں ہونا چاہیئے تھا۔"

یوسیبیا کچھ دیر اُن کی بحث سنتی رہی بالآخر اُس نے کہا۔" ایرج! وہ ایک غریب الوطن ہے لیکن ہمارا محسن ہے۔ کم از کم تمہیں ہماری خاطر اُس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہیئے تھا۔"

ایرج نے کہا۔" مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اُسے اتنی اہمیت دیتی ہیں۔ بہرحال فسطینہ کو معلوم ہے کہ اُس نے میرے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کی ـــــ اگر ابھی تک اُس کے دل میں کوئی رنجش ہے تو میں جانے سے پہلے اُسے دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

یوسیبیا نے کہا۔" بیٹا! میں تمہاری شکر گزار ہوں اور اب فسطینہ کا گلہ بھی دور ہو جانا چاہیئے۔"

فسطینہ بولی۔" امی جان! مجھے کوئی گلہ نہیں۔"

سین کمرے میں داخل ہوا اور ایرج اور فسطینہ ادب سے کھڑے ہو گئے۔ سین نے اپنی بیوی کے قریب بیٹھتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔" عاصم ابھی تک نہیں آیا؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔" جی! وہ آگیا ہے۔"

"اُسے یہیں بلا لو، بیٹی۔"

فسطینہ باہر نکل گئی اور سین نے ایرج کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔" ایرج! بیٹھ جاؤ! تم کھڑے کیوں ہو؟"

ایرج بیٹھ گیا اور سین نے قدرے توقف کے بعد کہا۔" میں بہت دیر سویا ہوں، تم نے آرام نہیں کیا؟"

"جی! میں نے بھی تھوڑی دیر آرام کر لیا تھا۔"

سین نے کہا۔" میں نے تمہیں عاصم کے متعلق بتایا تھا؟"

"جی ہاں! اور میں ابھی اُس سے ملاقات بھی کر چکا ہوں۔ میرے خیال میں ایسے آدمی کو ہماری فوج میں بھرتی ہونا چاہیئے"

"میں بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ ایک اچھا سپاہی بن سکتا ہے"۔ سین یہ کہہ کر یوسیبیا کی طرف متوجہ ہوا۔ "میرے خیال میں اب تک وہ فارسی میں کافی دسترس پیدا کر چکا ہوگا"۔

"ہاں! وہ بہت ذہین ہے اور اگر اُس کا لب ولہجہ درست ہو جائے تو کسی کو یہ شک بھی نہیں گزرے گا، کہ وہ عرب ہے"۔

سین نے کہا۔ "عربوں کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے اور میں نے کئی ایسے تاجر دیکھے ہیں جو متعدد زبانوں میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکتے ہیں"۔

فسطینہ کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی ماں کے قریب بیٹھ گئی لیکن عاصم تذبذب کی حالت میں دروازے کے باہر کھڑا رہا۔

سین نے فارسی میں کہا۔ "آؤ! عاصم ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

وہ کمرے میں داخل ہوا اور سین کے اشارے پر ایرج کے قریب بیٹھ گیا۔

سین نے کہا۔ "میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ جنگی مہمات سے فارغ ہونے کے بعد میں اطمینان سے تمہارے مستقبل کے متعلق سوچوں گا اور تمہیں یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ جنگ اب ایک فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکی ہے۔ غزہ کے سوا بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل کے تمام قلعے ہمارے قبضے میں آ چکے ہیں اور اب ہماری فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئی ہیں، جہاں دشمن کا سب سے بڑا حصار یروشلم ہے۔ رومی اب اپنی تمام قوت وہاں جمع کر رہے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ یروشلم میں شکست کھانے کے بعد وہ مشرق میں کسی اور محاذ پر ہمارا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں کریں گے اور اس شہر پر قبضہ کرنے کی خواہش پوری ہونے کے بعد ہمارے شہنشاہ بھی شاید جنگ جاری رکھنے میں کوئی فائدہ نہ دیکھیں۔ مجھے صرف ایک رات کے لئے گھر ٹھہرنے کی اجازت ملی ہے اور کل میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہیں کچھ مدت اور یہاں ٹھہرنا پڑے تو تم اداس تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں"۔

فسطینہ کا چہرہ مسرت سے تمتما اُٹھا اور یوسیبیا حیرت زدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگی۔

عاصم نے کہا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو کبھی ضرورت پڑے تو میں آپ کے خیمے پر پہرا دے سکوں"۔

سین نے جواب دیا۔ "تم اپنے دوستوں کے خیموں پر پہرا دینے کے لئے نہیں بلکہ دشمن کے قلعوں پر فتوحات کے پرچم لہرانے کے لئے پیدا ہوئے ہو ۔۔۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن میں تمہارے شجاعت آمیز کارناموں پر فخر کر سکوں گا۔ لیکن اگر تم جنگ سے نفرت کرتے ہو تو تمہیں محض میری خاطر فوج میں شامل ہونے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں تم اچھی طرح سوچ لو"۔

"میں نے بہت سوچا ہے"۔ عاصم نے اطمینان سے جواب دیا۔

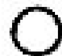
ایرج نے کہا۔ "تمہیں یہ بھی سوچ لینا چاہیئے کہ لڑائی کے میدان میں عزت و ناموری کی طرف ہر قدم کے ساتھ جان کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ میں آرمینیا کی جنگوں میں دو بار زخمی ہو چکا ہوں اور میں نے میدان میں گرنے والے بڑے بڑے سورماؤں کو پانی کے ایک گھونٹ کے لئے ترستے دیکھا ہے"۔

عاصم نے حقارت آمیز تبسم کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ کو میرے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے، میں گرتے وقت آپ سے پانی نہیں مانگوں گا"۔

یوسیبیا نے مغموم لہجے میں کہا۔ "بیٹا! کہیں تمہارے دل میں یہ خیال تو نہیں آیا کہ اس گھر میں تمہاری ضرورت نہیں؟"

"نہیں"۔ عاصم نے جواب دیا۔ "میں صرف یہ سوچتا ہوں کہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے کے بعد مجھ پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں"۔

سین سے کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد عاصم جب باہر نکلا تو وہ ایسا محسوس کرتا تھا کہ اُس کے دل سے ایک بوجھ اُتر چکا ہے۔



اگلے دن طلوع آفتاب سے ایک ساعت قبل عاصم سفر کی تیاری کر چکا تھا۔ نوکر اصطبل کے سامنے گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے۔ لیکن سین اور ایرج ابھی تک باہر نہیں نکلے تھے۔ عاصم کچھ دیر باغ میں ٹہلنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ نوکر ناشتہ لے آیا اور وہ کھانے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد فسطینہ دبے پاؤں کمرے میں داخل

ہوئی اور وہ اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

وہ بولی "مجھے کو ڈر تھا کہ آپ مجھے دیکھے بغیر چلے جائیں گے۔ رات سوتے وقت میرے ذہن میں کئی باتیں تھیں لیکن اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔"

"فسطینہ!" عاصم نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے والدین تمہارا یہاں آنا پسند نہیں کریں گے۔"

وہ مسکرائی "اباجان یہ جانتے ہیں کہ اُن کے بعد آپ سے بڑھ کر میرا اور کوئی محافظ نہیں ہوسکتا اور امی جان کو بھی معلوم ہے کہ میں آپ کو الوداع کہنے آئی ہوں۔ ابھی اُن سے میرا جھگڑا ہوگیا تھا وہ کہتی تھیں کہ آپ کو جنگ سے نفرت ہے اور آپ صرف مجھے خوش کرنے کے لئے جنگ میں حصہ لینے جارہے ہیں۔"

"اور تم نے کیا کہا تھا؟"

"میں نے کہا تھا کہ ایک بہادر انسان جنگ سے خائف نہیں ہوسکتا۔"

عاصم نے کہا۔ "تم واقعی اس سے خوش ہو کہ میں ایران کی فوج میں شامل ہو رہا ہوں؟ تمہاری والدہ عیسائی ہیں اور میرا خیال ہے کہ تمہارا مذہب بھی اُن سے مختلف نہیں۔ مجھے ڈر ہے کل تم بھی مجھے ایک وحشی اور خونخوار انسان نہ سمجھنے لگو۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "میرے والد کسریٰ کے دوست ہیں۔ وہ ایران کے ایک نامور جرنیل ہیں اور میں فتوحات، شہرت اور عزت کے راستے میں اُن کا ساتھ دینے والوں کو وحشی یا خونخوار نہیں کہہ سکتی۔ میں جانتی ہوں کہ جب آپ چلے جائیں گے تو دمشق کا شہر میرے لئے سونا ہو جائے گا لیکن میں یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ آپ اس دنیا میں صرف میرے والد کے رفیق بن کر ہی کوئی قابلِ عزت مقام حاصل کرسکتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ جب کوئی آپ کا ذکر کرے تو میں فخر سے سر اونچا کرسکوں۔ جب آپ فتوحات کے پرچم لہراتے ہوئے واپس آئیں تو میں آپ کے راستے میں پھول نچھاور کروں۔ میرے لئے سب سے بڑی خوشی یہی ہوسکتی ہے کہ ایران میں کسریٰ اور میرے والد کے بعد آپ کا رتبہ سب سے بلند ہو اور میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ تم ایک عرب ہونے کے باوجود ایرج جیسے لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ عزت اور احترام کے حق دار ہو۔"

عاصم نے کہا۔ "فسطینہ! مجھے عزت اور شہرت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم میری قبا پر خون کے چھینٹے دیکھ کر خوش ہوسکتی ہو تو میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ جنگ کے میدانوں میں میری سب سے بڑی تمنا یہی ہوا کرے گی کہ میں کسی دن تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ سکوں۔ لیکن اگر میرے لئے واپسی مقدر نہ ہوئی تو کوئی تمہیں یہ طعنہ نہیں دے سکے گا کہ میں ایک بزدل کی موت مرا تھا۔"

فسطینہ کی آنکھوں میں اچانک آنسو امڈ آئے اور اُس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "نہیں، نہیں، ایسا نہ کہیئے مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد واپس آئیں گے۔ میں آپ کی راہ دیکھا کروں گی۔"

عاصم نے کہا۔ "فسطینہ! تم سین کی بیٹی ہو اور چند سال بعد تمہیں میرے متعلق سوچتے ہوئے بھی ندامت محسوس ہوگی۔ مجھے اس وقت بھی تمہارا یہاں آنا ناقابلِ یقین محسوس ہوتا ہے۔"

فسطینہ نے کہا۔ "آپ وعدہ کیجئے کہ جنگ کے میدان میں بلاوجہ کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "فسطینہ! تمہیں میرے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اس دنیا میں میری زندگی کی کوئی قیمت نہیں۔ اگر تم مجھے اپنے اباجان کی فتوحات میں شریک دیکھنا چاہتی ہو تو مجھے اُن تمام خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو ایک سپاہی کے حصے میں آتے ہیں۔ جنگ کے میدانوں میں میرا خون دوسروں سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا جائے گا۔"

بیلانہ اچانک دروازے کے سامنے نمودار ہوئی اور اُس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "فسطینہ تمہارے اباجان تمہیں بلاتے ہیں۔"

فسطینہ جلدی سے باہر نکلی تو اُسے مکان کے وسطی دروازے کے سامنے اپنے والدین دکھائی دیئے وہ اُن کے قریب پہنچی تو سین نے بگڑ کر کہا۔ "فسطینہ! ہمارے گھر کے حالات دمشق کے راستے کی منزلوں سے مختلف ہیں۔ ایرج کیا خیال کرے گا؟ مجھے عاصم کے ساتھ تمہاری بے تکلفی پسند نہیں۔ تم اندر جاؤ!"

فسطینہ کچھ کہے بغیر اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد سین کمرے میں داخل ہوا تو وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

سین نے آگے بڑھ کر پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "فسطینہ اب تم بچی نہیں ہو۔ مجھے

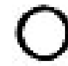
ڈر تھا کہ عاصم ہمارے متعلق کیا خیال کرے گا۔"

فسطینہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے سین کی طرف دیکھا اور کہا "ابا جان مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ بُرا مانیں گے ورنہ میں وہاں نہ جاتی ۔ اب آپ وعدہ کیجئے کہ اُسے میری غلطی کی سزا نہیں دیں گے۔"

"پگلی کہیں کی" سین نے یہ کہہ کر اُسے اپنے سینے سے چمٹا لیا اور پھر اچانک باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد فسطینہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکلی تو وہ بیرونی دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اُس نے یوسیبیا کی طرف دیکھا اور ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "امی جان! میرے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ وہ اس بے بسی کے عالم میں ہمارے در پر پڑا رہے ۔ لیکن اگر وہ واپس نہ آیا تو میں بھی زندہ نہ رہوں گی آپ اُس کے لئے دعا کریں۔"

ماں نے بے اختیار اُسے سینے سے لگا لیا اور کہا "بیٹی! تم جانتی ہو کہ وہ مجھے ایک بیٹے کی طرح عزیز ہے۔"



لبنان کی گل پوش وادیوں میں خون کی ندیاں بہانے کے بعد ایرانی لشکر نے فلسطین کا رخ کیا اور اردن اور گلیلی کے علاقوں میں تباہی مچادی۔

اب ایران اور روم کی جنگ، آگ اور صلیب کے ایک فیصلہ کن معرکے میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مقامی عیسائی اس یقین کے ساتھ اپنے رومی آقاؤں کے دوش بدوش لڑ رہے تھے کہ قدرت نوشیرواں کی طرح اُس کے پوتے کو بھی بیت المقدس سے دور رکھنے میں اُن کی مدد کرے گی۔ جو لوگ ایرانیوں کی پیش قدمی سے دہشت زدہ ہو کر اسکندریہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے اُن کی جگہ شام اور لبنان سے بھاگنے والے وہ پادری اور راہب لے رہے تھے جن کے گرجوں اور خانقاہوں کو ایرانیوں نے آتش کدوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ لوگ عوام کو مفتوحہ شہروں اور بستیوں کے لوگوں کی مظلومیت کی داستانیں سناتے تھے، اور اُن کے مُردہ حوصلوں میں جان ڈالنے کے لئے دینِ مسیح کی فتح و نصرت اور آتش پرست ایرانیوں کی تباہی اور بربادی کی بشارتیں دیتے تھے۔ چنانچہ ایرانی اپنی عسکری برتری کے باوجود قدم قدم پر شدید مزاحمت سے دوچار ہو رہے تھے۔ گرجوں اور خانقاہوں میں اب روحانی برکات کی بجائے

تقسیم ہوتی تھیں اور ہزاروں راہب زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر میدان میں آچکے تھے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ایران کی لاتعداد فوج ارضِ مقدس کے شہروں اور بستیوں کو تباہ و ویران کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس جنگ میں فلسطین کے یہودی جو عیسائیوں کے ازلی دشمن تھے۔ من حیث القوم ایرانیوں کے حلیف بن چکے تھے۔ پرویز اُن کے نزدیک کوئی بیرونی حملہ آور نہ تھا بلکہ ایک ایسا مربی اور سرپرست تھا جسے قدرت نے انہیں نصرانیوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے بھیجا تھا۔ جب فاتح لشکر کسی قصبے یا شہر میں داخل ہوتا تھا تو جنگی قیدیوں اور نہتے عوام کو ٹھکانے لگانے کا کام اس کینہ پرور قوم کے رضاکاروں کو سونپ دیا جاتا تھا جو برسوں سے اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے کسی موقع کا انتظار کر رہی تھی۔ ایرانی لشکر میں خونخوار یہودیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

اردن اور گلیلی کے علاقے فتح کرنے کے بعد پرویز کی فوجیں یروشلم کے گرد گھیرا ڈال رہی تھیں۔ مفتوحہ علاقوں سے جانیں بچا کر بھاگنے والے انسانوں کے بعض قافلے غزہ اور اسکندریہ کا رُخ کر رہے تھے اور بعض یروشلم میں پناہ لے رہے تھے۔

ایرانیوں، یہودیوں اور عراقِ عرب کے جنگجو قبائل کی متحدہ قوت کے سامنے پے در پے شکستیں کھانے کے باوجود یروشلم کے ناقابلِ تسخیر ہونے کے متعلق عیسائیوں کا یقین متزلزل نہ ہوا تھا۔ چاروں طرف سے دشمن کی پیش قدمی کے باعث ان کی رسد اور کمک کے راستے مسدود ہو چکے تھے لیکن وہ مایوس نہ تھے۔ اُن کے بشپ اور راہب انہیں اس قسم کی تسلیاں دے رہے تھے کہ دشمن کا ہر قدم تباہی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ جب وہ یروشلم پر حملہ کرے گا تو قدرت کی ان جانی اور ان دیکھی قوتیں حرکت میں آجائیں گی۔ فلاں راہب نے دینِ مسیح کی نصرت کے متعلق جو خواب دیکھے ہیں وہ غلط نہیں ہو سکتے۔ فلاں بزرگ نے جو پیش گوئی کی ہے وہ درست ثابت ہوگی۔ یروشلم کے بیشتر یہودی پہلے ہی اپنے گھر بار چھوڑ کر ایران کے مفتوحہ علاقوں میں پناہ لے چکے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنہیں فرار ہونے کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ عیسائیوں کے ہاتھوں اپنی قوم کی بد اعمالیوں کی سزا بھگت رہے تھے۔ جو عیسائی دوسرے شہروں سے فرار ہو کر یہاں پہنچے تھے وہ اپنے ساتھ یہودیوں کے بے پناہ مظالم کی ان گنت داستانیں لائے تھے اور اب یروشلم میں یہودیوں کے ساتھ وہی سلوک ہو رہا تھا جو انہوں نے اپنے عیسائی ہمسایوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔

گلیل اور اردن کے چند یہودی جنھیں ایرانیوں نے جاسوسی کے لئے منتخب کیا تھا عیسائیوں کے بھیس میں یروشلم کے اندر داخل ہو چکے تھے اور مقامی لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے طرح طرح کی افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ایک دن گلیل کے کسی عیسائی پناہ گزین نے ایک یہودی جاسوس کو، جو نصرانی راہب کا لباس پہنے تھا پہچان لیا۔ جاسوس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن عیسائی کی چیخیں سن کر چند آدمیوں نے اُس کا پیچھا کیا اور اُسے پکڑ کر مشتعل ہجوم کے حوالے کر دیا۔ تھوڑی دیر میں جاسوس اپنے جرم کی سزا بھگت چکا تھا اور لوگ اُس کی لاش مسخ کر رہے تھے اس کے بعد شام سے پہلے پہلے کئی لوگ جن میں سے اکثر بے گناہ تھے گرفتار کئے جا چکے تھے۔ عوام کو ایک اجنبی کے خلاف مشتعل اور پولیس کو پکڑ دھکڑ پر آمادہ کرنے کے لئے کسی انتہائی غیر ذمہ دار آدمی کا یہ نعرہ کافی سمجھ لیا جاتا تھا کہ فلاں شخص یہودی ہے اور پولیس اذیت رسانی کے ایسے طریقوں سے واقف تھی جو انتہائی معصوم آدمیوں کو بھی اقبالِ جرم پر مجبور کر دیتے تھے ـــــ جب ایک بے گناہ ناقابلِ برداشت جسمانی اذیتوں کے باعث جرم کا اقبال کرتا تو اُسے اپنے ساتھیوں کا نام بتانے کے لئے مزید اذیتیں دی جاتیں۔ پھر اُس کی نشان دہی پر کئی اور بے گناہ آہنی شکنجوں میں جکڑ دیئے جاتے۔ ایرانیوں کی فتوحات کا سیل رواں ہر آن قریب آ رہا تھا اور یروشلم کے محافظوں کی یہ حالت تھی کہ کسی کو کسی پر اعتماد نہ تھا۔

یہودیوں کی طرح عیسائیوں کے اپنے دو فرقے، نسطوری اور یعقوبی جنھیں کلیسا کا باغی خیال کیا جاتا تھا، مدتوں سے ایک انتہائی متعصب اور بے رحم اکثریت کے جبر و تشدد کی چکی میں پس رہے تھے۔ دائمی مصائب نے ان لوگوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسا کا بدترین دشمن بنا دیا تھا۔ جب تک رومی حکومت اور کلیسا کا دبدبہ قائم رہا یہ اقلیتی فرقے طوعاً و کرہاً ان کی وفاداری کا دم بھرتے رہے لیکن جب ایرانیوں کی فتح یقینی نظر آنے لگی تو یہودیوں کی طرح ان لوگوں نے بھی اپنے مستقبل کی ساری امیدیں کسریٰ سے وابستہ کر دیں۔

باب ۱۹

عاصم سین کی رفاقت میں فلسطین کے کئی معرکوں میں حصہ لے چکا تھا۔ جنگ جس کے اچھے اور بُرے پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے وہ اپنے ذہن میں ایک خلجان محسوس کیا کرتا تھا اب اُسے ایک کھیل محسوس ہوتی تھی۔ ایک ایسا کھیل جس سے اُس کی ابتدائی دلچسپی، محبت یا نفرت اور دوستی یا دشمنی کے جذبات سے خالی تھی۔ کسریٰ کی فتح یا قیصر کی شکست کی بجائے اُس کے لئے یہ مسئلہ کہیں زیادہ اہم تھا کہ سین اس جنگ میں حصہ لے رہا ہے اور وہ اُس کا دوست اور ساتھی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ عصبیتیں جنھیں وہ یثرب کی خاک میں دفن کر آیا تھا دوبارہ زندہ ہو رہی تھیں اور سین کے دوست اُسے اپنے دوست اور سین کے دشمن اُسے اپنے دشمن محسوس ہوتے تھے۔ سین ایران کی فتح کے لئے لڑ رہا تھا اور ضمیر کی دبی دبی سسکیوں کے باوجود یہ فتح عاصم کے لئے بھی ایک مقصدِ حیات بنتی جا رہی تھی۔

سین فرصت کے اوقات میں اُسے منظم لڑائی کے طور طریقے سکھایا کرتا تھا ـــــ اور عاصم اپنی خداداد ذہانت کے باعث اُس کی بلند ترین توقعات پوری کر رہا تھا ـــــ سین کو اگر عاصم کے متعلق کوئی بے اطمینانی تھی تو یہ کہ لڑائی کے میدان میں اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لئے اُس کا شوق بسا اوقات ضبط و نظم کے تقاضوں پر غالب آجاتا تھا اپنے وطن میں عاصم نے صرف انتہائی محدود پیمانے پر وہ قبائلی لڑائیاں دیکھی تھیں جن میں فریقین کے پہلوانوں کی انفرادی شجاعت کو ایک فیصلہ کن عنصر سمجھا جاتا تھا لیکن دنیا کی دو عظیم ترین سلطنتوں کے معرکوں میں ہزاروں انسانوں کا اجتماعی نظم و ضبط انفرادی شجاعت سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔

سین کو پانچ ہزار سواروں کی کمان مل چکی تھی۔ وہ پرویز کے انتہائی ہوشیار جرنیلوں میں سے تھا اور عاصم کو ان

منظم جنگوں کے قواعد و ضوابط سکھانے کے لئے اُس سے بہتر اُستاد نہیں مل سکتا تھا۔ فرصت کے اوقات میں وہ عاصم کو اپنے پاس بٹھا لیتا اور کوئی نقشہ کھول کر اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کبھی اُسے کسی گزشتہ لڑائی کے پلان کی خوبیاں یا خامیاں سمجھاتا اور کبھی آئندہ کے لئے صف بندی اور حملے کی مختلف تجاویز پر بحث شروع کر دیتا۔ عاصم کی فطری صلاحیتیں سین کی توقعات سے کہیں زیادہ ثابت ہوئی تھیں اور چند ہفتوں میں اُسے پچاس سواروں کی کمان مل چکی تھی۔ ان سواروں کے لئے یہ بات نئی تھی کہ اُن کا سالار ایک عرب تھا۔ اور ابتدا میں وہ بھی خیال کرتے تھے کہ اس اجنبی کو کسی خدمت کے عوض نوازا گیا ہے۔ لیکن چند معرکوں کے بعد یہ دستہ ساری فوج میں ایک غیر معمولی شہرت و عزت حاصل کر چکا تھا اور اس کا ہر سپاہی اپنے سالار پر فخر کرتا تھا۔ عاصم کی نگاہوں میں ان پچاس سواروں کی حیثیت اپنے قبیلے کے آدمیوں کی سی تھی اور اس کی تمام دلچسپیاں انہیں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ معزز، زیادہ بہادر، فرض شناس اور قابلِ اعتماد ثابت کرنے تک محدود تھیں۔ ایران کے سماج میں زیردستوں اور بالادستوں کا رشتہ بندوں اور آقاؤں کا رشتہ تھا اور فوج کے اندر بھی یہی حالت تھی۔ کہ افسر، جو عام طور پر طبقۂ اعلیٰ سے تعلق رکھتے تھے، اپنے سپاہیوں کو غلاموں کی طرح حقیر سمجھتے تھے لیکن عاصم اپنے سپاہیوں کا غمگسار دوست اور دردمند ساتھی بن چکا تھا اور اپنے دل میں اُن کے لئے وہی شفقت محسوس کرتا تھا جو ایک عرب سردار کے دل میں اپنے قبیلے کے آدمیوں کے لئے ہو سکتی تھی۔ اور یہ لوگ اُس کے اشارے پر جان دیتے تھے پھر جس طرح ایک سردار ہمیشہ اپنے قبیلے کی نگاہوں میں ممتاز رہنا پسند کرتا ہے۔ عاصم بھی اپنی ایک امتیازی شان برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہتا تھا۔

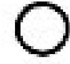
لڑائی کے میدان میں سین کی نگاہیں ہمیشہ اُسے کسی ایسے مقام پر تلاش کرتی تھیں جہاں دشمن کا دباؤ سب سے زیادہ ہوتا تھا۔ اُس کے سپاہی سائے کی طرح، ہمیشہ اُس کے ساتھ لگے رہتے۔

لڑائی کے بعد جب اُس کے تھکے ہارے سپاہی کسی چٹان یا ریت کے ٹیلے پر سستاتے تو وہ بھی اُن کے پاس بیٹھ جاتا۔ وہ اُس کی موجودگی میں بے تکلفی سے باتیں کرتے اور ہنستے بولتے تھے اور وہ اُن کے ہر غم اور ہر خوشی میں شریک ہونا اپنا فرض خیال کرتا تھا۔ سین اس بات پر خوش تھا کہ اُسنے عاصم کے افسردہ چہرے کے لئے مسکراہٹوں کے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔

عرب قبائل کے رضا کار اور اُن کے سردار عاصم کی جرأت و ہمت کے معترف تھے ۔ جب سے انہیں یہ

معلوم ہوا تھا کہ عاصم یثرب کے ایک عرب خاندان سے تعلق رکھتا ہے وہ اُس سے اور بھی بے تکلف ہو گئے تھے۔ فرصت کے اوقات میں وہ عاصم کو تیر اندازی، تیغ زنی اور نیزہ بازی کے مقابلوں میں دعوت دیا کرتے تھے۔ اور وہ نامی گرامی پہلوانوں سے اپنا لوہا منوا چکا تھا۔ چند ہی مہینوں میں عاصم کی مصروفیتوں میں اس قدر اضافہ ہو چکا تھا کہ اُسے اپنے ماضی یا مستقبل کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ فرصت کے اوقات میں، وہ اپنے سپاہیوں سے فراغت پاتا تو کسی عرب قبیلے کے رضاکاروں کی محفل میں جا بیٹھتا۔ تاہم ان تمام دلچسپیوں اور مصروفیتوں کے باوجود جب کبھی وہ اس جنگ میں یہودیوں کے کردار کے متعلق سوچتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ شام اور فلسطین کے حالات یثرب کے حالات سے مختلف نہیں ۔۔۔ وہاں یہودی اوس و خزرج کی دائمی نزاع میں اپنی بھلائی دیکھتے ہیں اور یہاں انہیں روم اور ایران کے شہنشاہوں کی زور آزمائی میں اپنا مفاد نظر آتا ہے۔ یہودی جنگ کے میدان سے عام طور پر دُور رہتے تھے لیکن فتح کے بعد جب بے بس انسانوں پر قوت آزمائی کا موقع ملتا تو وہ سب سے آگے ہوتے تھے ـــــ کبھی کبھی اُن کی وطن دشمنی، شقاوت اور بربریت کے خلاف عاصم کا ضمیر چیخ اُٹھتا لیکن یہ چیخیں جنگ کے ہنگاموں میں دب کر رہ جاتیں۔ وہ ایک ایسے تیز رفتار قافلے کے ساتھ شامل ہو چکا تھا جس کے مسافروں کو اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی فرصت نہ تھی اور وہ ایک ایسا راستہ اختیار کر چکا تھا جس کی منزلیں خون میں ڈوبی ہوئی تھیں، اور یہودی اُس کی تمام نفرت و حقارت کے باوجود اُس کے ہم سفر بن چکے تھے۔ وہ ایک آندھی کے ساتھ اُڑ رہا تھا ایک سیلاب کے ساتھ بہہ رہا تھا اور اب کسی نئے راستے یا منزل کے متعلق سوچنا اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ لطیف اور نازک خیالات صرف اُس وقت پریشان کرتے جب اُسے رات کی تنہائیوں میں سوچنے کا موقع ملتا۔ لیکن اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کا رُخ کرتے وقت وہ صرف ایک سپاہی رہ جاتا تھا۔ آئے دن اُس کے قدر دانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن اُس کی بڑھتی ہوئی شہرت و مقبولیت نے بعض لوگوں میں حسد و رقابت کے جذبات بھی بیدار کر دیئے ـــــ ایرج، سین کی فوج میں ایک ہزار سپاہیوں کا سالار ہونے کے باوجود عاصم کو اپنا حریف سمجھتا تھا ـــــ اُس کے دل میں پہلی ملاقات کی تلخی ابھی تک باقی تھی۔ اور اب وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ عرب جس سے برابر کی سطح پر بات کرنے کے تصور ہی سے اُسے کراہت محسوس ہوتی تھی شہرت اور ناموری کے میدان میں سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ ـ ایرج نے عاصم کو ایک ایرانی دستے کا افسر بنانے کی مخالفت

کی تھی اور اُس کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایرانی ایک عرب کی سرداری قبول نہیں کریں گے لیکن اب وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ ایرانی، جنہیں اُس سے نفرت و حقارت سے پیش آنا چاہیئے تھا، اُس کے پجاری بن چکے ہیں۔



ایک دن پرویز کی فوجیں یروشلم سے چار منزل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے پڑی تھیں کہ اچانک اُسے اطلاع ملی کہ غسانی قبائل کے ایک تازہ دم لشکر نے دفعتاً حملہ کرکے گلیل کے دو شہروں پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور اب یہ لوگ چند میل دُور ایرانی افواج کے عقب میں جمع ہوکر کسی بڑے حملے کی تیاریاں کررہے ہیں۔

غسانی عرب عیسائی تھے اور رومیوں کے طاقتور حلیف خیال کئے جاتے تھے چنانچہ پرویز نے یروشلم پر حملہ کرنے سے پہلے ان کی طرف توجہ دینا ضروری سمجھتے ہوئے کسی توقف کے بغیر سین کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس مہم میں یمن اور عراق عرب کے رضاکار بھی شریک ہوگئے۔ اس لشکر میں ایرانیوں کے علاوہ دو ہزار عرب سوار لخم، تمیم اور دوسرے حلیف قبائل کی نمائندگی کرتے تھے۔ بنو بکر کے پانچ سو سواروں کے ایک قوی ہیکل سردار کا نام حابس تھا اور اُس سے عاصم کی ابتدائی دلچسپی کی وجہ یہ تھی کہ اُس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ روانگی کے وقت سین نے اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ تم بذاتِ خود اس مہم پر جانے کی بجائے، اپنے آدمیوں کی رہنمائی کے لئے کسی اور کو بھیج دو لیکن اُس نے جواب دیا "میرے قبیلے کے آدمی صرف میری موجودگی میں مردانگی کے جوہر دکھا سکتے ہیں اور میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ وہ کسی سے پیچھے رہ جائیں۔" پھر جب ایک شہر کے باہر کھلے میدان میں لڑائی شروع ہوئی تو حابس کے سپاہی پہلے حملے میں ہی دشمن کے قلب تک پہنچ چکے تھے۔ غسانی لشکر نے کچھ دور پیچھے ہٹنے کے بعد پوری قوت سے جوابی حملہ کیا اور اُس کے دائیں اور بائیں بازو کے سواروں نے آگے بڑھ کر حابس کے لئے پیچھے ہٹنے کا راستہ مسدود کردیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر ایرانیوں کا پلہ بھاری نظر آنے لگا اور غسانی دوبارہ پیچھے ہٹنے لگے لیکن حابس کے جانباز ابھی تک اُن کے نرغے میں تھے۔ ایک شدید حملے کے بعد چند ایرانی اور عرب دستے دشمن کا گھیرا توڑ کر آگے بڑھے لیکن اتنی دیر میں حابس کے ڈیڑھ سو آدمی ہلاک اور زخمی ہوچکے تھے۔ وہ خود بھی زخمی تھا اور بڑی مشکل سے گھوڑے پر اپنا

توازن قائم رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اُس کے ساتھی اپنی تلواروں اور نیزوں کی مدد سے دُشمن کو پیچھے ہٹا رہے تھے اچانک ایک غسانی کا نیزہ حابس کے گھوڑے کی گردن پر لگا۔ گھوڑا اُچھلا اور حابس ایک طرف لڑھک گیا۔ اس عرصہ میں عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے علاوہ ایرانی لشکر کے چند اور دستے اس کی مدد کیلئے پہنچ گئے اور انہوں نے دُشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ عاصم نے گھوڑے سے کود کر گرے ہوئے سردار کو اٹھایا اور پلک جھپکتے میں اُسے زین پر ڈال کر اُس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میدان صاف ہوچکا تھا اور عاصم حابس کو ایک خیمے میں لٹا کر اُس کی ران کے زخم پر پٹی باندھ رہا تھا۔

ایک ساعت بعد جب حابس کو ہوش آیا تو سین، ایرج اور چند عرب سردار اُس کے گرد جمع تھے۔ اپنے تیمارداروں سے چند سوال کرنے کے بعد اُس نے پوچھا "اور وہ کون ہے جس نے میری جان بچائی ہے؟"

تمیمی رضاکاروں کے سردار نے عاصم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تمہارا محسن یہ ہے!"

حابس کچھ دیر بغور عاصم کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے احسانمندانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "نوجوان! میرے قریب آؤ۔"

عاصم آگے بڑھا اور حابس نے اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "میں تمہارا شکرگزار ہوں۔"

ایرج نے کہا "تمہیں خودکشی کے لئے میدان میں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ تمہارے بے معنی جوش سے کئی کارآمد آدمی مارے جاچکے ہیں۔"

حابس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور سین نے فوراً مداخلت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "وہ کارآمد آدمی اِس لئے مارے گئے کہ جب حملہ کرنے کی ضرورت تھی تم تذبذب کی حالت میں کھڑے تھے اگر تم بھی عاصم کی طرح فرض شناسی کا ثبوت دیتے تو اُن میں سے اکثر کی جانیں بچائی جاسکتی تھیں۔"

ایرج جسے ہر معاملے میں سین سے دلجوئی اور نازبرداری کی توقع تھی، اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور چند ثانیے بعد جب یہ لوگ جنگ کے واقعات پر گفتگو کررہے تھے وہ اُن کی نگاہوں سے بچتا ہوا دبے پاؤں خیمے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب سین اور دوسرے لوگ حابس کے خیمے سے جانے لگے تو حابس نے سین سے کہا:

آپ تھوڑی دیر ٹھہریئے میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

سین رک گیا اور باقی لوگ خیمے سے باہر نکل گئے۔ عابس نے کہا: "مجھے اس بات کا پورا احساس تھا کہ میں دائیں ہاتھ سے محروم ہونے کے بعد لڑنے کے قابل نہیں رہا لیکن لخمی اور تمیمی سرداروں نے میرے آدمیوں کو بزدلی کا طعنہ دیا تھا اور میں اُن پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ تلوار اٹھائے بغیر بھی میں اپنے آدمیوں کو شیروں کی طرح لڑا سکتا ہوں لیکن آئندہ کچھ عرصے کے لئے میں شاید گھوڑے پر سواری بھی نہ کر سکوں اب میرے آدمیوں کو ایک اچھے راہنما کی ضرورت ہے اور یثرب کا یہ نوجوان، جس نے آج میری جان بچائی ہے، ہر لحاظ سے اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کا اہل ہے۔"

سین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا: "آپ کے قبیلے کے آدمی اس کی قیادت میں لڑنا پسند کریں گے؟"

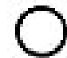
"کیوں نہیں! اُس نے میری جان بچائی ہے اور میرا ہر آدمی اُسے آنکھوں پر بٹھانے کے لئے تیار ہو گا۔ میں نے سنا ہے کہ اپنے قبیلے سے اُس کا رشتہ کٹ چکا ہے اگر وہ پسند کرے تو میں اُسے اپنے قبیلے میں داخل کرنے کو تیار ہوں۔ میں اُسے اپنا بیٹا سمجھوں گا۔"

سین نے مضطرب سا ہو کر اُس کی طرف دیکھا اور کہا: "وہ ایک سپاہی ہے اور ایران کی فوج کے سوا اُس کا کوئی قبیلہ نہیں، میں اُسے رضامند کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ اپنے ایرانی دستے کو چھوڑ کر شاید کوئی بڑے سے بڑا عہدہ قبول کرنا بھی پسند نہ کرے۔"

عابس نے پُر امید ہو کر کہا: "کیا یہ ایرانی دستہ میرے آدمیوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا؟"

سین نے جواب دیا: "یہ ہو سکتا ہے۔ اگر تم اس قدر مصر ہو تو وہ تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ عرب صرف اچھے گھوڑے ہی کو پہچان سکتے ہیں۔"

عابس مسکرایا: "جناب! میں پہلے دن اُس کا گھوڑا دیکھ کر ہی اُس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"



شام کے وقت ایرج، سین کے خیمے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا: "جناب اگر آپ خفا نہ ہوں تو میں کچھ

عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے، تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو؟"

"جناب! مجھے معلوم ہے کہ آپ عاصم کو بہت چاہتے ہیں۔ اور میری بھی یہی خواہش ہے کہ آپ دل کھول کر اُس کی نیکی کا بدلہ دیں لیکن وہ فوج کے نظم و ضبط کی اہمیت قطعاً محسوس نہیں کرتا"

سین نے پریشان ہو کر پوچھا: "اس نے کیا کیا ہے؟"

"جناب! فوج کے کسی چھوٹے یا بڑے عہدہ دار کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس قدر مانوس نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اُس کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے لگیں۔ عاصم دوسروں کے لئے ایک غلط مثال قائم کر رہا ہے۔ آپ ذرا باہر نکل کر دیکھیں اُس کے سپاہی گا رہے ہیں اور وہ اُن کے درمیان زمین پر بیٹھا ہوا ہے۔"

"تمہیں سپاہیوں کا گانا پسند نہیں؟"

"جناب! مجھے یہ شکایت ہے کہ وہ بھی اُن کے ساتھ گا رہا ہے اور اُسے اس بات کا احساس تک نہیں کہ اس قسم کی بے تکلفی سے سپاہیوں کے دل سے اپنے سالار کا رعب اٹھ جاتا ہے۔"

سین نے جواب دیا: "ایک سالار کی کامیابی کا اندازہ اُس کے سپاہیوں کی جرأت اور فرض شناسی سے لگایا جاتا ہے اور ہماری فوج کا کوئی دستہ عاصم کے سپاہیوں سے زیادہ بہادر اور فرض شناس نہیں۔ وہ انہیں کوڑے سے ہانکنا پسند نہیں کرتا لیکن جہاں تک اپنے احکام کی تعمیل کرانے کا تعلق ہے فوج کا کوئی سالار اُس سے زیادہ کامیاب نہیں ——"

ایرج نے پریشان ہو کر کہا: "جناب! ابھی میں اُن کے قریب سے گزر رہا تھا۔ لیکن میرا ادب یا احترام تو درکنار کسی نے میری طرف دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی —— فوج کے دوسرے افسروں کو بھی یہ شکایت ہے کہ اُس کے سپاہی بہت گستاخ ہو گئے ہیں اور وہ کسی کی پروا نہیں کرتے۔ مجھے عربوں کے ساتھ اُس کے میل جول پر کوئی اعتراض نہیں، وہ یوں بھی کسی ضبط و نظم کی پابندی نہیں کرتے لیکن سپاہیوں اور عہدہ داروں کے درمیان یہ بے تکلفی ایرانی فوج کی روایات کے منافی ہے۔"

سین نے تلخی کے لہجے میں کہا: "ایرج! تمہیں فوج میں ایک اہم عہدہ اس لئے دیا گیا ہے کہ تم ایک با اثر باپ کے بیٹے ہو —— لیکن عاصم فطرتاً سپاہی ہے۔ میں نے اُس پر کوئی احسان نہیں کیا۔ وہ گزشتہ لڑائیوں میں اپنے

آپ کو بڑی سے بڑی ذمہ داری کا اہل ثابت کرچکا ہے۔

میں اُس سے تمہاری عداوت کی وجہ نہیں سمجھ سکا تاہم تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ عاصم اب تمہارے ماتحت نہیں رہے گا اور اُس کا طرزِ عمل ان افسروں کو پریشان نہیں کرے گا، جو اپنے سپاہیوں میں عزتِ نفس کے معمولی احساس کو بھی نظم و ضبط کے تقاضوں کے منافی سمجھتے ہیں۔ حابس اپنے قبیلے کے جانبازوں کی قیادت کے لئے اُس کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب تک میں تذبذب میں تھا، میرا خیال تھا کہ میں واپس جا کر کسی اہم عہدے کے لئے شہنشاہ سے اُس کی سفارش کروں گا لیکن اُسے میری سرپرستی کی ضرورت نہیں، آئندہ اگر میرے کسی افسر کو عاصم کے خلاف کوئی شکایت ہو تو اُسے حابس کے پاس جانا چاہیئے میں اُسے ایرانی نہیں بنا سکتا لیکن میں وہ دن دیکھ رہا ہوں، جب تم لوگ اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرو گے۔"

ایرج نے کھسیانا ہو کر کہا "جناب! میں اُس کا دشمن نہیں بلکہ اُس کی جرأت و ہمت کا معترف ہوں میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اُسے ذرا احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔"

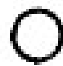
سین نے کہا "ایرج! جاؤ، اب آرام کرو۔ عاصم کو تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ اُس کی دنیا تمہاری دنیا سے مختلف ہے۔"

ایرج انتہائی پریشانی کی حالت میں خیمے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد اپنے خیمے سے کچھ فاصلے پر اُسے عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے قہقہے سنائی دے رہے تھے اور وہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے وہ لوگ اُس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

پرویز کا لشکر یروشلم کا محاصرہ کرچکا تھا۔ چاروں طرف سے رسد و کمک کے راستے بند ہو چکے تھے تاہم شہر کے محافظ جس عزم و ثبات کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ اِس سے قبل شام کے کسی اور شہر میں نہیں دیکھا گیا تھا گرجوں اور خانقاہوں میں دعائیں مانگی جا رہی تھیں، خدا رسیدہ راہبوں کی ہڈیوں سے برکات حاصل کی جا رہی تھیں اور معجزات کا انتظار ہو رہا تھا۔ فریقین کے منجنیق ایک دوسرے پر پتھر برسا رہے تھے۔ ایرانیوں نے کئی بار دبابوں اور سیڑھیوں کی مدد سے فصیل پر حملہ کیا لیکن اوپر سے پتھروں، آتشیں تیروں اور کھولتے ہوئے تیل کے آگے اُن کی پیش نہ گئی۔ یروشلم کے محاذ پر پرویز کی موجودگی اُن کے حوصلے زندہ رکھنے کے لئے کافی تھی۔ ہر راستے کا سالار

اور ہر قبیلے کا سردار شہنشاہِ ایران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیتاب نظر آتا تھا۔

فرزندانِ صلیب کے لئے یروشلم کی حفاظت موت و حیات کا مسئلہ بن چکا تھا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ شکست کی صورت میں انہیں مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن رسد و کمک کے تمام راستے مسدود ہو جانے سے اُن کے حوصلے بتدریج پست ہو رہے تھے۔ پھر ایک دن ایرانی فوجیں پوری قوت کے ساتھ چاروں طرف سے یروشلم پر ٹوٹ پڑیں اور انہوں نے فصیل کے ایک حصے پر قبضہ جمانے کے بعد وہ آہنی دروازہ کھول دیا جو ہلاکت و بربادی کے ایک سیلِ عظیم کو روکے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر بعد فصیل کے ہر بُرج پر صلیب کے جھنڈے سرنگوں ہو چکے تھے اور ایرانی فوجیں مختلف دروازوں سے شہر کے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وحشت اور بربریت کے عفریت انسانیت کے دلدادہ تہذیب و اخلاق کا پیرہن نوچ رہے تھے۔ یہودی رضاکار، جنہیں مدت کے بعد اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کا موقع ملا تھا، لوگوں کے گھروں، گرجوں اور خانقاہوں میں داخل ہو گئے تھے۔ یعقوبی اور نسطوری فرقوں کے عیسائی جو کلیسا کے باغی خیال کئے جاتے تھے۔ اب ایرانیوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر اُن راہبوں اور پادریوں سے صدیوں کے مظالم کا انتقام لے رہے تھے جن کی قبائیں کبھی انکے خون سے داغدار تھیں۔ یروشلم میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ گلیوں اور بازاروں میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ اُن مقدس گرجوں اور خانقاہوں کو لوٹنے کے بعد مسمار کیا جا رہا تھا جہاں صدیوں سے مشرق و مغرب کی دولت جمع ہو رہی تھی۔ راہب اور پادری اُنہی آہنی شکنجوں میں کسے جا رہے تھے جنہیں وہ بدعقیدہ لوگوں کی اصلاح کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ یروشلم میں دینِ مسیح کا سب سے بڑا پیشوا ذکریا گرفتار ہو چکا تھا۔ وہ مقدس صلیب جس پر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے جان دی تھی مجوسیوں کے قبضے میں آچکی تھی۔



یروشلم فتح ہونے تک عاصم صرف ایک سپاہی کے ذہن سے سوچتا تھا۔ محاصرے کے دوران میں وہ اپنی غیر معمولی جرأت کے باعث ایران کے سورماؤں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا تھا۔ آخری حملے کے وقت وہ

اُن جانبازوں کے ساتھ تھا جنہیں سب سے پہلے فصیل کے ایک حصے پر قبضہ کرنے میں کامیابی ہوئی تھی لیکن اب وہ معرکہ، جس میں اُس کے سپاہیانہ جوہر پوری طرح بیدار تھے، ختم ہو چکا تھا اور ہار ماننے والے انسانوں کی مظلومیت اور بے بسی اُسے پریشان کر رہی تھی۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد فاتح لشکر کے سپاہی بے بس انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کر رہے تھے جو عرب کے وحشی قبائل اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا کرتے تھے لیکن عاصم کا دل انتقام کے جذبات سے خالی تھا اور وہ اپنے ساتھیوں کی ترغیب کے باوجود وحشت و بربریت کے گھناؤنے کھیل میں حصہ لینے کے لئے تیار نہ ہوا۔

قتل عام کی پہلی رات وہ چند گھنٹے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں پھرتا رہا۔ اور پھر آدھی رات کے قریب جب اُس کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی تو شہر کے ایک دروازے سے باہر نکلا اور پڑاؤ کی طرف چل دیا۔

راستے میں اُسے اُن سپاہیوں کی ٹولیاں دکھائی دیں جو چیختی چلاتی عورتوں کو گھروں سے نکال کر پڑاؤ کی طرف ہانک رہے تھے۔ عاصم کو یہ چیخیں تلواروں کی جھنکار سے زیادہ خوفناک محسوس ہو رہی تھیں۔ پڑاؤ میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھا اپنے خیمے کی طرف بڑھا۔ چند آدمی جو عرب رضاکاروں کے خیموں اور گھوڑوں کی حفاظت پر متعین تھے اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ لوگ کبھی اپنے ساتھیوں کے متعلق پوچھتے اور کبھی عاصم کے خالی ہاتھ واپس آنے پر حیرت کا اظہار کرتے۔ عاصم کا کوئی جواب انہیں مطمئن کرنے کے لئے کافی نہ تھا۔ اچانک پاس ہی ایک خیمے سے عابس کی آواز سنائی دی۔ "عاصم آ گیا ہے؟"

"جی ہاں" ایک سپاہی نے جواب دیا۔

"عاصم یہاں آؤ" وہ بلند آواز میں چلایا۔

عاصم خیمے کے اندر داخل ہوا۔ وہاں ایک مشعل جل رہی تھی اور عابس ٹانگیں پھیلائے ایک چٹائی پر بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا۔ "میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ لخمی اور تمیمی رئیس اپنے خیموں میں دادِ عیش دے رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھیوں نے مجھے فراموش کر دیا ہے۔ کم از کم شراب کا ایک مشکیزہ ہی تم نے بھیج دیا ہوتا میں نے آج اُن سے مانگ کر لی ہے۔ وہ سب تمہاری بہادری کی تعریف کرتے تھے۔ اور مجھے یقین تھا کہ تم میرے لئے بہترین تحائف لاؤ گے۔"

عاصم نے کہا۔ "میں آپ کے لئے یروشلم کی فتح کی خوشخبری کے سوا اور کچھ نہیں لایا۔"

عابس چند ثانیے حیرت زدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "تم مذاق کر رہے ہو۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم یروشلم کی فتح کے بعد خالی ہاتھ واپس آئے ہو۔"

"میں مذاق نہیں کرتا۔ فتح کے بعد وہاں خون، آنسوؤں اور چیخوں کے سوا کچھ نہ تھا۔"

"میرے آدمی کہاں ہیں؟ کیا وہ بھی تمہاری طرح خالی ہاتھ واپس آ گئے ہیں؟"

"نہیں! وہ ابھی تک وہیں ہیں اور جب وہ واپس آئیں گے تو آپ کو یہ شکایت نہیں رہے گی کہ وہ درندگی کا مظاہرہ کرنے میں کسی سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ لشکر کے شہر میں داخل ہوتے ہی وہ میرے حکم سے آزاد ہو گئے تھے۔"

"تم میرے لئے ایک معما ہو۔ کبھی کبھی مجھے تمہارے عرب ہونے پر بھی شک ہونے لگتا ہے۔ بیٹھ جاؤ! تمہیں اس وقت شراب کی ضرورت ہے۔ اور میرے مشکیزے میں ابھی چند گھونٹ باقی ہیں یہ لو۔"

عابس نے یہ کہہ کر چھوٹا سا مشکیزہ اٹھایا اور عاصم کو پیش کر دیا۔ عاصم کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا پھر اُس نے ایک گہری سانس لی اور مشکیزہ پکڑ کر عابس کے قریب بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ مشکیزہ خالی کر کے ایک طرف پھینک چکا تھا تو عابس نے کہا۔ "میں کہتا تھا کہ تم شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے لیکن میں یہ محسوس کیا کرتا تھا کہ تم صرف ایک سالار کی ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہوئے احتیاط برتتے ہو۔ آج میرا خیال تھا کہ تم یروشلم کے کسی عالیشان مکان پر قابض ہو گے۔ تمہارے سامنے شراب کے مٹکے کھلے ہوں گے اور تمہارے پہلو میں وہ دوشیزائیں ہوں گی جن کے جسم دودھ کی طرح سفید ہوتے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں درست کہتا تھا، میں نے مدت کے بعد شراب کو ہاتھ لگایا ہے۔ جب میں لڑنے نکلا تھا تو میں نے باقی زندگی شراب نہ پینے کا عہد کیا تھا پھر جب میں شام کی حدود میں داخل ہوا تو میں نے یہ عہد کیا تھا کہ تلوار کو بھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا لیکن میری تمام قسمیں ٹوٹ چکی ہیں اب مجھے اپنی کسی بات پر یقین نہیں رہا۔"

عابس نے کہا۔ "تم تنہائی محسوس کر رہے ہو اور تمہارا علاج یہ ہے کہ تمہیں دوبارہ شہر میں بھیج دیا جائے وہاں کی عورتوں کی کمی نہیں جنہیں دیکھ کر تم ماضی کی تلخیاں بھول جاؤ۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں وہاں بے شمار لاشیں دیکھ آیا ہوں، اُن سب کا خون سمیرا کی طرح سُرخ تھا۔

اور جو زندہ تھیں اُن کی آہیں اور چیخیں مجھے سیرا کی آہیں اور چیخیں محسوس ہوتی تھیں۔ کاش! شراب کا نشہ ماضی اور حال کی تمام تلخیوں کو میرے ذہن سے فراموش کر سکتا۔"

حابس نے سوال کیا۔ "سیرا کون تھی؟"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "آپ نے کسی ایسی لڑکی کو دیکھا ہے جس کے چہرے کی روشنی میں آپ کو اپنے بدترین دشمن دوست نظر آنے لگیں۔ جس کی مسکراہٹ آپ کی نفرت کو محبت سے بدل دے۔ جس کے ساتھ آپ کی وفاداری تمام خاندانی اور قبائلی وفاداریوں پر غالب آجائے۔ اور جس کی خاطر آپ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے بزدلی اور غداری کے طعنے سننا گوارا کرلیں۔"

"نہیں" حابس نے پریشان ہو کر جواب دیا۔ "میری رگوں میں ایک عرب کا خون ہے اور کوئی عرب کسی ایسی لڑکی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جس کی محبت اُس کی خاندانی اور قبائلی عصبیت پر غالب آجائے۔"

"تو پھر میں آپ کو یہ نہیں سمجھا سکوں گا کہ سیرا کون تھی اور یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آسکے گی کہ میں اس وقت شہر سے کیوں بھاگ آیا ہوں۔"

حابس نے کہا۔ "تم میرے لئے ایک معمّا ہو۔ لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر تمہیں فتح کی خوشی میں حصہ دار بننے سے نفرت ہے تو تم لڑائی میں کیوں شریک ہوئے تھے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"لیکن مجھے معلوم ہے۔ میں نے پہلے دن تمہیں لڑائی کے میدان میں دیکھا تھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ وہ نوجوان ایک عرب کی طرح لڑتا ہے —— عاصم تم ایک عرب ہو اور مرنا اور مارنا تمہاری سرشت میں ہے۔ تمہاری رگوں میں وہ خون ہے جس کی گردش تلواروں کی روانی سے تیز ہوتی ہے۔ جنگ کے ہنگاموں کے بعد ایک عارضی سکون بعض سپاہیوں کو پریشان کر دیتا ہے لیکن تم بہت جلد ان باتوں کے عادی ہو جاؤ گے۔ آج تم عام لوگوں سے ممتاز رہنے کے شوق میں دشمن کے نیزوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہو، کل تم پورے کے جرنیلوں پر اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کرو گے۔ ہمارا لشکر یروشلم جیسے کئی اور شہروں پر اپنے جھنڈے نصب کرے گا۔ میں نے یروشلم کی فتح کے بعد پہلی مرتبہ تمہیں شراب پیتے دیکھا

... مجھے یقین ہے کہ کسی اور شہر کی فتح کے بعد تمہارے پہلو میں کوئی حسین و جمیل لڑکی بھی دیکھ لوں گا۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ کل میرے احساسات کیا ہوں گے لیکن آج میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں ...ہوش ہو جاؤں اور اُس وقت تک کسی گوشے میں پڑا رہوں جب تک کوئی مجھے یہ پیغام نہ دے کہ وہ جنگ جس کی ہولناکیوں نے مجھے شراب سے مدہوش ہونے پر مجبور کر دیا تھا ختم ہو چکی ہے اور اب اس زمین کو بے بس انسانوں کے خون اور ...نسوؤں سے سیراب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب طاقتوروں کے ہاتھ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر نہیں ...ٹھیں گے۔" عاصم یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" حابس نے سوال کیا۔

"میں کہیں شراب تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ آپ کے مشکیزے سے چند گھونٹ پینے کے بعد میری پیاس میں اضافہ ہو گیا ہے۔" عاصم یہ کہہ کر خیمے سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر پڑاؤ میں گھومنے کے بعد وہ سین کے خیمے میں داخل ہوا۔ سین بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ میں ابھی شہنشاہ سے مل کر آیا ہوں۔ میں نے اُن سے تمہاری کارگزاری کا ذکر کیا تھا وہ بہت خوش تھے۔ آج اُن کے سامنے میرے بعض دوستوں نے بھی تمہاری تعریف کی تھی۔ تم اُن خوش قسمت نوجوانوں میں سے ہو جنھیں انعام کے قابل سمجھا گیا ہے۔ اب تمہیں دو چار دن کے اندر اندر شہنشاہ کی قدم بوسی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں شراب کے چند گھونٹ پینا چاہتا ہوں۔"

سین نے متعجب ہو کر عاصم کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ صراحی بھری ہوئی ہے۔ جتنی چاہو پی سکتے ہو۔ قسم توڑنے کے لئے اس سے بہتر موقع کون سا ہو سکتا ہے؟"

عاصم نے سین کے سامنے بیٹھ کر پاس ہی سونے کی صراحی سے ایک پیالہ بھرا اور اُسے ایک ہی سانس میں پی گیا۔ جب وہ دوسری بار پیالہ بھرنے لگا تو سین نے کہا۔ "عاصم! یہ شراب بہت تیز ہے اور تم مدت کے بعد پی رہے ہو۔"

"میں مدہوش ہونا چاہتا ہوں۔" عاصم نے یہ کہہ کر آن کی آن میں دوسرا پیالہ بھی خالی کر دیا۔ سین اب قدرے مضطرب ہو کر اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عاصم نے تیسری بار صراحی اٹھانے کی کوشش کی تو سین نے جلدی سے

آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔"نہیں۔نہیں۔تم اتنی شراب برداشت نہیں کر سکو گے۔"

"بہت اچھا۔" عاصم نے اُٹھتے ہوئے کہا۔"میں آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گا۔"

سین نے کہا۔"تمہاری ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ تم اس سے پہلے بھی پی چکے ہو"....

"عابس کے مشکیزے میں صرف چند گھونٹ تھے ورنہ میں آپ کو پریشان نہ کرتا۔" عاصم یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا لیکن چند قدم اٹھانے کے بعد گر پڑا۔

سین نے تالی بجائی اور دو پہریدار بھاگتے ہوئے خیمے کے اندر داخل ہوئے۔سین نے کہا۔"اسے اُٹھا کر اس کے خیمے میں لے جاؤ۔لیکن نہیں اسے یہیں ایک طرف لٹا دو۔" پہریداروں نے حکم کی تعمیل کی اور سین انہیں رخصت کر کے عاصم کے قریب بیٹھ گیا۔

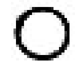
وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا۔"میں بالکل ٹھیک ہوں۔میں بے ہوش نہیں ہوں۔اگر یروشلم کی گلیوں کا خون شراب بن جاتا اور میں اُس کے اندر غوطے لگاتا تو بھی میں مدہوش نہ ہوتا۔"

اگلے دن عاصم گہری نیند سے بیدار ہوا تو سین وہاں نہ تھا۔وہ اٹھ کر آنکھیں ملتا ہوا خیمے سے باہر نکلا اور پہریدار نے ادب سے اُسے سلام کرتے ہوئے کہا۔"آپ بہت دیر سوتے ہیں۔آقا کا حکم تھا کہ آپ کو بیدار نہ کیا جائے۔"

"وہ کہاں ہیں؟"

"وہ علی الصباح شہر چلے گئے تھے۔اگر حکم ہو تو آپ کے لئے کھانا منگوا لیا جائے۔"

"نہیں! اس وقت مجھے بھوک نہیں۔میں ذرا گھومنے پھرنے جا رہا ہوں۔" عاصم یہ کہہ کر ایک طرف چل دیا۔



یروشلم میں تین دن قتل عام جاری رہا۔اور تیسرے دن شہر میں بکھری ہوئی نوّے ہزار لاشوں کے تعفن نے فاتح لشکر کو پڑاؤ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔اس عرصے میں مال غنیمت کے علاوہ ہزاروں قیدی عورتیں جنہیں غلام بنانے کے قابل سمجھا گیا تھا پڑاؤ میں منتقل کی جا چکی تھیں۔

اس کے بعد ایک ہفتہ فتح کا جشن منایا گیا، سرکردہ یہودی نذرانے پیش کرنے اور ایرانی اور عرب قبائل کے جانباز اپنی کارگزاری کے انعامات حاصل کرنے باری باری کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوئے۔عاصم کا انعام ایک خوبصورت تلوار تھی جس کا دستہ قیمتی جواہرات سے مرصع تھا۔

جشن کے اختتام پر جنگی قیدیوں اور مالِ غنیمت سے لدے ہوئے اونٹوں کا ایک قافلہ مسلح دستوں کی حفاظت میں ایران کی طرف روانہ کر دیا گیا۔اور باقی لشکر نئے محاذوں کی طرف کوچ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔وہ طوفان، جس کی شدت نے عاصم کو نڈھال کر دیا تھا، گزر چکا تھا اور اُس کی طبیعت آہستہ آہستہ سنبھل رہی تھی۔ایک رات وہ عابس کے خیمے میں چند عرب سرداروں کے درمیان بیٹھا تھا۔یہ لوگ اپنے اپنے قبیلے کے مشہور شعرا کا کلام سنا رہے تھے۔ایک ایرانی نوجوان خیمے میں داخل ہوا اور اُس نے عاصم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔"سین آپ کو بلاتے ہیں۔"

عاصم اٹھ کر اُس کے ساتھ چل دیا۔تھوڑی دیر بعد وہ سین کے خیمے میں داخل ہوا۔

سین نے اُسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔"عاصم! میں نے تمہیں ایک اہم خبر سنانے کے لئے بلایا ہے مجھے ایشیائے کوچک کے محاذ پر بھیجا جا رہا ہے۔"

"ہم کب جا رہے ہیں؟" عاصم نے سوال کیا۔

"میں پرسوں روانہ ہو جاؤں گا لیکن تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گے۔اب کچھ عرصے کے لئے ہمارے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔" عاصم کا دل بیٹھ گیا اور کوشش کے باوجود اُس کے مُنہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔سین نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"بیٹا! پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں موجودہ حالات میں تمہارے لئے مصر کی طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کے ساتھ رہنا زیادہ سُود مند ہے۔آج شہنشاہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ عرب قبائل کے رضاکار عام طور پر فوجی ضبط و نظم کی پروا نہیں کرتے۔وہ جس قدر بہادر ہیں اُسی قدر خود سر بھی ہیں اور افریقہ میں ہمیں ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں جن میں اُن لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لئے کسی ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی کی ضرورت پڑے۔مہران جسے افریقہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کی قیادت سونپی گئی ہے۔تمہیں اپنے ساتھ لے جانے پر مصر تھا۔وہ یہ کہتا تھا کہ مجھے یثرب کے اس نوجوان کے سوا اور کوئی

نظر نہیں آتا جسے عرب رؤسا متفقہ طور پر اپنا سالار تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اُن کے درمیان اگر کوئی اختلافات پیدا ہوں تو تمہاری آواز فوج کے ایرانی عہدہ داروں سے زیادہ موثر ثابت ہو سکے گی۔

عاصم! مجھے یقین ہے کہ اب تمہیں اپنے جوہر دکھانے کے بہترین مواقع ملیں گے۔ اگر میں تمہیں سامنے جاؤں تو ایشیائے کوچک میں تمہیں صرف ایرانی عہدہ داروں یا اُن ترک قبائل کے سرداروں سے سابقہ پڑے گا جو ہمارے حلیف ہیں لیکن یہ لوگ تمہاری سپاہیانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کی بجائے تمہارے حاسد بن جائیں گے۔ تم وہاں ایک اجنبی سمجھے جاؤ گے لیکن افریقہ کے محاذ پر لڑنے والے عربوں کے راہنما بن کر تم ایرانیوں سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر سکو گے۔ کم از کم ہمارے جرنیلوں میں تمہیں کوئی اپنا رقیب خیال نہیں کرے گا۔

صبح مہران عرب رؤسا کو بلا کر یہ کہے گا کہ تمہیں متفق ہو کر کسی ایک کو اپنا سالارِ اعلیٰ بنا لینا چاہیئے اور مجھے یقین ہے کہ جب وہ کسی غیر جانبدار عرب کو تلاش کریں گے تو اُن کی نگاہیں لامحالہ تمہی پر مرکوز ہوں گی۔ اس کے بعد تمہیں میرے سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ عزت، شہرت اور کامیابی کا کوئی راستہ ایسا نہ ہوگا جسے تم اپنی تلوار کی نوک سے نہیں کھول سکو گے۔"

عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "لیکن مجھے شہرت اور کامیابی کی ضرورت نہیں۔ میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں آیا تھا۔ اور عابس کے آدمیوں کی راہنمائی بھی میں نے صرف اس لئے قبول کی تھی کہ آپ یہ چاہتے تھے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ہمارے راستے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو میں گزشتہ جنگوں میں بہادری کا مظاہرہ کرنے کی بجائے بزدل کہلانا زیادہ پسند کرتا۔"

"عاصم! ہمارے راستے ہمیشہ کے لئے جُدا نہیں ہوئے، مجھے یقین ہے کہ میں کسی دن قسطنطنیہ کے آس پاس تمہارا استقبال کروں گا۔ اور اس وقت جب تم افریقہ سے فتح کے پرچم اڑاتے، میرے پاس آؤ گے تو تمہیں یہ شکایت نہ ہوگی کہ میں نے تمہیں کوئی غلط راستہ بتایا تھا۔ میں کسی دن تمہیں کسریٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھنے والوں کی صف میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اب تم جا کر آرام کرو۔"

عاصم کچھ کہے بغیر اُٹھا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تنہا اپنے خیمے میں لیٹا ہوا تھا اور طرح طرح کے خیالات اُسے پریشان کر رہے تھے۔ "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ سین مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہو؟

...شی ایں اسے یہ سمجھا سکتا کہ مجھے کسریٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھنے کی تمنا نہیں۔ اگر تم یہاں نہ ہوتے تو مجھے روم اور ایران کی جنگوں سے کوئی سروکار نہ ہوتا۔ اس ویرانے میں مجھے اپنے لئے کسی راستے یا منزل کی تلاش نہ تھی۔ مجھے صرف تمہاری رفاقت کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ سب ایک خود فریبی تھی، میں سین کے اشارے پر جان دے سکتا ہوں، لیکن اُس کا رفیق یا دوست نہیں بن سکتا۔ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ جب جنگ ختم ہو جائے گی تو میں سین کے ساتھ دمشق جاؤں گا۔ اور فسطینہ دلفریب مسکراہٹوں کے ساتھ میرا استقبال کرے گی لیکن اب شاید میں اُسے دوبارہ دیکھ بھی نہ سکوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں افریقہ کے محاذ سے زندہ واپس نہ آؤں۔ پھر چند سال بعد شاید اُسے میرا نام بھی یاد نہ رہے۔ جب وہ بڑی ہو جائے گی تو وہ حادثات جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب لے آئے تھے اُسے ایک خواب محسوس ہوں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں کسی دن اُس کے پاس جاؤں اور اُسے یہ کہتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہو کہ میں اسے جانتی ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سین اپنی بیٹی کے مستقبل کے متعلق سوچتے ہوئے یہ ضروری سمجھتا ہو کہ ہمارے راستے آج ہی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں—— جب وہ میرے متعلق پوچھے گی تو وہ یہ کہے گا، بیٹی! اب تمہیں اُس کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہم میں سے نہیں تھا—— اُس نے تمہارے ساتھ ایک نیکی کی تھی اور میں اُس کا بدلہ دے چکا ہوں اب وہ اس قابل ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔" پھر وہ ایک ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح تنکوں کا سہارا لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ جب میں افریقہ کے محاذ پر سین کی بلند ترین توقعات پوری کرنے کے بعد واپس آؤں تو اُس کے گھر کا دروازہ میرے لئے کھلا ہو۔ اور جب میں فسطینہ سے یہ کہوں کہ میری جنگیں، میری فتوحات اور کامیابیاں سب تمہارے لئے تھیں تو وہ شرم و ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے فخر سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھے۔"

دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد عاصم کو نیند آ گئی۔

تیسرے روز علی الصباح دس ہزار سوار ایشیائے کوچک کی طرف کوچ کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ سین اپنے خیمے سے نکلا اور اُس کے دوست، جو اُسے الوداع کہنے کے لئے باہر جمع تھے، یکے بعد دیگرے اُس سے مصافحہ کرنے لگے۔ جب عاصم کی باری آئی تو اُس نے مصافحہ کرنے کی بجائے دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر رکھ دیئے اور کہا "میں ...ستے میں دو دن کے لئے ٹھہروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ فسطینہ کا پہلا سوال تمہارے متعلق ہوگا، تم اُسے کوئی پیغام

دینا چاہتے ہو؟"

عاصم کے ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے جواب دیا "میں اُسے یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ میں کسریٰ کا سپاہی بن چکا ہوں اور اب مجھے کسی کی چیخیں پریشان نہیں کرتیں۔"

سین نے اچانک گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "اگر حالات نے اجازت دی تو ممکن ہے کہ میں کچھ عرصہ تک فسطینہ اور اُس کی والدہ کو اپنے پاس بلالوں ورنہ انہیں مدائن بھجوانے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد تم ہمیں تلاش کر سکو گے۔ میں خود بھی تمہارے حال سے باخبر رہنے کی کوشش کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے مصر کی مہم جلد ختم ہو جائے اور میں تمہیں ایشیائے کوچک کے محاذ پر بلالوں۔"

ایرج اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے سین کے قریب کھڑا تھا۔ عاصم کی نگاہیں تھوڑی دیر کے لئے اُس کے مغرور چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

سین نے قدرے توقف کے بعد آگے بڑھ کر ایک سپاہی کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ لے لی اور اُس پر سوار ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد پڑاؤ میں نقاروں کی صدائیں بلند ہوئیں اور دس ہزار سواروں کا لشکر چار قطاروں میں کسریٰ کی قیام گاہ کے آگے سے گزرنے لگا۔ شہنشاہ ایران فوج کے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کے ساتھ ایک ٹیلے پر کشادہ سائبان کے نیچے کھڑا تھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ سونے کے ایک چوڑے آتش دان میں مقدس آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ مجوسیوں کا بڑا کاہن بلند آواز میں دعا مانگ رہا تھا "اہرمزدہ خسرو پرویز کو جو شہنشاہوں کا شہنشاہ اور دیوتاؤں کا دیوتا ہے فتح دے ــــ اہرمزدہ ہمارے دشمنوں کو تباہ کرے ــــ ہمارے لشکر کے لئے دمشق اور یروشلم کی طرح قسطنطنیہ کے دروازے بھی کھول دے۔"

اور خسرو پرویز کبھی سین کی قیادت میں کوچ کرنے والے سواروں اور کبھی پڑاؤ میں لشکر کے اُن خیموں کی سمت دیکھتا جو چاروں طرف حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ اُس کا مغرور چہرہ زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ آج زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے میرے سوا کوئی نہیں۔ آج ابنائے آدم کی تقدیر میرے

ہاتھ میں ہے۔

عاصم کسریٰ کی قیام گاہ سے کچھ فاصلے پر ایک اور ٹیلے کے دامن میں کھڑا تھا۔ جب سین کا لشکر گرد و غبار کے بادلوں میں روپوش ہو گیا اور نقاروں کی صدائیں فضا میں گم ہو کر رہ گئیں تو وہ نڈھال سا ہو کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ سین کے ساتھ رفاقت کا زمانہ اُسے ایک خواب معلوم ہوتا تھا۔ ایک ایسا خواب جس کی کوئی تعبیر نہ تھی۔ وہ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

حصہ سوم

پیش گوئی

"ا۔ل۔م۔ رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے ہیں۔ اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد وہ چند سال کے اندر پھر غالب آ جائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اُس دن مسلمان اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے، جسے چاہتا ہے۔ وہ غالب اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے اور اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔"

(الرّوم)

باب ۲۰

شام میں ایرانیوں کی فتوحات کے ساتھ آگ اور صلیب کا معرکہ ایک فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکا تھا۔ بلکہ ایران اپنی تلوار کی نوک سے انسانی تاریخ کا ایک نیا ورق اُلٹ چکا تھا۔ مؤرخوں کی نگاہ میں بازنطینی سلطنت کی تباہی کے ظاہری اسباب مکمل ہو چکے تھے۔ لیکن کارکنانِ قضا و قدر کی نگاہیں روم اور ایران کی رزمگاہوں سے سینکڑوں کوس دُور اُس بے آب و گیاہ وادی کی طرف لگی ہوئی تھیں، جہاں کفر اور اسلام کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔

مکہ میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار، جن کے پاس ظاہری اسباب نہ ہونے کے برابر تھے، شرک، جہالت اور گمراہی کی اندھی اور بہری قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہو چکے تھے۔ یہ نور و ظلمت کا معرکہ تھا اور اس کے نتائج کے ساتھ اُن بے بس انسانوں کی تقدیر کا فیصلہ ہونے والا تھا جو صدیوں سے توہمات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور جن کے نزدیک زمانے کی ہر کروٹ بے معنی تھی۔

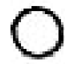
دینِ اسلام اُس ظلمت کدے کا چراغ تھا جہاں انسانیت کا قافلہ تاریکی میں بھٹکنے کا عادی ہو چکا تھا۔ عربوں کے نزدیک اپنے مشرکانہ توہمات اور اپنی جاہل عصبیتوں کے گھروندوں سے باہر زندگی کی کوئی نئی صورت قابلِ قبول نہ تھی۔ اور خدا کی توحید اور انسانی مساوات کا نعرہ جو پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بلند کیا تھا ان کے مشرکانہ عقائد اور ان کی جاہلی عصبیتوں کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ چنانچہ مشرکینِ مکہ جنہوں نے آج تک کسی اجتماعی نصب العین کے لئے اتحاد کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، اسلام کے خلاف پورے عرب کے اتحاد کے متمنی تھے۔ وہ حق پرست جو توحید کے چراغ کی روشنی میں آنکھیں کھولنے کے بعد انہیں نئے راستے اور نئی

منزلیں دکھا رہے تھے اُن کے نزدیک بیرونی حملہ آوروں سے زیادہ خطرناک تھے۔ مشرکینِ مکہ کو اپنی پرانی روش اتنی عزیز تھی کہ توحید و رسالت پر ایمان لانے والے مٹھی بھر انسانوں کی جماعت میں ایک کمزور عورت یا ایک بے بس غلام کا اضافہ بھی انہیں ناقابلِ برداشت محسوس ہوتا تھا۔ عجم میں قیصر کے جرنیل جس قدر سلطنت روما پر ایرانیوں کی یلغار سے پریشان تھے، عرب کے اندر اُس سے کہیں زیادہ قبیلۂ قریش کے اکابر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے عزم و استقلال سے ہراساں تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ روم پر ایران کی فتوحات کسریٰ پرویز کی عسکری قوت اور جنگی وسائل کی برتری کا نتیجہ تھیں اور قریش اپنی تعداد اور قوت کی برتری کے باوجود اپنے مستقبل کے متعلق مطمئن نہ تھے۔ اُن کا مقابلہ ایک ایسے بے سروسامان لشکر سے تھا جس کے امیر کے وجود میں وہ انسانیت کی تمام عظمتیں دیکھ چکے تھے۔ وہ اُس برگزیدہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے جس کی کوئی بات جھوٹی ثابت نہ ہوئی تھی۔ اہل مکہ کے لئے یہ بات معمولی نہ تھی کہ اُن کی طاقت اور دبدبہ، اُن کی ستمگری اور ایذا رسانی کے باوجود محمد عربی ﷺ کے ایک ادنیٰ غلام کا ایمان بھی متزلزل نہ ہو سکا۔

وہ اسلام کی تعلیمات کو جھٹلانے کے باوجود نبی عربی ﷺ کی غیر معمولی شخصیت کے معترف تھے انہیں اس بات کا ملال تھا کہ عبدالمطلب کا پوتا جس کی ہمہ گیر شخصیت قریش کی سب سے قیمتی پونجی ہو سکتی تھی اُن کے صدیوں پرانے معتقدات کے خلاف اعلان جنگ کر چکا ہے۔ مکہ میں خدا کا پہلا گھر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے تعمیر ہوا تھا جہالت اور گمراہی کے ادوار میں ایک بتکدے کی صورت اختیار کر چکا تھا تاہم کعبۃ اللہ سے عربوں کی عقیدت کا رشتہ اب بھی قائم تھا وہ ہر سال حج کے دنوں میں مکہ آتے، کعبے کا طواف کرتے اپنے خاندان یا قبیلے کے بتوں کے سامنے نذریں پیش کرتے انہیں پوجتے اور اُن سے اپنے دشمنوں کے خلاف اعانت کے طلبگار ہوتے۔ اگر ایک بت اُن کی خواہشوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتا تو وہ کسی دوسرے بت سے عبودیت کے رشتے استوار کر لیتے تھے۔ اُن کی بے راہ روی اور بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا بھی معیوب نہ سمجھتے تھے۔

قریش کعبے کے متولی، نگراں اور محافظ تھے اور اس لحاظ سے ایران کے مجوسی کاہنوں کی طرح انہیں بھی عرب کے دوسرے قبائل پر ایک طرح کی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی برتری حاصل تھی۔ حج اُن کے لئے آمدنی

کا ایک اہم ذریعہ تھا اور خانۂ کعبہ کے اندر جمع کئے جانے والے بتوں کے تقدس کا رعب قائم رکھنا وہ اپنا فرض خیال کرتے تھے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے خدا کی توحید کا پرچم بلند کر کے قریش کو چونکا دیا تھا۔ چنانچہ بت پرستی کی حمایت اور اسلام کی مخالفت اُن کے نزدیک اپنی مذہبی رسوم کے تحفظ کے علاوہ ایک اہم اقتصادی مسئلہ بھی تھا۔ وہ اُن بتوں کے خلاف کوئی آواز سننے کو تیار نہ تھے جن کی بدولت انہیں ہر سال اپنے ہمسایہ قبائل سے ایک طرح کا خراج وصول ہوتا تھا۔ پھر مکہ سے باہر بھی عرب قبائل کے چھوٹے اور بڑے حاجت رواؤں کے بُت اور ان کی پوجا کے آداب و رسوم سکھانے والے کاہن موجود تھے اور قریش مکہ کی طرح ان کاہنوں کو بھی یہ گوارا نہ تھا کہ نئے دین کی روشنی مکہ کی تاریک فضاؤں میں اجالا کرنے کے بعد اُن کی مسندوں تک پہنچ جائے۔ چنانچہ توحید کا نعرہ صرف قریش مکہ کی بے راہ روی کے خلاف ہی نہیں بلکہ پورے عرب کی جہالت اور گمراہی کے خلاف ایک اعلان کے مترادف تھا۔ اُن کے کاہن، اُن کے سردار اور اُن کے شاعر اسلام کو ایک اجتماعی خطرہ سمجھ کر متحد اور منظم ہو رہے تھے توحید کا چراغ بجھانے کے لئے جو آندھی چند سال قبل مکہ سے اٹھی تھی اُس کی بھیانک تاریکیاں بتدریج پورے عرب کو اپنی آغوش میں لے رہی تھیں۔



جب شام کی رزمگاہوں میں رومیوں کی سطوت کے پرچم سرنگوں ہو رہے تھے۔ اہل مکہ کے نزدیک دینِ اسلام کی مخالفت، وقت کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ اپنی مشرکانہ رسوم کے باعث وہ عیسائیوں کی بہ نسبت ایران کے مجوسیوں سے زیادہ قریب تھے۔ اس لئے روم و ایران کی جنگ میں اُن کی ساری ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں۔ اس کے برعکس عیسائیوں کا مذہب اپنی حقیقی صورت میں دین اسلام سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا اور اس کے باوجود کہ انہوں نے خدا کی توحید کے متعلق دین مسیحؑ کے بنیادی تصور کو ایک معمّا بنا دیا تھا۔ وحی، رسالت اور آخرت کے متعلق اُن کے عقائد عرب کے مشرکوں یا ایران کے مجوسیوں کے مقابلے میں اسلام سے زیادہ قریب تھے اس لئے ایرانیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی تباہی و بربادی کی داستانیں سن کر مسلمانوں کا آزردہ اور پریشان ہونا ایک قدرتی بات تھی۔

جب شام سے کسریٰ کی فتوحات کی خبریں آتیں تو مشرکینِ مکہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے وہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے اِس قسم کی دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ جس طرح مجوسیوں نے عیسائیوں پر شام کی زمین تنگ کردی ہے اسی طرح ہم بھی تمہارے لئے عرب میں سانس لینا ناممکن بنا دیں گے۔

ایرانیوں کی فتوحات پر مشرکینِ مکہ کے خوش ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عراقِ عرب اور یمن کے بعض قبیلے کسریٰ کے حلیف بن کر اس جنگ میں شریک ہو چکے تھے اور اُن کے وحشیانہ کارناموں کی داستانیں عربوں کے نسلی غرور اور جاہلی عصبیتوں کے لئے تسکین کا سامان مہیا کرتی تھیں۔ ان حالات میں احکم الحاکمین نے اپنے برگزیدہ رسولؐ پر قرآن کی وہ آیات نازل کیں جن میں رومیوں کی فتح کی بشارت دی گئی تھی۔

اگر یہ پیش گوئی صرف روم و ایران سے تعلق رکھتی تو شاید مشرکینِ مکہ اِس قدر دلچسپی کا اظہار نہ کرتے لیکن اس میں مسلمانوں کو بھی فتح کا مژدہ سنایا گیا تھا اور یہ بات اُن کے لئے ناقابلِ یقین اور ناقابلِ برداشت تھی۔ ناقابلِ یقین اس لئے کہ وہ اپنی عقل، سمجھ اور اپنے اندازوں کے مطابق دینِ اسلام کے لئے کامیابی کے تمام راستے بند کر چکے تھے۔ اور ناقابلِ برداشت اس لئے کہ مقہور و مجبور مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت اپنی مظلومیت، اپنی مجبوری اور بے سروسامانی کے باوجود اس پیش گوئی کی صداقت پر ایمان لے آئی تھی۔ اِس حقیقت کے باوجود کہ قریش کے بڑھتے ہوئے مظالم سے تنگ آکر اُن کی ایک جماعت حبشہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکی تھی۔

مسلمانوں کے پاس مشرکینِ مکہ کے اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا کہ تمہارے پاس کامیابی اور فتح کے وسائل کون سے ہیں۔ تاہم اُن میں ایک بھی ایسا نہ تھا جسے اِس پیش گوئی کی صداقت پر یقین نہ ہو۔ وہ اپنے ہادیِ برحق کی نگاہوں سے اپنی منزل دیکھ چکے تھے اور انہیں اِس بات کی کوئی پروا نہ تھی کہ اُن کے راستے میں آلام و مصائب کے کتنے پہاڑ کھڑے ہیں۔

مشرکینِ مکہ اُن کی "سادگی" اور "بے خبری" کا مذاق اڑاتے تھے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ اِن بلاکشانِ محبت کی نگاہیں ظاہری اسباب کی سرحدوں سے آگے دیکھ رہی ہیں اور جس زمین کے کانٹوں سے اُن کے پاؤں چھلنی ہوتے ہیں اُس پر رحمت کے پھولوں کی بارش ہونے والی ہے۔ آج جس دین کی فتح کا تصور ایک مذاق معلوم ہوتا ہے، کل اُسی کی حمایت میں وہ جان کی بازی لگانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ جس چراغ کو آج وہ بجھانا چاہتے ہیں

اُسی کی روشنی سے عرب و عجم کے ظلمت کدے منور ہونے والے ہیں اور جس نازک پودے کو آج وہ جڑ سے کاٹنا چاہتے ہیں اُس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کریں گے ـــــ لیکن وہ کل ابھی دور تھی۔ اس وقت مشرکینِ مکہ شام کی مخالفت سے آگے کوئی بات سوچنے کو تیار نہ تھے۔

ایک دن امیّہ بن خلف، عقبہ بن ابومعیط، عتبہ بن ربیعہ، عاص بن وائل، ابوسفیان اور مکہ کے چند اور زعمائے قریش کے سب سے بڑے سردار ولید بن مغیرہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ مکہ کے عوام کی طرح ان لوگوں کی گفتگو کا موضوع بھی پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم تھی جو اُن کے مشرکانہ عقائد کی نفی کرتی تھی صرف اتنا فرق تھا کہ بے فکرے عوام ہادیِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن پر ایمان لانے والوں کے خلاف اپنے شاعروں اور مسخروں کے طنز و استہزاء پر بے اختیار قہقہے لگایا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ جن کے کندھوں پر قریش کی سیادت کا بوجھ تھا نسبتاً سنجیدگی کے ساتھ اپنے حال کے واقعات اور مستقبل کے مسائل پر غور کر رہے تھے۔

جاہلی غرور انہیں دینِ اسلام کے متعلق کھلے بندوں اُس خوف و اضطراب کے اظہار کی اجازت نہ دیتا تھا جو اُن کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں تھا اور وہ اسے کھوکھلے قہقہوں اور اداس مسکراہٹوں میں چھپانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اس ظاہری احتیاط کے باوجود کسی نہ کسی کی زبان پر کوئی ایسی بات آجاتی کہ اُن کے قہقہے حلق میں اٹک کر رہ جاتے۔

ولید بن مغیرہ کہہ رہا تھا "اگر یہ بات درست ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند سال کے اندر اندر رومیوں کی فتح کے متعلق پیش گوئی کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ اُس کا جادو دیر تک نہیں چلے گا۔ اب تک ہم نے اپنے معبودوں کے خلاف عبدالمطلب کے پوتے کی باتیں برداشت کی ہیں لیکن وہ دن دور نہیں جب اُس پر ایمان لانے والے، مکہ کے چوراہوں میں کھڑے ہو کر اُسے جھٹلائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ایرانی، اہلِ روم کو صفحۂ ہستی سے نابود کئے بغیر دم نہیں لیں گے۔ شام کے حالات سے مکہ کا کوئی اور آدمی ابوسفیان سے زیادہ باخبر نہیں۔ تم انطاکیہ، حلب، دمشق اور یروشلم کی تباہی کا حال سن چکے ہو۔ روم کے عیسائی بھیڑوں کا ریوڑ ہیں جنہیں ایران کے شیروں نے سمندر کی طرف ہانک دیا ہے۔ اور تم عنقریب سن لو گے کہ انہوں نے شام کی طرح مصر میں بھی اُن کے اقتدار کا جنازہ نکال دیا ہے۔ ہمارے قریب وہ ملک جہاں رومیوں کو مغلوب ہونے کے بعد غالب

آنے کی بشارت دی گئی ہے شام کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن یہ پیش گوئی کرتے وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شاید اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ کسریٰ کا لشکر شام پر مکمل فتح حاصل کر چکا ہے اور رومی صدیوں تک دوبارہ اس طرف دیکھنے کی جرأت نہ کریں گے ۔۔۔ لیکن کاش! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ پیش گوئی کی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ جب چند سال بعد رومی مکمل طور پر تباہ ہو جائیں گے اور وہ یہ دیکھے گا کہ اب اُن کے دوبارہ اٹھنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی تو وہ اس پیش گوئی سے صاف انکار کر دے گا۔"

ابوجہل نے کہا "چچا! میں بذاتِ خود اس بات کی تصدیق کر چکا ہوں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے واقعی یہ پیش گوئی کی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مجھے کسی مسلمان کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں لیکن میں کم و بیش دس مسلمانوں سے اس کی تصدیق کر چکا ہوں ۔۔۔ مجھے اس بات پر تعجب نہیں کہ عبدالمطلب کے پوتے نے ایک ان ہونی بات کہی ہے لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ مجھے ایک مسلمان بھی ایسا نہیں ملا جسے اس پیش گوئی کی صداقت میں ذرہ بھر شبہ ہو۔ وہ سب یہی کہتے ہیں کہ اللہ نے اُن کے نبی کو قرآن کی آیات میں یہ بشارت دی ہے اور قرآن کی کوئی آیت غلط نہیں ہو سکتی۔ اُبی بن خلف نے ابوبکرؓ کے سامنے اس آیت کا مذاق اڑایا تھا اور اُسے شرط بدنے کی دعوت دی تھی چنانچہ ابوبکرؓ نے یہ شرط مان لی ہے کہ اگر تین سال کے اندر اندر یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی تو وہ اُسے دس اونٹ دے گا ورنہ اُبی بن خلف کو دس اونٹ دینے پڑیں گے۔"

عتبہ بن ربیعہ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اب ایران کی فتح کو شکست میں تبدیل نہیں کر سکتی لیکن میں حیران ہوں کہ مسلمان ایرانیوں کی شکست کی پیش گوئی سے کیوں مسرور ہیں۔ انہیں اس سے کیا تعلق ہے کہ شام میں کون ہارتا ہے اور کون جیتتا ہے۔"

ابوجہل نے جواب دیا "اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کئی باتیں مشترک ہیں۔ اور جب سے ہم نے انہیں یہ طعنے دینے شروع کئے ہیں کہ جس طرح شام کے عیسائی ایرانیوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کر رہے ہیں اسی طرح ہم بھی تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے اس وقت سے انہیں ہماری طرح ایرانیوں سے بھی دشمنی ہو گئی ہے۔ مکہ میں جب ایرانیوں کی کسی نئی فتح کی خبر آتی تھی تو مسلمانوں کا ردِ عمل دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اسے اپنی شکست محسوس کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن

...وصلے قائم رکھنے کے لئے یہ پیش گوئی کی ہے ۔۔۔ لیکن آپ سب اس بات پر حیران ہوں گے کہ اس پیش گوئی کے بعد ...ن صرف رومیوں کے دوبارہ غالب آنے پر ہی نہیں بلکہ اپنی فتح کے متعلق بھی پُراُمید ہو گئے ہیں۔ قرآن کی جو آیات میں نے ...نی ہیں اُن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ رومیوں کے فتح کے دن مسلمان بھی اپنی فتح پر خوشیاں منائیں گے۔ اب آپ یہ سوچ سکتے ہیں ...د (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو جس دشمن پر فتح حاصل کرنے کے متمنی ہیں وہ کون ہے۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ...روم و ایران کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں اپنے مستقبل کے اُن خطرات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے ...مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے باعث پیش آ سکتے ہیں۔"

حاضرین اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور محفل پر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی ...ری ہو گئی۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے کہا "میرا دانشمند، دور اندیش اور بہادر بھتیجا مسلمانوں کے مسئلے کو ضرورت سے ...ہ وہ اہمیت دینے کا عادی ہو چکا ہے۔ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر بات سننا اور اُسے جھٹلانا اپنا فرض ...مجھ لیا ہے۔ دوسروں کے لئے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے دور رہیں اور ان کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ...کوئی بات نہ سنیں۔ لیکن اس کی اپنی یہ حالت ہے کہ علی الصباح بستر سے اٹھتے ہی اسے سب سے پہلے اس بات ...کی فکر ہوتی ہے کہ آج رات اُس پر کون سی آیت نازل ہوئی ہے ۔۔۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ کہیں ...س پر بھی اُس کا جادو اثر نہ کر جائے۔"

ولید بن مغیرہ ہنس رہا تھا اور حاضرین شرارت آمیز مسکراہٹوں کے ساتھ اُس کے بھتیجے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ابوجہل پاسِ ادب سے کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا لیکن جب حاضرین کی مسکراہٹیں دبے دبے قہقہوں میں تبدیل ہونے لگیں تو وہ اچانک کھڑا ہو گیا۔ عرب کا سارا غرور اس دراز قامت انسان کی نگاہوں میں آ گیا تھا۔ اُس نے بلند آواز میں کہا "چچا! آپ میری باتیں مذاق نہ سمجھیں۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُس کے ماننے والوں سے خوفزدہ نہیں ہوں ۔۔۔ آپ کی طرح میری رگوں میں بھی ولید کا خون ہے۔ عبدالمطلب کے پوتے کا جادو بنو ہاشم کے ...ند افراد پر چل سکتا ہے، مجھے متاثر نہیں کر سکتا۔ اگر قریش کے تمام خاندان، بلکہ پورے عرب کے قبائل بھی مسلمان ہو جائیں تو بھی میں تنہا اُس کا مقابلہ کرنے کی جرأت رکھتا ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں اسلام دشمنی میں سب سے آگے ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُس پر ایمان لانے والوں کو سب سے

زیادہ اذیتیں میں نے پہنچائی ہیں۔ مجھے اس بات پر بھی فخر ہے کہ اس نئے دین کے باعث عرب میں قریش کے مستقبل کو جو خطرات پیش آسکتے ہیں اُن کی طرف سب سے پہلے میں نے توجہ دی ہے۔ آپ مجھے بے حمیت یا بے غیرت ہونے کا طعنہ نہیں دے سکتے۔

لیکن آج سردارانِ قریش میری بات غور سے سُن لیں۔ عرب میں ہماری اہمیت، ہمارا اقتدار اور ہماری عزت صرف اس لئے ہے کہ ہم کعبے کے متولی ہیں۔ ہم کعبے کے اُن تین سو ساٹھ بتوں کے محافظ اور نگہبان ہیں جن کے آگے دور دراز کے قبائل نذریں اور چڑھاوے لے کر آتے ہیں۔ یہ وہ معبود ہیں جن کی بدولت اس بے آب و گیاہ وادی کے باشندوں کو ایسی دولت اور عزت نصیب ہوئی ہے جو عرب کے کسی قبیلے کے حصے میں نہیں آئی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ان معبودوں کا دشمن ہے ـــــ اُس نے یہ کہا ہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوجتے ہو وہ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اب قریش کے کسی فرد کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بس چلا تو وہ ہمارے معبودوں پر ہاتھ ڈالنے سے دریغ کرے گا۔ اور تمہیں اس بارے میں بھی کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ جب اس نئے دین کے ہاتھوں ہمارے معبود شکست کھا جائیں گے۔ جب کعبہ ہمارے بتوں سے خالی ہو جائے گا تو عرب کے اندر قریش کی کوئی اہمیت باقی رہ جائے گی۔ آج مکہ عرب کا مذہبی، تجارتی اور سیاسی مرکز ہے لیکن جس دن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارادے پورے ہو جائیں گے۔ یہ فاقہ کش چرواہوں کی ایک گمنام بستی ہوگی۔ پھر دور دراز کے لوگ یہاں حج کے لئے نہیں آیا کریں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہمارے سینے پر ایک خنجر ہے اور ہمیں اُس وقت کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ خنجر ہمارے دل میں اتر جائے ـــــ اُس نے صرف ہمارے اسلاف کے مذہب کے خلاف ہی بغاوت کا جھنڈا بلند نہیں کیا بلکہ عرب کی اُن تمام روایات کے خلاف آواز بلند کی ہے جو ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ اُس کے نزدیک قریش اور دوسرے عربوں کے بیٹے میں کوئی فرق نہیں۔ وہ غلام اور آقا کو ایک ہی صف میں دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے نزدیک حبشی غلام بھی ہماری ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اُس کے نزدیک انسان کی برتری اور عظمت کا راز اُس کے حسب و نسب میں نہیں بلکہ اعمال میں ہے۔ اُس کی نگاہ میں قریش کے عالی نسب سرداروں کے مقابلے میں ہمارے وہ حقیر لونڈی، غلام افضل ہیں جو اُس کی صداقت پر ایمان لے آئے ہیں۔"

امیہ بن خلف نے ولید بن مغیرہ سے مخاطب ہو کر کہا "جناب! میں آپ کے بھتیجے کو قریش کی ننگی تلوار سمجھتا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ مٹھی بھر مسلمانوں سے اس قدر خائف ہے۔ کیا اسے مطمئن کرنے کے لئے یہ بات نہیں کہ اُن میں سے کئی مکہ چھوڑ کر حبشہ کی طرف بھاگ رہے ہیں؟ کیا یہ ہمیں اتنا کمزور سمجھتا ہے کہ باقی چند آدمی یں بھاگنے کی بھی سکت نہیں ہمیں نگل جائیں گے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہاں مسلمانوں کا کوئی جاسوس د نہیں ورنہ ایسی باتیں سُن کر وہ شیر ہو جاتا۔" ابوجہل نے غصے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا "اُمیہ! ب کسی میدان میں ان لوگوں کا سامنا کرنے کا وقت آئے گا تو تم مجھے بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکو گے ـــــ لیکن دور اندیشی تمہارے نزدیک بزدلی کے مترادف ہے تو میں تمہارے منہ پر ہاتھ نہیں رکھ سکتا ـــــ میری بات ے سنو! ہمارا مقابلہ صرف گوشت خون اور ہڈیوں سے بنے ہوئے انسانوں کے ساتھ نہیں اگر یہ بات ری تو تمہارا غلام بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جسے دہشت زدہ کرنے کے لئے تمہاری پیشانی کی ایک ہلکی سی شکن ی ہونی چاہیئے تھی اس جرأت کا مظاہرہ نہ کرتا۔ تم اُسے اسلام سے منحرف کرنے کے لئے سارے جتن کر چکے ہو۔ تم اُسے جلتے ہوئے پتھروں اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر دیکھ چکے ہو۔ تم نے کوڑے مار مار کر اُس کا چمڑا ادھیڑنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ جب تمہارے ہاتھ تھک جاتے تھے تو تم اُسے مارنے پیٹنے اور گھسیٹنے کے لئے مکہ کے لڑکوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ جسم کی وہ کون سی اذیت ہے جو تم نے اُسے نہیں دی۔"

اُمیہ بن خلف نے کہا "یہ میرا فرض ہے اور جب تک وہ ہار نہیں مانتا میں اُس کے ساتھ یہ سلوک جاری ھوں گا۔ تمہیں میرے غلام کی حمایت میں زبان کھولنے کا کوئی حق نہیں۔"

ابوجہل نے جواب دیا "تمہیں یہ کیسے خیال آیا کہ میں ایک مسلمان کی حمایت کر سکتا ہوں اور وہ بھی ایک غلام کی؟"

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ابوجہل نے جواب دیا "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مکہ کے اندر کوئی ایسا انقلاب آچکا ہے جو میری اور تمہاری نہیں بلکہ ہم سب کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر بنو ہاشم کا کوئی معزز آدمی اپنی خاندانی حمیت سے مجبور ہو کر المطلب کے پوتے کی حمایت پر اُتر آئے تو یہ بات میری سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن اگر وہ ضعیف عورتیں

.. کمزور اور بے بس غلام جنہیں کبھی ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا تھا ہمارے سامنے تن کر کھڑے ہو جائیں تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ میں نے عمارؓ کی ماں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا لیکن جب میری برچھی اُس کے سینے کے پار ہو گئی تھی تو بھی وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھ رہی تھی۔ میں اُس کی نگاہوں میں موت کا خوف دیکھنا چاہتا تھا لیکن مجھے ناکامی ہوئی۔ میں نے زنیرہؓ کو مار مار کر اندھا کر دیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر میں اُس کی کھال ادھیڑ ڈالوں تو بھی وہ اسلام سے تائب نہیں ہوگی ـــــ تم خباب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر دیکھ چکے ہو اور دوسرے مسلمانوں کو جسمانی اذیتیں پہنچانے میں بھی تم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہم کسی انتہائی کمزور اور بے بس مسلمان کو بھی اپنے اسلاف کے دین پر واپس نہیں لاسکے۔

اہلِ عرب نے آج تک کسی ایسے بے بس آدمی کی آقائی قبول نہیں کی تھی جس کے ہاتھ فتوحات اور کامرانیوں کے ظاہری اسباب سے خالی ہوں اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ جب عرب کی گلیوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق اڑایا جائے گا، جب اُس کے راستے میں کانٹے بچھائے جائیں گے اور جب اُس کے لئے کعبے کے اندر داخل ہونا ناممکن بنا دیا جائے گا تو اُس کے پیرو مایوس اور بددل ہو کر اُس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور شاید اپنی بے بسی اور اپنے ساتھیوں کے آلام و مصائب کا احساس ہی اُسے اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دے گا کہ مکہ کی سنگلاخ زمین میں ایک نئے دین کا پودا برگ و بار نہیں لاسکتا۔ لیکن ہماری تمام تدبیروں کا اثر الٹا ہوا ہے ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مرعوب نہیں کر سکے۔ ہم مسلمانوں کو یہ احساس دلانے سے قاصر رہے ہیں کہ تمہارا نبیؐ اُن وسائل سے محروم ہے جو ایک راہنما کی فتح و کامرانی کی ضمانت ہو سکتے ہیں۔

میرے دوستو اور بزرگو! ہم اپنے خاندانوں اور قبیلوں کی عزت کے لئے سینہ سپر ہوا کرتے تھے ہم اپنے گھروں، اپنے مال و دولت، اپنے چشموں اور اپنی چراگاہوں کے تحفظ کے لئے جان کی بازی لگایا کرتے تھے۔ ہم اپنے حریفوں کو مغلوب کرنے اور انہیں لوٹنے کے لئے جنگ کرتے تھے۔ ہم یہ ثابت کرنے کے لئے اپنا خون بہایا کرتے تھے کہ اس زمین پر ہم سے زیادہ کسی اور کو مغرور و متکبر ہونے کا حق نہیں ـــــ دنیا میں کسی کو ہمارے افعال، ہماری قبائلی رسوم اور ہمارے مذہبی عقائد پر نکتہ چینی کا حق نہ تھا۔ ہم صحرا کی آندھیوں کی طرح آزاد تھے

... عبدالمطلب کا پوتا اور عبداللہ کا بیٹا ہمیں زندگی کے نئے آداب سکھانا چاہتا ہے۔ وہ ہماری قبائلی زندگی کی تمام آزادیاں، تمام مسرتیں اور تمام راحتیں سلب کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہمیں مساوات کا درس دیتا ہے تاکہ ہمارا ... غرور خاک میں مل جائے اور ہم دوسرے قبائل پر برتری کا دعویٰ نہ کر سکیں۔ وہ ہمیں صلح اور امن کی دعوت دیتا ہے تاکہ ہماری تلوار زنگ آلود اور ہمارا خون سرد ہو جائے اور جب ہمارے حریف ہمیں مغلوب کرنا چاہیں تو ہمارے اندر مقابلے کی سکت نہ ہو۔ وہ صبر اور قناعت کی تعلیم دیتا ہے تاکہ ہم بھی اُس کی طرح تہی دست ہو جائیں۔ وہ ہمارے بتوں کو جھٹلا کر توحید کا درس دیتا ہے تاکہ ہم اُس کے ایک خدا پر ایمان لے آئیں اور اُسے اس ایک خدا کے نبیؐ کی حیثیت سے اپنا آقا مان لیں۔ اب تک ہم نے ان باتوں کو مذاق سے زیادہ وقعت نہیں دی لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم پوری سنجیدگی کے ساتھ اس صورتِ حال سے نبٹنے کی کوشش کریں۔ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کے لئے اب تک ہم نے جو اقدامات کئے ہیں وہ ناکافی تھے۔"

عتبہ بن ربیعہ نے کہا "تم یہ تسلیم کر چکے ہو کہ تمہاری سختیاں مسلمانوں کو مرعوب یا بددل نہیں کر سکتیں۔ تم اُن کی کھال اتار سکتے ہو لیکن اُن کی روح کی گہرائیوں سے محمدؐ کی اطاعت اور محبت کے جذبات خارج نہیں کر سکتے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اتنی دولت نہیں کہ وہ کسی کو لالچ دے سکے۔ اُس کے پاس کوئی ایسی طاقت بھی نہیں جس کے خوف یا احترام نے مفلوک الحال اور بے بس لوگوں کو اُس کی اطاعت پر مجبور کر دیا ہو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں زندگی کی وہ آسائشیں عطا نہیں کر سکتا جو تمہیں کعبے کے بتوں سے، اطاعت کے بدلے حاصل ہوتی ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ محمدؐ کے پیرو اپنے دین کے معاملے میں تمہاری نسبت کہیں زیادہ مخلص ہیں۔ انہوں نے تمہاری ہیبت اور قوت کے باوجود تمہارے کئی آدمیوں کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا ہے اور تم اُن کی کمزوری اور بے سرو سامانی کے باوجود اُن میں سے ایک کو بھی واپس نہیں لاسکے ہو۔"

عقبہ بن ابو معیط نے جواب دیا "آپ کے سوال کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک جادوگر ہے اور ہم اُس کے جادو کا کوئی توڑ پیش نہیں کر سکے۔"

ابوجہل نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کے جادو کا یہی توڑ ہے کہ ہم اُسے قتل کر دیں مجھے یقین ہے کہ اُن کی موت سے مسلمانوں کی ساری اُمیدیں ختم ہو جائیں گی اور ہمیں یہ زمانہ ایک خواب محسوس ہوگا۔" عتبہ بن ربیعہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے ولید بن مغیرہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ولید مجھے معلوم نہیں کہ محمد سچا نبی ہے یا جادوگر ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ عبدالمطلب کا پوتا ہے اور اُس کا باپ عبداللہ ہم سب سے زیادہ شریف النفس تھا ـــــ اُسے قتل کرنا آسان نہیں۔ اگر تمہارا بھتیجا بنو ہاشم کو بے حمیت سمجھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے۔ اگر تم نے مجھے مشورے کے لئے بلایا ہے تو میرا مشورہ یہ ہے کہ ہمیں یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے ابوطالب کے سامنے پیش کرنا چاہیئے، وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چچا ہے اور بنو ہاشم پر اُس کا بہت اثر ہے۔ اگر ہم نے اُسے اپنا ہم خیال بنا لیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نبٹنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ اگر قریش کے رؤسا ابوطالب کے پاس کوئی وفد بھیجنے پر آمادہ ہوں تو میں اُس کا ساتھ دینے کو تیار ہوں لیکن جہاں تک میرا بس چلے گا میں اپنے خاندان کے کسی فرد کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خون سے ہاتھ رنگنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

ولید نے جواب دیا۔ "مجھے آپ کی تجویز سے پورا اتفاق ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سرداران قریش کی تائید کے بغیر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف کوئی اقدام نہیں کریں گے۔"

ابی بن خلف ہانپتا ہوا کمرے کے اندر داخل ہوا اور اُس نے کسی تمہید کے بغیر بلند آواز میں کہا بھائیو! آپ کو مبارک ہو میں ابوبکر (رض) سے دس کی بجائے سو اونٹ کی شرط بد آیا ہوں۔ ابوبکرؓ خود میرے پاس آیا تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ وہ اپنے وعدے سے منحرف ہونے کے لئے کوئی بہانہ پیش کرے گا۔ لیکن اُس نے آتے ہی کہا کہ میں نے رسول اللہ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھے بغیر تم سے شرط بدی تھی ـــــ لیکن جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ چند سال سے مراد دس سال کا عرصہ ہے یعنی پیش گوئی کے مطابق رومی دس سال کے اندر اندر ایرانیوں پر دوبارہ غالب آ جائیں گے۔ اس لئے تم شرط کی مدت تین سے بڑھا کر دس سال اور اونٹوں کی تعداد دس کی بجائے سو کر دو ـــــ میں نے شرط میں یہ ترمیم منظور کر لی ہے۔ اب میں تین کی بجائے دس سال کے بعد ابوبکرؓ سے شرط جیتنے کی خوشی میں آپ کے لئے ایک شاندار دعوت کا انتظام کروں گا۔"

ابوجہل نے کہا۔ "ابوبکر کو اس بات کا یقین ہے کہ دس سال تک عرب میں کسی مسلمان کا وجود باقی رہے گا؟"

ابی بن خلف نے جواب دیا۔ "بھائی! ابوبکرؓ تو یہ کہتا تھا کہ اسی پیش گوئی کے مطابق جہاں دس سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں پر فتح حاصل کریں گے وہاں مسلمانوں کو بھی ایک شاندار فتح حاصل ہوگی۔"

ولید بن مغیرہ نے پوچھا۔ "شرط بدتے وقت تم نے کسی کو گواہ بنایا تھا؟"

ابی بن خلف نے جواب دیا۔ "مجھے گواہ تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی، ابوبکرؓ بذات خود جگہ جگہ یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں نے یہ شرط بدی ہے۔"

ابوسفیان نے کہا۔ "میری رائے میں ہمیں زیادہ جوش و خروش سے اس خبر کی تشہیر کرنی چاہیئے۔ تاکہ ابوبکرؓ کے لئے منحرف ہونے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے۔"

ولید بن مغیرہ نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ کام مشکل نہیں ہمیں صرف حج اور عکاظ کے میلے میں چند بار اعلان کرنے کی ضرورت ہے اس کے بعد یہ خبر پورے عرب میں مشہور ہو جائے گی۔"

ابوجہل نے بگڑ کر کہا۔ "سرداران قریش تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا ہم دس سال انگاروں پر لوٹ کر روم و ایران کی جنگ کے نتائج کا انتظار کریں گے؟ ۔ اور اس عرصہ میں عبدالمطلب کے پوتے کو ہمارے بھائیوں، دوستوں اور عزیزوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی اجازت ہوگی؟ ۔ کیا ہم اپنے معبودوں کی تضحیک برداشت کرتے رہیں گے۔ کیا ہم ایک ایسے دشمن کی سرگرمیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں گے جو اپنی فتح پر یقین رکھتا ہو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ مسلمانوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اس دین کے باعث ہماری لونڈیاں اور غلام بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہیں؟ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چند سال اور اس بات کی اجازت دو گے کہ وہ اخوت و مساوات کا درس دے کر پورے عرب میں غلاموں، مفلسوں اور ناداروں کو ہمارے دوش بدوش کھڑا کر دے۔"

ایک رئیس نے کہا۔ "ہبل کی قسم! مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ ہم چند مسلمانوں کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں۔ اُن کا حبشہ کی طرف فرار ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اُن کی ہمت جواب دے چکی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ انہیں ڈرانے اور دھمکانے کے لئے اب تک ہم نے جو اقدامات کئے ہیں وہ کافی نہیں۔ لیکن ہاشم کے بیٹے کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا ترکش خالی ہو چکا ہے۔ ابھی تو ہم نے ابتدا بھی نہیں کی۔ اور مجھے

یقین ہے کہ جب ہم اس مسئلے پر سنجیدہ ہو جائیں گے تو ان لوگوں کو روم و ایران کے مسائل کے متعلق سوچنے کی فرصت نہیں ملے گی۔ لیکن میں آپ سے ایک خواست کروں گا اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مسئلہ صرف غلاموں اور ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کا مسئلہ ہی نہیں۔ اب چند با اثر لوگ بھی اُن میں شامل ہو گئے ہیں جنہیں اُن کے خاندانوں میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمیں ان کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے پہلے انہیں سمجھا بجھا کر واپس لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر وہ نہ مانیں تو پھر ہمیں اُن کے رشتہ داروں سے یہ اطمینان حاصل کر لینا چاہیئے کہ یا تو وہ ان کے خلاف ہمارا ساتھ دیں گے۔ ورنہ غیر جانبدار رہیں گے ـــــ مجھے یقین ہے کہ اپنے خاندانوں کی اعانت سے مایوس ہونے کے بعد اُن کے حوصلے زیادہ دیر قائم نہیں رہیں گے۔ پھر اگر تصادم کی صورت پیش آئی تو ہم انہیں ہر وقت کچل سکتے ہیں۔"

حاضرینِ مجلس نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور یہ مجلس برخاست ہوئی۔

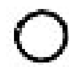
باب ۲۱

یروشلم کی فتح کے چند ماہ بعد غزہ کے سوا شام کے تمام علاقے ایرانیوں کے قبضے میں آ چکے تھے۔ رومی لشکر کے بیش تر دستے جو مختلف محاذوں سے شکست کھا کر بھاگے تھے، غزہ کی محافظ فوج میں شامل ہو چکے تھے اور روم کا جنگی بیڑا سمندر کے راستے انہیں رسد و کمک پہنچا رہا تھا۔ قیصر کی فوج غیر متوقع عزم و استقلال کا مظاہرہ کر رہی تھی اور اس اہم قلعے پر قبضہ کرنے کے لئے ایرانیوں کی متعدد کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ لیکن جب پرویز نے اپنے لشکر کے ایک حصے کو صحرائے سینا کے راستے وادیٔ نیل کی طرف بڑھنے کا حکم دیا تو روم کے جنگی بیڑے کو غزہ کی بجائے اسکندریہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی پڑی۔ اسکندریہ مصر کا دروازہ تھا اور اپنی فوجی، سیاسی اور مذہبی اہمیت کے لحاظ سے، انطاکیہ اور قسطنطنیہ کے سوا رومی سلطنت کا کوئی اور شہر اس کا ہم پلہ نہ تھا۔ شام اور فلسطین سے بھاگنے والے ہزاروں متمول اور با اثر لوگ وہاں پہنچ چکے تھے اور غزہ کی محافظ فوج کے بڑے بڑے عہدہ داروں نے بھی اپنے بال بچوں کو وہاں بھیج دیا تھا۔ بحری بیڑے کی اعانت سے محروم ہونے کے بعد اہلِ غزہ کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ایرانیوں نے چند پے در پے حملوں کے بعد شام کے اس آخری حصار پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ایرانی فوجیں وادیٔ نیل کی اُن قدیم گزرگاہوں کو پامال کر رہی تھیں جن پر چل کر منف اور جیزہ کے اہرام میں ابدی نیند سونے والے فراعنہ کے لشکر بارہا شام و فلسطین کی بستیوں کو آگ اور خون کے جہنم زاروں میں جھونک چکے تھے۔

عاصم مقدمۃ الجیش کے عرب دستوں کے سالار کی حیثیت سے غیر معمولی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ ان بدخصلت انسانوں سے، جو صرف لوٹ مار اور قتل و غارت کے شوق میں ایرانیوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے کسی ضبط و نظم کی پابندی کروانا آسان نہ تھا۔ لیکن عاصم میں ایک فوجی راہنما کی تمام صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اپنی جرأت اور بہادری کے باعث وہ کئی میدانوں میں دادِ تحسین حاصل کر چکا تھا اور عرب موت کو کھیل سمجھنے والے راہنما کا حکم ماننا جانتے تھے۔ غزہ کی فتح کے بعد عباس کے علاوہ کئی اور رؤسا اس اطمینان کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے کہ اُن کے سپاہیوں کی قیادت اور دیکھ بھال کے لئے ایک فرض شناس راہنما اور ایک قابلِ اعتماد دوست موجود ہے۔

سین سے جدا ہونے کے بعد عاصم کی تمام دلچسپیاں اپنے آپ کو ایک کامیاب سپاہی ثابت کرنے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ اُس کے نزدیک اب صرف تلوار ہی ایک ایسی چیز تھی جس کی بدولت چاروں طرف سے دھتکارے ہوئے انسان کو کوئی عزت کی جگہ مل سکتی تھی۔ اور اب یہ سوال اُسے بہت کم پریشان کرتا تھا کہ روم و ایران کی یہ جنگ کن مقاصد کے تحت لڑی جا رہی ہے۔ آگ اور صلیب کے پرستاروں میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ۔۔۔ ایک عرب کو زندہ رہنے کے لئے اپنے گھر اور اپنے قبیلے کی ضرورت تھی اور قدرت نے اُسے اس نعمت سے محروم کر دیا تھا۔ اب اُس کا قبیلہ وہ سپاہی تھے جو اُس کی کمان میں لڑ رہے تھے انہی کے تعاون سے وہ کسریٰ کے جرنیلوں کے دوش بدوش کھڑا ہو سکتا تھا اور انہی کی کامیابیاں اُس کے لئے اس نئے ماحول میں کوئی عزت کا مقام حاصل کر سکتی تھیں۔ چنانچہ اپنے سپاہیوں کے لئے اُس کے دل میں وہی جذبات تھے جو ایک سردار کے دل میں اپنے قبیلے کے لئے ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھی وحشت و بربریت کے دل خراش مناظر دیکھ کر اُس کا ضمیر چیخ اٹھتا لیکن زندگی سے وابستہ رہنے کی خواہش اُن لطیف دھڑکنوں پر غالب آ جاتی جو اُس کے نزدیک کبھی دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ اہم تھیں۔



ایک شام کسریٰ کی فوج کے ہراول دستے بابلیون کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے اور

چند دن بعد یہ قدیم شہر، جس کے ایک ایک پتھر پر مصر کی عظمتِ رفتہ کی داستانیں نقش تھیں، فتح ہو چکا تھا۔ وہاں اس کی گلیوں اور بازاروں میں فاتح لشکر کے سپاہیوں کے نعرے اور مفتوحہ قوم کے بیٹوں اور بیٹیوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ بند مکانوں کے دروازے توڑے جا رہے تھے۔ اور وہ لوگ جنہیں غلامی کے قابل سمجھا جاتا تھا بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر شہر سے باہر قیدیوں کے کیمپ میں جمع کئے جا رہے تھے۔

ایک دن ایرانی فوج کے اعلیٰ عہدہ دار بابلیون کے شاہی محل کے ایک کشادہ کمرے میں جمع ہو کر آئندہ پیش قدمی کے متعلق سپہ سالار کے احکام کا انتظار کر رہے تھے۔ سپہ سالار، جس کی بلند ٹوپی بیش قیمت جواہرات سے مزین تھی، کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ "شہنشاہ نے اسکندریہ کی طرف بلاتاخیر پیش قدمی کا حکم دیا ہے۔ تم کل تک یہاں آرام کر سکتے ہو۔ پرسوں علی الصباح ہم اسکندریہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ رومی اسکندریہ کو اپنا آخری حصار سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہماری آمد سے پہلے ہی وہ بابلیون خالی کر کے وہاں پہنچ گئے ہیں۔ رومیوں کی جو فوجیں شام میں شکست کھا کر وہاں سے بھاگی تھیں وہ بھی اسکندریہ پہنچ چکی ہیں اور ہم انہیں مزید تیاریوں کا موقع دینا نہیں چاہتے۔ ویسے بھی ہمیں بابلیون میں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ مصریوں نے صرف چند رومیوں کو اپنے گھروں میں چھپا رکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہم کل تک اُن سب کو گرفتار کر لیں گے۔ اس کے بعد اہلِ شہر کو مغلوب رکھنے کے لئے ہمارے چند دستے کافی ہوں گے۔ آئندہ آٹھ پہر تک بابلیون تمہارے رحم و کرم پر ہے لیکن دوپہر تک قباد کے دستوں کے سوا باقی تمام فوج کو پڑاؤ میں جمع ہو جانا چاہیئے۔"

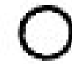
قباد ایک عمر رسیدہ جرنیل تھا اُس نے پریشان ہو کر کہا۔ "جناب آپ کا مطلب ہے کہ میں اسکندریہ نہیں جاؤں گا؟"

"نہیں! شہنشاہ نے تمہیں بابلیون کی حکومت سنبھالنے کا حکم دیا ہے۔" یہ کہہ کر سپہ سالار ایک اور جرنیل کی طرف متوجہ ہوا۔ "مہران! تمہیں ایک بڑی مہم سونپی گئی ہے۔ تم یہاں سے طیبہ کی طرف پیش قدمی کرو گے۔ شہنشاہ والا تبار کا حکم ہے کہ جنوب میں مصر کی آخری حدود تک ایران کے جھنڈے گاڑ دیئے جائیں۔ دریائے نیل تمہاری راہنمائی کرے گا اور مجھے یقین ہے کہ تم حبشہ کی سرحدیں عبور کئے بغیر واپس نہیں آؤ گے۔"

مہران نے کہا "جناب! مجھے فخر ہے کہ میرے آقا نے مجھے اِس خدمت کا اہل سمجھا ہے۔"

سپہ سالار نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ مصر کے لوگ راستے میں کسی جگہ مزاحمت نہیں کریں گے تاہم تمہیں ایسے سپاہیوں کی ضرورت ہے جو اس انتہائی گرم علاقے میں ایک طویل سفر کی کلفتیں برداشت کر سکتے ہوں۔ اس لئے عرب قبائل کے رضاکار تمہارے ساتھ جائیں گے۔ چند ماہ قبل مجھے اُمید نہ تھی کہ یہ لوگ جو صرف لوٹ مار کے لئے ہمارے ساتھ آئے ہیں کسی کٹھن اور صبر آزما مہم میں بھی کام آ سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں عاصم کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اِس نے ضبط و نظم کے معاملے میں اِن لوگوں کو ایرانی سپاہیوں کے لئے بھی ایک نمونہ بنا دیا ہے۔ اگر تم بھی سین کی طرح اِس نوجوان کی ناز برداری کر سکے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اس مہم میں تمہارے لئے بہترین ساتھی ہوگا۔ میں عاصم کو بھی اس مہم کی اہمیت کا احساس دلانے کی کوشش کروں گا۔"

سپہ سالار نے باقی جرنیلوں کو بھی یکے بعد دیگرے ضروری ہدایات دیں اور مجلس برخاست ہوگئی۔



غروب آفتاب سے ایک ساعت قبل عاصم بابلیون کی ایک کشادہ گلی سے گزر رہا تھا۔ سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں باقی شہر کی طرح یہاں بھی لوٹ مار کر رہی تھیں۔ اچانک ایک عرب نے پیچھے سے آواز دی اور عاصم مُڑ کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ عرب تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اُس کے قریب پہنچا اور اُس نے کہا "میں دیر سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ پڑاؤ سے معلوم ہوا کہ آپ قیدیوں کے کیمپ دیکھنے گئے ہیں۔ وہاں سے پتا چلا آپ شہر کی طرف آ گئے ہیں۔ ہمارے چند اور آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کسی مکان کا دروازہ بند کئے سو رہے ہوں گے۔"

عاصم نے کہا "کیا بات ہے تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

عرب نے کہا "سپہ سالار کا آدمی یہ حکم لے کر آیا تھا کہ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے۔"

عاصم کچھ کہے بغیر اُس کے ساتھ ہولیا۔ کچھ فاصلے پر چند آدمی ایک مکان کے بند دروازے کے

سامنے شور مچا رہے تھے۔

عرب نے کہا "جناب یہ یہودی ہیں اور خاصی دیر سے دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے، یہاں سے گزرتے ہوئے، اُن سے کہا تھا کہ تم دروازے پر زور آزمائی کرنے کی بجائے دیوار پھاند کر اندر کیوں نہیں چلے جاتے تو انہوں نے کہا کہ یہ مکان رومیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

عاصم نے کہا "مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ دروازہ توڑنے کے بعد بھی مکان کے اندر پاؤں رکھنے سے پہلے اس بات کا اطمینان ضرور چاہیں گے کہ وہاں نہتے مصریوں کے سوا اور کوئی نہیں۔"

اچانک ساتھ والے مکان سے ایک قوی ہیکل ایرانی کندھے پر شہتیر اٹھائے نکلا اور یہودی خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ چند نوجوان ایرانی کے ساتھ شامل ہو گئے اور شہتیر کو سہارا دے کر، بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔ مضبوط دروازہ شہتیر کی پہلی ہی ضرب سے ٹوٹ گیا اور یہ لوگ ایرانی کے پیچھے، خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے، اندر داخل ہوئے۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ چیختے چلاتے الٹے پاؤں باہر کی طرف بھاگنے لگے سب سے آخر میں ایرانی اپنی تلوار پر ایک دراز قامت رومی نوجوان کے وار روکتا ہوا باہر نکلا۔

عاصم اور اُس کا ساتھی یہ دلچسپ تماشا دیکھنے کے لئے رک گئے۔ خوش وضع رومی نوجوان کا ایک بازو گلے سے بندھا ہوا تھا اور سر پر خون آلود پٹیاں بھی اُس کے زخمی ہونے کی گواہی دے رہی تھیں۔ تاہم اُس کے تیور یہ بتا رہے تھے کہ وہ موت سے پہلے ہار نہیں مانے گا۔

عاصم کے ساتھی نے کہا "جناب! میں نے بہت کم رومیوں کو اس طرح لڑتے دیکھا ہے۔ یہ ایرانی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اگر اجازت ہو تو میں آگے بڑھوں۔"

عاصم نے جواب دیا "نہیں، نہیں تم یہیں کھڑے رہو۔"

قوی ہیکل ایرانی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ چند قدم پیچھے ہٹنے کے بعد وہ چلانے لگا۔ "بزدلو! کیا دیکھتے ہو؟ یہ اکیلا ہے۔ تم بھیڑوں کی طرح کیوں بھاگ رہے ہو؟"

چند یہودی نوجوانوں نے آگے بڑھ کر رومی کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن اُس نے اچانک دائیں طرف حملہ کر کے دو آدمیوں کو زخمی کر دیا اور پھر بائیں طرف ٹوٹ پڑا۔ اب یہودی کئی گز دور ہٹ کر چیخنے

کی بجائے صرف شور مچانے پر اکتفا کر رہے تھے ——— ایرانی انہیں گالیاں دیتا ہوا دوبارہ اپنے حریف کے سامنے آ گیا لیکن انتہائی جوش و خروش کی حالت میں چند وار کرنے کے بعد وہ دوبارہ پیچھے ہٹنے لگا۔

عاصم نے اپنے ساتھی سے کہا "اب یہ بیوقوف مارا جائے گا۔ اگر یہ سب یہودی قتل ہو جاتے تو میرے لئے پریشانی کی کوئی بات نہ ہوتی لیکن یہ ایرانی ہے اور میری موجودگی میں اس کا ایک رومی کے ہاتھوں مارا جانا مناسب نہیں۔"

عاصم کے ساتھی نے کہا "جناب! مجھے اجازت دیجئے۔"

"نہیں! تم اُس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔" عاصم نے یہ کہہ کر تلوار نکال لی۔

اتنی دیر میں رومی نے پے در پے چند وار کئے اور ایرانی اپنے بازو پر زخم کھانے کے بعد اُلٹے پاؤں بھاگتا ہوا پیٹھ کے بل گر پڑا۔ رومی نے اُس پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے لئے تلوار بلند کی لیکن عاصم بجلی کی سی تیزی سے کود کر اُس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ رومی کے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ عاصم پر چند وار کرنے کے بعد اُس کی برتری کا اعتراف کرتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔

عاصم نے کہا "تم بہادر معلوم ہوتے ہو لیکن زخمی ہو اگر ہتھیار پھینک دو تو ممکن ہے کہ میں تمہاری جان بچا سکوں۔"

رومی نے جواب دیا "میں جانتا ہوں۔ تم مجھے قتل کرنے سے پہلے خالی ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو، لیکن تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو گی۔"

"میری یہ خواہش نہ تھی کہ جنگ کے بعد کوئی میرے ہاتھوں مارا جائے لیکن تم بہت بدقسمت ہو۔"

عاصم نے یہ کہہ کر پے در پے چند وار کئے اور رومی، جس کی قوتِ مدافعت ہر لحظہ جواب دے رہی تھی اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہوا دروازے میں پہنچ گیا۔ اچانک اُسے دہلیز کی ٹھوکر لگی اور وہ لوٹتے ہوئے کواڑ پر گر پڑا۔

عاصم نے اُس کے سینے پر اپنی تلوار کی نوک رکھتے ہوئے کہا "تم جیسے نوجوان کو موت سے اتنی محبت نہیں ہونی چاہئے۔"

اچانک صحن سے نسوانی چیخیں بلند ہوئیں "مجھے چھوڑ دیجئے، اباجان! مجھے چھوڑ دیجئے۔ میں اُس کے

... تو مرنا چاہتی ہوں۔ اباجان! خدا کے لئے۔"

عاصم نے نگاہ اٹھائی سامنے ایک نوجوان لڑکی ایک عمر رسیدہ شخص کی گرفت سے آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ ایک ثانیہ کے لئے عاصم کی نگاہیں عمر رسیدہ آدمی پر مرکوز ہو کر رہ گئیں اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا وہ ایک خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ فرمس تھا۔ نوجوان لڑکی، جس کے ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر تھا، اچانک اُس کی گرفت سے آزاد ہو کر آگے بڑھی اور اُس نے عاصم پر حملہ کر دیا۔ لیکن عاصم نے بائیں ہاتھ سے اُس کی کلائی پکڑ لی اور وہ اُس کی آہنی گرفت میں جیسے بے بس ہو کر رہ گئی۔ رومی نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے دوبارہ اپنی تلوار کی نوک اُس کے سینے پر رکھ دی اور فرمس کی طرف دیکھ کر چلایا "فرمس! میں عاصم ہوں، وہ غریب الوطن، جسے تم نے اپنی سرائے میں پناہ دی تھی۔ اب باتوں کا وقت نہیں، اگر تم اس نوجوان کی جان بچانا چاہتے ہو تو اسے سمجھاؤ کہ یہ بے حس و حرکت یہیں پڑا رہے ورنہ اُن لوگوں کے اندر آجانے کے بعد میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

عاصم کا ساتھی بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور اُس نے پوچھا "آپ ٹھیک ہیں نا؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم دروازے کے باہر کھڑے رہو اور کسی کو مکان کے قریب نہ آنے دو ——— یہ لوگ ہماری پناہ میں ہیں۔" عاصم یہ کہہ کر باہر نکلا تو گلی میں ایک اور تماشا ہو رہا تھا ——— ایک عمر رسیدہ آدمی جو اپنے لباس سے یہودیوں کا مذہبی پیشوا معلوم ہوتا تھا، گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا تھا "اندر مت جاؤ! یہ مکان رومیوں سے بھرا ہوا ہے۔ بھاگو! فوج کو اطلاع دو! جلدی کرو، ورنہ وہ بیوقوف جو اکیلا اندر چلا گیا ہے مارا جائے گا۔ خدا کے لئے جلدی کرو۔ تم کیا دیکھ رہے ہو۔"

قوی ہیکل ایرانی دانت پیستا ہوا اُٹھا اور آگے بڑھ کر عمر رسیدہ یہودی کو چند تھپڑ رسید کر دیئے پھر اُس کی داڑھی پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا "بزدل آدمی! تم شور مچانے کی بجائے انہیں آگے بڑھنے کا مشورہ کیوں نہیں دیتے ہو؟"

عاصم نے آگے بڑھ کر کہا "یہ لوگ ایرانیوں کا خون اپنے خون سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھتے۔ تمہیں ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ میں یہاں آ نکلا ورنہ اُس رومی کی تلوار تمہاری شہ رگ تک پہنچ چکی تھی۔ اُس نے زبردستی ایک بے بس مصری کے گھر پر قبضہ کر رکھا تھا۔ بہرحال وہ اپنے کئے کی سزا پا

چکا ہے۔ اب ہمیں تمہارے زخم کی فکر کرنی چاہیئے۔ عاصم نے آگے بڑھ کر ایک یہودی کی کمر سے ریشمی پٹکا کھولا اور اُسے پھاڑ کر ایرانی کے بازو پر پٹی باندھ دی۔

ایرانی نے کہا "میں آپ کا شکر گزار ہوں اور آئندہ میں کبھی یہودیوں کا اعتبار نہیں کروں گا۔ یہ لوگ صرف مُردوں کی لاشیں مسخ کر سکتے ہیں۔"

عاصم نے کہا "میں بہت تھکا ہُوا ہوں اور میرا خیال ہے کہ پڑاؤ میں جانے کی بجائے اسی مکان میں آرام کر لوں۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو کسی اور گھر کا راستہ دکھا دیں۔"

"جناب! آپ اندر جا کر اطمینان سے آرام کریں۔ میں ان سے نبٹ لوں گا۔" یہ کہہ کر ایرانی یہودیوں کی طرف متوجہ ہُوا "تم سب یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ میں اپنے سپاہیوں کو بلاتا ہوں وہ تمہارے سر کاٹ کر دریائے نیل میں پھینک دیں گے۔"

یہودی ایک ایک کر کے وہاں سے کھسکنے لگے لیکن چند نوجوان تذبذب کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

ایرانی بلند آواز میں چلایا "اہرمزدہ کی قسم! میں تمہاری گردنیں اڑا دوں گا۔ کیا دیکھ رہے ہو؟ بھاگ جاؤ!" آن کی آن میں گلی خالی ہو گئی۔

عاصم نے کہا "اب تمہیں چاہیئے کہ سیدھے پڑاؤ میں جا کر اپنا زخم کسی طبیب کو دکھاؤ۔ مجھے ڈر ہے کہ رومی کی تلوار زہر آلود نہ ہو۔ تمہیں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔"

زہر کا لفظ سن کر ایرانی کسی توقف کے بغیر وہاں سے بھاگ کھڑا ہُوا۔ اور عاصم اپنے ساتھی کو دروازے پر موجود رہنے کی تاکید کر کے مکان کے اندر داخل ہُوا۔

رومی جسے فرمس نے نئی صورت حال سے باخبر کر دیا تھا ابھی تک فرش پر پڑا تھا اور نوجوان لڑکی اُس کے قریب کھڑی اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

عاصم نے فرمس سے کہا "وہ سب جا چکے ہیں، لیکن اب آپ کے لئے کسی کمرے کے اندر چھپ کر بیٹھنا زیادہ مناسب ہو گا۔ ممکن ہے سپاہیوں کی کوئی اور ٹولی یہاں پہنچ جائے۔"

رومی نے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ چاروں مکان کے ایک کمرے میں کھڑے تھے۔ فرمس کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز تھیں، نوجوان لڑکی سسکیاں لے رہی تھی اور رومی پریشانی کی حالت میں عاصم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عاصم نے فرمس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "شاید آپ نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا!"

فرمس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور اُس نے جواب دیا "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب کوئی معجزہ ہی ہمیں غلامی کی ذلت یا موت سے نہیں بچا سکتا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی ہو یہ کون کہہ سکتا تھا کہ ہماری آئندہ ملاقات ان حالات میں ہو گی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے ہاتھوں قتل ہوتے وقت بھی میرے دل میں یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ یہ میری بیٹی انطونیہ ہے اور یہ نوجوان میرا داماد ہے اس کا نام کلاڈیوس ہے۔"

"آپ کی بیوی؟" عاصم نے سوال کیا۔

"وہ مر چکی ہے۔"

"کب؟"

"چھ مہینے ہوئے۔ میں تم سے کئی سوال کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ ہم کب تک زندہ ہیں اور تم کس حد تک ہماری مدد کر سکتے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا "سر دست آپ کو کوئی خطرہ نہیں لیکن احتیاط ضروری ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے سپہ سالار کے پاس جا رہا ہوں۔ میری غیر حاضری میں میرا ساتھی اس مکان پر پہرا دے گا اگر مجھے کسی وجہ سے دیر ہو گئی تو چند اور عرب سپاہی اس مکان کی حفاظت کے لئے پہنچ جائیں گے۔ اگر آپ اپنے داماد کا لباس تبدیل کرا سکیں تو بہتر ہو گا۔ اس کے علاوہ گھر کا کچھ سامان اٹھا کر صحن میں پھینک دیجئے۔ اس سے ظاہر ہو گا کہ یہ مکان لُٹ چکا ہے۔"

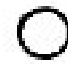
عاصم وہاں سے چل پڑا لیکن دو تین قدم اٹھانے کے بعد کچھ سوچ کر رُکا اور انطونیہ سے مخاطب ہو کر بولا "میں تمہارے شوہر کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

فرمس نے کہا۔"آپ جلد واپس آنے کی کوشش کریں۔ آپ کو دیکھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ قدرت کو ہماری تباہی منظور نہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں، میں بہت جلد آجاؤں گا۔" عاصم یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ دروازے کے سامنے اُس کا ساتھی پریشانی کی حالت میں ٹہل رہا تھا۔

اُس نے کہا۔"جناب! آپ نے بہت دیر لگائی اور میں اِس بات پر حیران ہوں کہ آپ ایک رومی کو پناہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"یہ رومی اُس شخص کا داماد ہے جس نے مجھے انتہائی بے کسی کی حالت میں سہارا دیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شہنشاہ کے اُس جرنیل کا بھی محسن ہے جسے قسطنطنیہ پر ایران کی فتح کا پرچم گاڑنے کی مہم سونپی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اِس گھر کی حفاظت کر کے شہنشاہ کی خوشنودی حاصل کر لیں۔ میری غیر حاضری میں تم یہاں پہرا دو گے۔ تمہیں دروازے کی بجائے صحن کے اندر کھڑے رہنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ اوّل تو رات کے وقت مکان کا ٹوٹا ہوا دروازہ دیکھ کر بھی کوئی لوٹ مار کی نیت سے اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا اور اگر ان لوگوں کو کوئی خطرہ پیش آیا بھی تو حملہ کرنے والوں کو دھمکانے کے لئے تمہارا یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ اندر تمہارے چند معزز ساتھی آرام کر رہے ہیں۔ اگر مجھے راستے میں کوئی اور قابلِ اعتماد ساتھی مل گئے تو انہیں اِس گلی میں پہرا دینے کے لئے بھیج دوں گا۔"



قریباً ایک پہر رات گزر چکی تھی۔ فرمس، انطونیہ اور کلاڈیوس مکان کے تاریک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

کلاڈیوس نے سہمی ہوئی آواز میں سوال کیا۔"آپ کو یقین ہے وہ ہماری مدد کرے گا؟"

فرمس نے جواب دیا۔"کلاڈیوس تم اطمینان رکھو، مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر بھی ہمیں بچانے کی کوشش کرے گا۔"

"لیکن آپ کہتے ہیں کہ وہ یثرب کا باشندہ ہے اور آپ کو غریب الوطنی کی حالت میں ملا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اچانک ایرانی فوج میں اس قدر اثر و رسوخ کا مالک بن گیا ہو کہیں ہم اپنے آپ کو دھوکا تو نہیں دے رہے؟"

فرمس نے جواب دیا۔"موجودہ حالات میں خود فریبی کو بھی میں قدرت کا انعام سمجھتا ہوں — لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ قدرت نے اسے ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔"

انطونیہ نے کہا۔"بہت دیر ہو گئی وہ ابھی تک نہیں آیا۔"

کمرے میں کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر اچانک صحن میں چند آدمیوں کی چاپ اور آوازیں سنائی دیں۔

کلاڈیوس نے کہا۔"معلوم ہوتا ہے قدرت ہمیں زیادہ دیر خود فریبی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتی۔ لیکن میں آپ سے یہ وعدہ کر چکا ہوں کہ اپنی زندگی میں انطونیہ کی بے بسی کا تماشا نہیں دیکھوں گا۔"

کلاڈیوس اپنی تلوار سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن فرمس نے اس کا دامن پکڑتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! حوصلے سے کام لو! مجھے یقین ہے کہ اب قدرت ہمارے ساتھ مذاق نہیں کرے گی۔"

باہر سے عاصم کی آواز سنائی دی۔"میں عاصم ہوں۔ اب آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ دروازہ کھول دیجئے!"

فرمس نے دروازہ کھول دیا۔ عاصم کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ ایک آدمی ٹوکرا اٹھائے اس کے ساتھ تھا۔ اور سات مسلح سپاہی چند قدم پیچھے کھڑے تھے۔ فرمس پریشانی، خوف اور اضطراب کی حالت میں باہر نکلا اور عاصم نے مشعل اسے دیتے ہوئے کہا۔"اب آپ کو تاریکی میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی آج رات یہیں رہیں گے۔ انھیں صحن میں آرام کرنے کے لیے صرف ایک کشادہ چٹائی کی ضرورت ہے۔"

فرمس نے کہا۔"میں اپنا بہترین قالین دے سکتا ہوں۔ آئیے!" وہ کمرے میں داخل ہوئے فرمس نے مشعل سے چراغ روشن کیا اور پھر دوسرے کمرے میں جا کر ایک بھاری قالین نکال لایا۔

عاصم نے اپنے ساتھی سے کہا۔"تم یہ قالین لے جاؤ اور اپنے ساتھیوں کو بیرونی دروازے کے

سامنے بٹھا دو میں ابھی آتا ہوں۔" نوکر نے ٹوکرا نیچے رکھ کر قالین اٹھا لیا اور عاصم نے فرمس کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "اس ٹوکرے میں آپ کے کھانے کا سامان ہے مجھے یقین ہے کہ آپ تینوں بھوکے ہیں۔ پہلے اطمینان سے کھا لیجیے۔ اس کے بعد ہم جی بھر کر باتیں کر سکیں گے۔" لیکن یہ تینوں کھانے کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے انتہائی بے چارگی کی حالت میں عاصم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

عاصم نے قدرے توقف کے بعد کہا: "شاید آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔ دیکھیے! میں سپہ سالار سے وعدہ لے چکا ہوں کہ یہ گھر محفوظ رہے گا اور جس آدمی کو بابلیون کا حاکم بنایا گیا ہے اس سے بھی میں آپ کی حفاظت کا وعدہ لے آیا ہوں۔ آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ آپ ایرانی فوج کے ایک جرنیل اور شہنشاہ کے بہت گہرے دوست کے محسن ہیں۔ آپ نے جس معزز خاتون کو دمشق پہنچانے کی خدمت میرے سپرد کی تھی وہ اس جرنیل کی بیوی تھی۔ وہ کسی اور محاذ پر جا چکا ہے اگر آج وہ یہاں ہوتا تو شاید ایرانی فوج کے بڑے بڑے سردار آپ کو سلام کرنے آتے۔"

فرمس کے چہرے سے اچانک مایوسی کے بادل چھٹ گئے اور وہ پُرامید ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن چند ثانیے بعد اس کے چہرے پر دوبارہ اضطراب کے آثار ظاہر ہونے لگے ——— اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا آپ کلاڈیوس کے متعلق بھی مجھے اطمینان دلا سکتے ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "کلاڈیوس ایک رومی ہے اور میرے لیے اس کے حق میں کچھ کہنا آسان بات نہ تھی ——— تاہم ایک شرط پر میں نے اس کی جان بخشی کا وعدہ لے لیا ہے۔"

"وہ شرط کیا ہے؟" کلاڈیوس نے چونک کر پوچھا۔

"وہ شرط یہ ہے کہ تم میرے ساتھ رہو گے۔ میں نے پہلی بار اپنی خدمات کا صلہ مانگا ہے اور وہ یہ کہ مجھے ایک قابلِ اعتماد رومی کو غلام بنانے کی اجازت دی جائے۔"

کلاڈیوس نے سراپا احتجاج بن کر کہا۔ "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہاری غلامی کو موت سے بہتر سمجھوں گا۔"

"مجھے صرف اس بات کا یقین تھا کہ تم اگر اپنے لیے نہیں تو کم از کم فرمس اور اس کی بیٹی کے لیے زندہ

رہنا پسند کرو گے۔ میرے لیے تمہاری جان بچانے کی واحد صورت یہی تھی اور میں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں اپنا دوست اور بھائی سمجھوں گا۔ شہنشاہ کی فوجیں پرسوں اسکندریہ کی طرف روانہ ہو جائیں گی اور مجھے اسی دن جنوب کی طرف پیش قدمی کا حکم ملا ہے۔ اگر بابلیون تمہارے لیے محفوظ ہوتا تو میں صرف یہ وعدہ لے کر تمہیں یہاں چھوڑ جاتا کہ تم میری غیر حاضری میں بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ اب تمہاری جان بچانے کی یہی ایک صورت ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں اور جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تمہاری حفاظت کرتا رہوں ——— ممکن ہے کسی دن ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ اپنے وطن جا سکو اور میں ایرانی فوج میں اپنی شہرت کو داغدار کیے بغیر تمہاری مدد کر سکوں۔"

کلاڈیوس نے کہا: "اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی مہم میں آپ کے ساتھ تعاون کروں گا تو آپ غلطی پر ہیں میں ایک رومی ہوں اور کسی قیمت پر اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کروں گا۔"

عاصم نے جھنجلا کر کہا۔ "مجھے کسی مہم میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے تمہارے تعاون کی ضرورت نہیں۔ ایران اور روم کی جنگ اب آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ مصر میں اسکندریہ کے سوا تمہاری فوجیں کسی اور مقام پر معمولی مزاحمت بھی نہیں کر سکیں گی۔ میں صرف تمہاری جان بچانا چاہتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ تم ایران کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہو بلکہ صرف اس لیے کہ تم میرے ایک محسن کے داماد ہو اور مجھے اپنے دوست کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا پسند نہیں۔ تمہیں مجھ سے صرف یہ وعدہ کرنا ہو گا کہ تمہاری کسی حرکت سے مجھے اپنے ساتھیوں کے سامنے نادم نہیں ہونا پڑے گا۔ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ تم سب کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر مصر کی حدود سے نکل سکتے ہو، تو میں اسی وقت تمہارے لیے گھوڑے مہیا کر سکتا ہوں۔ مجھے اس بات کی پرواہ ہو گی کہ بعد میں میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ تمہارے لیے سمندر تک پہنچنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ مصر میں اسکندریہ تمہارا آخری حصار ہے لیکن ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ رومیوں نے یہ شہر بھی خالی کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان حالات میں تمہیں جوش کی بجائے صبر اور حوصلے سے کام لینے کی ضرورت ہے۔"

کلاڈیوس اب جواب دینے کی بجائے کبھی فرمس اور کبھی انطونیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فرمس نے کہا: "کلاڈیوس! خدا نے ہماری اعانت کے لیے ایک فرشتہ بھیجا ہے ہمیں یہ ثابت نہیں کرنا چاہیے کہ ہم ناشکر گزار ہیں۔"

کلاڈیوس نے عاصم سے مخاطب ہو کر کہا: "اگر آپ ان کی عزت بچانے کا وعدہ کرتے ہیں تو مجھے آپ کی غلامی منظور ہے۔"

عاصم نے کلاڈیوس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "تم مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ میں موجودہ حالت میں تمہاری جان بچانے کا اس سے بہتر طریقہ نہیں سوچ سکتا۔ میں اس بات کی کوشش کر چکا ہوں کہ تمہارے گلے میں آہنی طوق نہ ڈالا جائے لیکن سپہ سالار نے میری یہ درخواست قبول نہیں کی۔ تاہم میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو بوجھ تم اپنی گردن پر محسوس کرو گے وہ مجھے اپنے دل پر محسوس ہوگا۔ تمہارے اطمینان کے لیے میں اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ فرمس کی بیٹی میری بہن ہے۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا: "ایک غلام کو اپنے طوق کا بوجھ اٹھانے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور انطونیہ کی عزت بچانے کے لیے تو میں پہاڑ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔"

عاصم کو اچانک ایسا محسوس ہوا کہ وہ اس خوش وضع نوجوان کو ایک مدت سے جانتا ہے۔ اس نے کہا: "اب تمہارے مستقبل کے متعلق سوچنا میرا کام ہے۔ تم اطمینان سے کھانا کھاؤ میں ذرا اپنے ساتھیوں کو دیکھ آؤں۔"

فرمس نے کہا: "نہیں! ہمارے میزبان کو ہمارے ساتھ کھانا چاہیے۔"

عاصم رک گیا اور تھوڑی دیر بعد یہ چاروں دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

باب ۲۲

کلاڈیوس اسکندریہ کے گورنر کا بھتیجا اور رومی سینیٹ کے ایک بااثر رکن کا بیٹا تھا۔ جن ایام میں ایرانی لشکر شام کے شمالی علاقوں کو تاخت و تاراج کر رہا تھا وہ روم کی فوج کے ایک سالار کی حیثیت سے حمص میں متعین تھا۔ حمص کی لڑائی میں زخمی ہونے کے بعد اس نے اپنے چند شکست خوردہ سپاہیوں کے ساتھ قیساریہ کا رخ کیا لیکن راستے میں اس کی صحت بگڑ گئی اور قیساریہ کے حاکم نے اسے لڑائی میں حصہ لینے کے ناقابل سمجھتے ہوئے کسی زیادہ محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا۔ چند دن بعد اسکندریہ سے دو جہاز رسد کا سامان لے کر قیساریہ پہنچے اور کلاڈیوس کے ساتھیوں نے اسے سخت بخار کی حالت میں ایک جہاز پر سوار کرا دیا۔ جہاز کا کپتان کلاڈیوس کو جانتا تھا اور اس نے سفر کے دوران میں اس کی تیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ راستے کی بندرگاہوں سے کئی اور لوگ جو مختلف شہروں سے جان بچا کر بھاگے تھے۔ ان جہازوں پر سوار ہوتے گئے۔ چنانچہ جب یہ جہاز غزہ پہنچے تو ان پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔

غزہ میں پناہ گزینوں کا ہجوم راستے کی دوسری بندرگاہوں سے کہیں زیادہ تھا اور ان میں زیادہ تعداد ان رومی عورتوں اور بچوں کی تھی جو شام اور فلسطین کے مخدوش حالات کے پیش نظر اسکندریہ یا قبرص پہنچنے کے لیے بے قرار تھے۔

غزہ کے حاکم نے تمام جہاز روک لیے اور حکم دیا کہ وہ لوگ جو خشکی کے راستے سفر کر سکتے ہیں۔ رومی عورتوں اور بچوں کے لیے جگہ خالی کر دیں۔

کلاڈیوس کا بخار اتر چکا تھا لیکن ابھی اس میں خشکی کے راستے سفر کرنے کی سکت نہ تھی۔ تاہم جب دوسرے آدمی جہاز سے اترنے لگے تو اس نے ان کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جہاز کے کپتان نے اسے روکنے کی کوشش کی تو اس نے جواب دیا: "عورتوں اور بچوں کا مسئلہ مجھ سے زیادہ اہم ہے۔ اگر میں خشکی کے راستے سفر نہ کر سکا تو یہاں ٹھہر کر کسی اور جہاز کا انتظار کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں دو چار دن آرام کرنے کے بعد جنگ میں شریک ہونے کے قابل ہو جاؤں۔"

جہاز کے کپتان نے کہا: "اگر آپ مُصر ہیں تو میں بندرگاہ کے ناظم سے کہوں گا کہ وہ آپ کو شہر کے حاکم کے پاس پہنچا دے۔ مجھے یقین ہے کہ غزہ کا حاکم آپ کو ہر ممکن سہولت مہیا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

بندرگاہ کا ناظم ایک سائبان کے نیچے بیٹھا مسافروں کی جانچ پڑتال کر رہا تھا۔ وہ باری باری پیش ہونے والے مسافروں سے چند سوال کرتا اور اس کے بعد جن خوش قسمت عورتوں، بچوں یا بوڑھوں کو جہاز پر سوار ہونے کی اجازت مل جاتی وہ دوسرے امیدواروں سے الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ جاتے۔ بعض مسافر انتہائی بے صبری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ سائبان میں گھس جاتے اور ناظم کی میز کے گرد اتنی بھیڑ ہو جاتی کہ سپاہی انہیں دھکے دے کر پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو جاتے۔ کلاڈیوس جس کے سر پر ابھی تک پٹی بندھی تھی۔ جہاز سے اتر کر کپتان سے باتیں کرتا ہوا سائبان کے اندر داخل ہوا تو بندرگاہ کا ناظم اسے دیکھتے ہی کرسی سے اٹھا اور اس سے بغلگیر ہو کر چلایا: "کلاڈیوس! تم یہاں کب آئے؟ خدا کی قسم میں آج بھی تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔"

جہاز کے کپتان نے کہا: "مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ یہ زخمی ہیں اور انہیں کسی اچھے تیماردار کی ضرورت ہے۔"

ناظم نے جواب دیا: "مجھ سے بہتر کلاڈیوس کا تیماردار اور کون ہو سکتا ہے؟"

کلاڈیوس نے کہا: "میرا زخم قریباً مندمل ہو چکا ہے اور بخار بھی اتر گیا ہے۔ مجھے تازہ دم ہونے کے لیے صرف دو تین دن آرام کی ضرورت ہے۔"

جہاز کے کپتان نے کہا: "یہ میرے اصرار کے باوجود جہاز سے اتر پڑے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ ابھی

چند دن اور یہ گھوڑے پر سواری کے قابل نہیں ہوں گے۔"

ناظم نے کلاڈیوس سے پوچھا: "آپ قیساریہ سے آئے ہیں؟"

"ہاں! میں حمص میں زخمی ہونے کے بعد وہاں پہنچ گیا تھا اور اب سوچ رہا ہوں کہ اگر میری حالت ذرا بہتر ہو جائے تو میں اسکندریہ کا رُخ کرنے کی بجائے دمشق پہنچ جاؤں۔"

ناظم نے مغموم لہجے میں کہا: "آپ کو شاید معلوم نہیں کہ دمشق کا محاصرہ ہو چکا ہے اور اب ہمارا کوئی سپاہی شہر کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔"

یہ خبر کلاڈیوس کے لیے غیر متوقع نہ تھی تاہم اس کا اثر اتنا شدید تھا کہ اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔

ناظم کے اشارے سے سپاہیوں نے دو کرسیاں لا کر وہاں رکھ دیں اور وہ بیٹھ گئے۔

ناظم نے کہا: "آپ بہت دبلے ہو گئے ہیں اور شاید اس وقت بھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ موجودہ حالات میں آپ کا اسکندریہ پہنچنا بہتر ہوگا۔ ممکن ہے کہ کچھ عرصہ تک اسکندریہ ہماری آخری حصار بن جائے۔ غزہ اب ان گنت پناہ گزینوں کی درمیانی منزل بن چکا ہے اور ہمارے لیے ان لوگوں کو یہاں سے نکالنا اشد ضروری ہے ورنہ فوج کے حصے کی تمام غذائی رسد یہ کھا جائیں گے۔ ہر روز پناہ گزینوں کے نئے قافلے یہاں پہنچ رہے ہیں۔ اگر اسکندریہ کا بحری بیڑا فوراً حرکت میں آجائے تو ہماری مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ وہاں پہنچ کر اپنے چچا کو اس طرف متوجہ کر سکیں گے۔ ہم نے قبرص کے امیر البحر سے بھی اعانت کی درخواست کی ہے لیکن موجودہ حالات میں ان کے نزدیک شاید پناہ گزینوں کا مسئلہ زیادہ اہم نہ ہو۔"

سائبان کے گرد جمع ہونے والے لوگ پھر ایک بار بے چینی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ سپاہی انہیں ڈرا دھمکا کر دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک ایک خوبصورت لڑکی اپنا راستہ روکنے والے سپاہی سے کترا کر سائبان کے اندر داخل ہوئی اور اس نے سراپا التجا بن کر ناظم سے کہا: "جناب! خدا کے لیے میری والدہ پر رحم کیجیے وہ بیمار ہیں۔ ہم کئی دن سے یہاں پڑے ہیں اگر وہ یہاں پہنچ کر

کر بیمار نہ ہو جاتیں تو ہم کبھی کے بابلیون یا اسکندریہ پہنچ گئے ہوتے۔"

ناظم نے تلملا کر کہا: "یہ لڑکی پاگل ہے۔ میں اس سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مجھے رومیوں کے سوا کسی کو جہاز پر جگہ دینے کی اجازت نہیں۔"

لڑکی نے کہا: "کیا آپ کے نزدیک رومیوں کے سوا کسی کی جان اور آبرو کی قیمت نہیں؟"

ناظم نے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "اسے لے جاؤ۔ میں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا اور اب اگر یہ مجھے پریشان کرنے کی کوشش کرے تو اسے دھکے دے کر بندرگاہ کے احاطے سے باہر نکال دو۔"

ایک سپاہی آگے بڑھا لیکن کلاڈیوس نے اشارہ کر کے اسے روکتے ہوئے کہا: "ٹھہرو!" پھر وہ ناظم کی طرف متوجہ ہوا۔ "شاید تم یہ نہیں جانتے کہ ایرانی ایسی لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

ناظم نے کہا: "میں جانتا ہوں اور یقین کیجیے کہ مجھے اس کے ساتھ ہمدردی ہے۔ یہ چوتھی بار سپاہیوں کا حلقہ توڑ کر مجھ سے تکرار کر چکی ہے لیکن میں غزہ کے حاکم کی ہدایات کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ رومیوں کے سوا کسی کو سرکاری جہازوں پر سوار ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔"

کلاڈیوس نے کہا: "دیکھیے! مجھے جہاز پر سفر کرنے کا حق ہے اور میں اس مصیبت زدہ لڑکی کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جہاز کا کپتان میری جگہ دو عورتیں سوار کرنے پر اعتراض نہیں کرے گا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تمام رومی عورتیں اور بچے جو یہاں موجود ہیں دو جہازوں پر سوار نہیں ہو سکیں گے۔ انہیں غزہ سے نکالنے کے لیے کئی جہازوں کی ضرورت ہے اور میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے چچا کو ضرور جہاز بھیجنے پر مجبور کر سکوں گا ——— مجھے یقین ہے کہ میرا یہ وعدہ غزہ کے حاکم کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہوگا۔"

ناظم نے کہا: "اگر آپ ہماری اتنی مدد کر سکتے ہیں تو پھر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ بھی یہاں ٹھہرنے کی بجائے ان کے ساتھ ہی روانہ ہو جائیں۔"

کلاڈیوس نے لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "تمھاری ماں کہاں ہے؟"

"وہ باہر بخار کی حالت میں لیٹی ہوئی ہے۔"

ناظم نے کہا: "جاؤ اُسے لے آؤ!"

یہ بڑی بڑی سیاہ اور چمکدار آنکھوں، لمبی گردن اور تیکھے نقوش والی لڑکی نرس کی بیٹی انطونیہ تھی اور ایک ساعت بعد کلاڈیوس اس کے ساتھ جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ انطونیہ اس سے کہہ رہی تھی: "ہم تین ہفتے سے غزہ میں دھکے کھا رہے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی ہمارے گھوڑے فوجی ضرورت کے لیے ضبط کر لیے گئے تھے۔ پچھلے ہفتے ہمارا نوکر ایک اونٹ خرید لایا اور ہم نے خشکی کے راستے ایک قافلے کے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا لیکن میری والدہ اچانک بیمار ہو گئیں۔ آج ہم چاروں طرف سے مایوس ہو چکے تھے کہ قدرت نے آپ کو بھیج دیا۔"

کلاڈیوس نے کہا: "مجھے افسوس ہے کہ آپ کے نوکر کو جہاز میں جگہ نہ مل سکی لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اگر وہ خشکی کے راستے کسی قافلے کے ساتھ نہ جا سکا تو میں واپسی پر اسے غزہ میں تلاش کر کے آپ کے پاس پہنچا دوں گا۔"

انطونیہ نے پوچھا: "آپ واپس آئیں گے؟"

"ہاں! میں نے بندرگاہ کے ناظم سے وعدہ کیا ہے کہ پناہ گزینوں کو نکالنے کے لیے اسکندریہ سے مزید جہاز لانے کی کوشش کروں گا۔"

"آپ بہت رحمدل ہیں۔" لڑکی نے احسان مندانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

انطونیہ کی ماں نے جو ان کے قریب لیٹی ہوئی تھی پانی مانگا اور کلاڈیوس بھاگ کر لکڑی کا ایک کٹورا بھر لایا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پانی پلانے کے بعد پوچھا۔

انطونیہ کی ماں نے جواب دیا: "میں ٹھیک ہوں بیٹا! خدا تمھارا بھلا کرے۔"

چند دن سفر کے دوران میں کلاڈیوس اور انطونیہ ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے تھے اور ایک دن جب ان کا جہاز اسکندریہ کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو رہا تھا۔ وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ کاش! یہ سفر اتنی جلدی ختم نہ ہوتا۔ انطونیہ کی ماں کے لیے پالکی کا انتظام کرنے کے بعد کلاڈیوس ان کے ساتھ چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ لوگ انطونیہ کے ماموں بطلیموس کے مکان میں داخل ہوئے۔ بطلیموس اسکندریہ کا ایک خوشحال تاجر تھا۔ اس نے کلاڈیوس کو کھانے کے لیے روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے جواب دیا: "میں کسی تاخیر کے بغیر اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں ——— اگر موقع ملا تو پھر کسی وقت حاضر

ہوجاؤں گا۔"

بطلیموس نے کہا۔"تو پھر آپ شام کا کھانا میرے ساتھ ضرور کھائیں؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔"اگر میں یہاں ٹھہر سکا تو ضرور آؤں گا لیکن ممکن ہے کہ چچا جان غزہ سے پناہ گزینوں کو نکالنے کی مہم مجھے سونپ دیں اور میں آج ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں۔"

انطونیہ نے بطلیموس سے مخاطب ہو کر کہا۔"ماموں جان! مجھے یقین ہے کہ غزہ سے دوبارہ واپس آنے تک یہ ہمارے گھر کا راستہ بھول چکے ہوں گے۔"

"نہیں انطونیہ" بطلیموس نے جواب دیا۔"یہ ہمیں شکریہ کا موقع دینے میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔"

انطونیہ، جو اپنی ماں کے بستر کے قریب بیٹھی بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اٹھ کر باہر نکل گئی۔ کلاڈیوس نے اٹھ کر مصافحے کے لیے بطلیموس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے کہا۔"نہیں، جناب! میں دروازے تک آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"نہیں، نہیں، تکلف کی ضرورت نہیں آپ مریضہ کے پاس تشریف رکھیے!" کلاڈیوس نے یہ کہہ کر بطلیموس سے مصافحہ کیا اور اسے کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر کمرے سے باہر نکل آیا۔

انطونیہ صحن میں کھڑی تھی۔ کلاڈیوس اس کے قریب پہنچ کر رکا اور ایک ثانیہ توقف کے بعد بولا۔

"انطونیہ! میں اس گھر کا راستہ نہیں بھولوں گا۔"

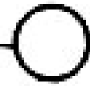
انطونیہ نے کہا۔"میں مرتے دم تک آپ کا انتظار کروں گی۔" اور اس کے ساتھ اس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"خدا حافظ! انطونیہ" کلاڈیوس یہ کہہ کر آگے بڑھا، رکا اور ایک ثانیہ مڑ کر دیکھنے کے بعد لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

گھر کی عورتیں چند قدم دور کھڑی انطونیہ کی طرف دیکھ رہی تھیں اور ان کی نگاہوں میں ان گنت سوالات تھے لیکن انطونیہ ان کی طرف توجہ دینے کی بجائے کمرے میں چلی گئی۔

بطلیموس جو مریضہ سے باتیں کر رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد انطونیہ سے مخاطب ہو کر بولا۔"بیٹی!

میں تمھاری آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں لیکن تمھیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ رومی ہے اور اسکندریہ کے حاکم کا بھتیجا ہے۔" انطونیہ کوئی جواب دینے کی بجائے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔



ان واقعات کے چند ہفتے بعد فرس، بابلیون سے ہوتا ہوا اسکندریہ پہنچا تو اس کی بیوی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی تھی۔ نیک دل شوہر کی نگاہوں کے سامنے آٹھ پہر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اس نے اپنا سفرِ حیات ختم کر دیا۔ چند دن بعد فرس نے اپنی بیٹی کے ساتھ بابلیون جانے کا ارادہ کیا لیکن بطلیموس کے اصرار پر وہ ایک ہفتہ اور اس کے ہاں ٹھہرنے پر رضامند ہو گیا۔ اس عرصہ میں اسکندریہ کے کئی جہاز غزہ سے پناہ گزینوں کو لے کر واپس آ چکے تھے لیکن انطونیہ کو کلاڈیوس کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔ ماں کی موت کے صدمے کے باعث وہ زندگی کی بیشتر دلچسپیوں سے کنارہ کش ہو چکی تھی لیکن کلاڈیوس کو بھول جانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اسے بطلیموس کے یہ الفاظ بار بار یاد آتے تھے کہ کلاڈیوس ایک رومی ہے اور اسکندریہ کے حاکم کا بھتیجا ہے۔ تاہم انتہائی مایوسی کی حالت میں بھی وہ اس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتی تھی کہ کلاڈیوس کسی دن اس کی تلاش میں آئے گا۔

کوئی دروازے پر دستک دیتا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں۔ کوئی غزہ سے آنے والے زخمیوں اور پناہ گزینوں کا ذکر چھیڑتا تو وہ اس کے منہ سے کلاڈیوس کا ذکر سننے کے لیے بیتاب ہو جاتی۔ اسکندریہ چھوڑنے سے ایک دن قبل وہ بطلیموس کی بیوی اور دو بیٹیوں کے ساتھ اپنی ماں کی قبر دیکھ کر واپس آ رہی تھی لیکن جب وہ بازار سے گلی میں داخل ہوتے وقت اسے بطلیموس کا حبشی غلام دکھائی دیا جو چلنے کی بجائے بھاگ رہا تھا۔

بطلیموس کی بیوی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے پوچھا۔"تم کہاں جا رہے ہو۔ اور اتنے بدحواس کیوں ہو؟"

غلام نے جواب دیا۔"جناب! میں آقا کو دکان سے بلانے جا رہا ہوں، ایک رومی ان سے

ملنا چاہتا ہے۔"

انطونیہ نے بے چین ہو کر پوچھا: "وہ کہاں ہے؟"

"میں اسے اندر بٹھا آیا ہوں۔" غلام نے جواب دیا۔

"اباجان گھر پر ہیں؟"

"نہیں وہ ابھی باہر نکلے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی دکان پر ہوں گے۔"

غلام یہ کہہ کر بھاگ گیا۔ اور بطلیوس کی بیوی نے کہا: "بیٹی مبارک ہو۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئیگا۔ اب چلو۔"

انطونیہ ان کے ساتھ چل پڑی۔ مہمانوں کا کمرہ ڈیوڑھی سے ملا ہوا تھا لیکن انطونیہ کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ تذبذب کی حالت میں دوسری عورتوں کی طرف دیکھنے لگی۔ بطلیوس کی بیوی نے اپنی بیٹیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہاں سے کھسک گئیں۔ پھر وہ انطونیہ کی طرف متوجہ ہوئی: "بیٹی! تم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہو، جاؤ!"

انطونیہ چہرے پر شرم و حیا کی سرخیاں لیے ملاقات کے کمرے میں داخل ہوئی لیکن وہاں کلاڈیوس کی بجائے ایک اجنبی بیٹھا ہوا تھا وہ ان گنت نغمے جو انطونیہ کے دماغ میں گونج رہے تھے یکایک خاموش ہو گئے۔

"آپ غزہ سے آئے ہیں؟" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"جی ہاں!" رومی نے اٹھ کر جواب دیا۔

"آپ کو کلاڈیوس نے بھیجا ہے؟"

"جی ہاں!"

"وہ یہاں نہیں آئیں گے؟"

"وہ ضرور آئیں گے لیکن ابھی نہیں۔ ان دنوں غزہ میں جمع ہونے والے پناہ گزینوں اور زخمیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اور جب تک انھیں وہاں سے نکال نہیں لیا جاتا کلاڈیوس واپس نہیں آسکتے۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ انطونیہ ہیں۔ کلاڈیوس نے مجھے آپ کے لیے ایک ضروری پیغام دیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہیں آپ یہ سمجھ نہ لیں کہ میں آپ کے گھر کا راستہ بھول چکا ہوں۔ وہ یہ بھی پوچھتے تھے کہ آپ کی والدہ

کی صحت کیسی ہے؟"

انطونیہ نے پُر امید ہو کر پوچھا: "آپ واپس غزہ جائیں گے؟"

"جی ہاں! میں آج ہی کسی جہاز پر روانہ ہو جاؤں گا۔"

"آپ کلاڈیوس کے پاس میری طرف سے یہ پیغام لے جائیں کہ میری والدہ وفات پا چکی ہیں۔ میرے والد یہاں پہنچ گئے ہیں اور میں ان کے ساتھ بابلیون جا رہی ہوں۔"

رومی نے پوچھا: "کیا میں انھیں یہ پیغام بھی دے سکتا ہوں کہ آپ اُن سے خفا نہیں ہیں؟"

"کس بات پر؟"

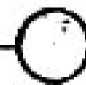
"ان کا خیال تھا کہ شاید آپ ان کی معذرت قبول نہ کریں۔"

"آپ انھیں یہ پیغام دے سکتے ہیں کہ میں ان سے خفا نہیں ہوں۔" انطونیہ یہ کہہ کر مسکرائی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

رومی نے کہا: "میں بطلیوس کی وساطت سے آپ کو ان کا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ آپ کا نوکر انھیں بلانے گیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اب میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔ اس لیے مجھے اجازت دیجیے۔ یہاں مجھے بہت سے کام ہیں۔"

انطونیہ نے پوچھا: "آپ کھانا نہیں کھائیں گے؟"

"نہیں میں کھانا کھا چکا ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔" رومی یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔



چند دن بعد فرمس اپنی بیٹی کے ساتھ بابلیون پہنچ گیا۔ کئی سال ایک منفعت بخش کاروبار سے اُس نے جو سرمایہ جمع کیا تھا وہ عمر بھر کی ضرورت کے لیے کافی تھا۔ لیکن وہ بیکار بیٹھنے کا عادی نہ تھا — اس نے دریائے نیل کے کنارے ایک سرائے خرید لی اور اپنا پرانا دھندا شروع کر دیا۔

فلسطین کی طرح مصر میں بھی یہ عام تاثر پایا جاتا تھا کہ اگر ایرانی لشکر نے یروشلم کا رخ کیا تو اسے

عبرتناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن یروشلم میں شکست کھانے کے بعد اُن لوگوں کے حوصلے ٹوٹ گئے جو آخری وقت قدرت کے کسی معجزے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بعد جب غزہ میں بھی رومیوں کی سطوت کے پرچم سرنگوں ہو گئے تو شام اور فلسطین کی طرح وادیٔ نیل کے شہروں اور بستیوں میں بھی موت کے بھیانک سائے دکھائی دینے لگے۔

بابلیون پہنچنے کے بعد کلاڈیوس کے متعلق انطونیہ کو آخری اطلاع یہ ملی تھی کہ وہ غزہ سے اچانک یروشلم کے محاذ پر چلا گیا ہے۔ اس کے بعد کئی ماہ تک اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

ایک اتوار کی صبح وہ اپنے باپ کے ساتھ گرجے جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ دروازے پر کسی نے دستک دی اور چند ثانیے بعد نوکر بھاگتا ہوا اندر آیا اس نے فرس کو اطلاع دی کہ ایک رومی افسر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ اپنا نام کلاڈیوس بتاتا ہے — ایک ثانیہ کے لیے کائنات کی تمام مسرتیں سمٹ کر انطونیہ کے چہرے پر آگئیں۔ فرس تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکلا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کلاڈیوس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے واپس آیا اور یہ تینوں ایک کمرے میں بیٹھ گئے — انطونیہ تصور میں پہروں اس سے گلے اور شکوے کیا کرتی تھی لیکن اب اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے ماضی اور حال کے درمیان سارے خلاء پُر ہو چکے تھے۔

فرس نے کہا "آپ کو میرے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم مدت سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔

انطونیہ کے اصرار پر میں چار مرتبہ اپنا نوکر اسکندریہ بھیج چکا ہوں لیکن وہاں بھی آپ کے متعلق کسی کو معلوم نہ تھا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "مجھے غزہ سے کمک کے ساتھ یروشلم کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن شہر سے چند کوس دور دشمن کی ایک فوج نے گھیرے میں لے لیا اور ہم شدید نقصان اٹھانے کے بعد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ میں ان چند خوش قسمت لوگوں میں سے تھا جنہیں دشمن نے غلامی کے قابل سمجھ کر قتل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ چند ماہ اردن کے ایک قلعے میں قید رہنے کے بعد میں جنگی قیدیوں کے ایک قافلے کے ساتھ

ایران کی طرف روانہ ہوا۔ میں دشمن کی غلامی سے بچنے کے لیے ہر خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔ چند رومی اور شامی نوجوان میرے ساتھ مل گئے۔ کئی ہفتے سفر کرنے کے بعد ہمیں ایک رات شدید آندھی کے باعث فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ میرے ساتھ بائیس ۲۲ آدمی تھے۔ لیکن چار، رات کی تاریکی میں، ہم سے بچھڑ گئے۔ صبح کے وقت ہمارے سامنے ایک لق و دق صحرا تھا۔ آندھی سے اڑتی ہوئی ریت میں ہمارے پاؤں کے نشان مٹتے جا رہے تھے اور ہمیں یہ اطمینان تھا کہ اگر دشمن سواروں نے ہمارا پیچھا کیا تو بھی ان کے لیے ہمارا کھوج لگانا آسان نہیں ہوگا۔ دوپہر تک ہمارے تین ساتھی مارے پیاس کے دم توڑ چکے تھے اور باقی جان کنی کے عالم میں تھے اور ہماری یہ حالت تھی کہ اگر دشمن کے سوار آجاتے تو ہم پانی کا ایک گھونٹ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیتے۔ تیسرے پہر ہم ایک بلند ٹیلے کے سائے میں لیٹے تھے۔ آندھی تھم چکی تھی لیکن ہمیں اپنی موت سے زیادہ کسی بات کا یقین نہ تھا۔ ایک شامی نوجوان جسے ہم اپنا راہنما تسلیم کر چکے تھے۔ آہستہ آہستہ ٹیلے پر چڑھنے لگا اور میں بھی گرتا سنبھلتا اس کے پیچھے ہو لیا۔ ٹیلے کے دوسری طرف تنگ وادی میں خانہ بدوش عربوں کا ایک قافلہ دکھائی دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم سب ایک ٹھنڈے اور میٹھے چشمے کا پانی پی رہے تھے۔ یہ خانہ بدوش عیسائی تھے اور ان کا سردار ایک رحم دل آدمی تھا۔ ہم چار دن اُس کے مہمان رہے۔ اس کے بعد ہمارا سفر انتہائی ناخوشگوار تھا۔ راستے کے آباد علاقوں کے شہروں میں ایرانیوں کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ہم چھوٹی چھوٹی بستیوں میں قیام کرتے تھے۔ اور ان بستیوں میں داخل ہونے سے پہلے ہم اپنے شامی راہنما کو بھیج کر دشمن کی نقل و حرکت کے متعلق اطمینان کر لیتے تھے۔ غسانی قبائل کے لوگ ہمارے حال پر بہت مہربان تھے اور ان کے بعض سردار ہمارے بیمار ساتھیوں کو اگلی منزل تک پہنچانے کے لیے اونٹ اور گھوڑے بھی مہیا کر دیتے تھے۔ فلسطین کے علاقے میں داخل ہونے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ دشمن غزہ پر قابض ہو چکا ہے اس لیے میرے وہ ساتھی جو شام اور فلسطین کے باشندے تھے۔ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور میں دو مصری اور سات رومی سپاہیوں کے ہمراہ صحرائے سینا عبور کرنے کے بعد یہاں پہنچا ہوں۔"

فرس نے کہا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ انطونیہ آپ کے متعلق بہت پریشان تھی۔"

کلاڈیوس نے انطونیہ کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔ "مجھے آپ کی والدہ کی وفات کی اطلاع مل گئی تھی۔ مجھے اس کا بہت دُکھ ہے۔"

فرس نے پوچھا "آپ کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا "میں انھیں مستقر پر چھوڑ آیا ہوں۔"

"میں انھیں یہاں بلا لیتا ہوں۔ آپ سب ہمارے مہمان ہیں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "نہیں! وہ تھکے ہوئے ہیں اور اب سو رہے ہوں گے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہوجائیں۔"

انطونیہ کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی اور اس نے منہ پھیر لیا۔

کلاڈیوس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "ہمیں کسی تاخیر کے بغیر اسکندریہ پہنچنا چاہیئے تھا لیکن میں اپنے ساتھیوں کو مجبور کرکے یہاں لے آیا ہوں ——— میرے لیے یہاں پہنچنا زندگی کا اہم ترین مسئلہ تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے والد میری باتوں سے کیا تاثر لیں گے لیکن خدا گواہ ہے کہ جب میں صحرا میں پیاس سے تڑپ رہا تھا ... اور میری نگاہوں کے سامنے موت کے سوا کچھ نہ تھا تو اس وقت بھی میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اگر قدرت مجھے چند گھڑیاں زندہ رہنے کی مہلت دے اور میرے پر لگ جائیں تو میں سیدھا بابلیون پہنچ کر تمھارا گھر تلاش کروں گا اور تم سے کہوں گا کہ قید کی حالت میں میرے تمام سپنے تمھارے متعلق تھے۔ میں تمھارے اباجان سے کہوں گا کہ میں ایک شکست خوردہ فوج کا سپاہی ہوں۔ ایک ایسی قوم کا فرد ہوں جس کا سارا غرور خاک میں مل چکا ہے۔ میں اپنے حال سے نادم اور مستقبل سے مایوس ہوں لیکن اگر میں عظیم ترین فتوحات حاصل کرنے کے بعد یہاں آتا تو بھی آپ کے سامنے دوزانو ہوکر یہ التجا کرتا کہ ..... میں آپ کی بیٹی کے لیے دنیا کی ہر نعمت اور ہر راحت ٹھکرانے کو تیار ہوں۔"

انطونیہ آنکھوں میں مسرت کے آنسو اور چہرے پر حیا کی سرخیاں لیے وہاں سے اُٹھی اور بھاگ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

کلاڈیوس، فرس کے چہرے سے اس کے دل کی کیفیت کا اندازہ نہ کرسکا اس نے کہا۔ "اگر میری یہ

ت آپ کے نزدیک گستاخی ہے تو آپ میرے لئے بدترین سزا تجویز کرسکتے ہیں۔ میں اپنے نام و نسب کا غرور اس گھر کی چار دیواری سے باہر چھوڑ آیا ہوں۔ امن کے زمانے میں، میں اس گفتگو کے لئے کسی مناسب وقت کا انتظار کرتا اور میری کوشش یہی ہوتی کہ آپ مجھے اچھی طرح پرکھ لیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری جانے رے والد یا چچا کی طرف سے کوئی ایلچی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ اس طوفانی دَور کی مجبوریوں کو نظر انداز نہیں کریں گے۔ میں زیادہ سے زیادہ دو دن اور یہاں ٹھہر سکوں گا۔ اگر آپ اس وقت رکوئی جواب نہیں دے سکتے تو میں آج شام یا کل صبح حاضر ہوجاؤں گا۔"

فرس کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھا کلاڈیوس کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے مڑ کر دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا اور کہا۔ "انطونیہ ادھر آؤ!" انطونیہ جھجکتی شرماتی کواڑ کی اوٹ سے نمودار ہوئی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی۔

فرس نے کہا۔ "بیٹی! یہ نوجوان تم سے شادی کی درخواست لے کر آیا ہے اور میں تمہارے چہرے سے اس درخواست کا جواب پڑھ سکتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اب تک تم دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں، اور تم ایک دوسرے کو کس حد تک جانتے ہو ——— تاہم میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ کلاڈیوس روم کی سینیٹ کے ایک معزز رکن کا بیٹا اور اسکندریہ کے گورنر کا بھتیجا ہے اور تمہارا باپ صرف بابلیون میں ایک معمولی سرائے کا مالک ہے۔"

کلاڈیوس نے احتجاج کیا۔ "جناب! میں نے اپنے باپ یا چچا کا ذکر نہیں کیا۔ میں صرف اپنے خلوص پر بھروسا کرکے یہاں آیا ہوں۔"

فرس نے کہا۔ "میں تمہارے خلوص پر شبہ نہیں کرتا لیکن یہ ضروری ہے کہ تم کم از کم اپنے چچا سے اجازت حاصل کرلو۔"

کلاڈیوس نے پُرامید ہوکر کہا۔ "اگر آپ نے میری درخواست قبول کرلی ہے تو اپنے چچا سے اجازت حاصل کرنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

فرس نے شفقت سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری درخواست میری اکلوتی بیٹی

کی ان گنت دعاؤں کا جواب ہے۔ مجھے صرف یہ اندیشہ تھا کہ انطونیہ نے کہیں تمہاری شرافت اور ہمدردی سے متاثر ہو کر اپنے مستقبل کے متعلق غلط امیدیں قائم نہ کر لی ہوں ــ لیکن تم میری توقع سے زیادہ شریف اور انطونیہ میری امیدوں سے زیادہ خوش نصیب ثابت ہوئی ہے اور میں تم دونوں کو مبارک باد دیتا ہوں میں آج شام سے پہلے پہلے انطونیہ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دینے کو تیار ہوں لیکن تم بھی شاید یہ پسند نہ کرو گے کہ ہم پر ایک عالی نسب رومی کو بہکانے یا ورغلانے کا الزام عائد کیا جائے۔ اس لئے مناسب یہی ہے، کہ تم کم از کم اپنے چچا کو اپنا ہم خیال ضرور بنالو۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا "میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

تیسرے دن کلاڈیوس اسکندریہ کا رُخ کر رہا تھا، انطونیہ کے ساتھ رفاقت کے تصور سے اُسے اپنے مستقبل کی تمام منزلیں دلکش دکھائی دیتی تھیں لیکن اُس کے دل کی گہرائیوں میں ایک خلش ابھی تک موجود تھی۔ انتہائی کیف و سرور کی حالت میں اُسے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ وہ مہیب تاریکیاں جو اُس نے شام اور فلسطین میں دیکھی تھیں اُس کے ہمراہ بھاگ رہی ہیں۔ وہ اپنے دل میں کہتا "کلاڈیوس تم جیسے ہزاروں نوجوان اور انطونیہ جیسی ہزاروں لڑکیاں جنگ کے طوفان کی نذر ہو چکی ہیں اور اب یہ طوفان وادیٔ نیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تم اُس سلطنت کے سپاہی ہو جس کا مستقبل ہر لحظہ تاریک تر ہوتا جا رہا ہے۔ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ تم انطونیہ کو اپنی رفیقۂ حیات بنانے کے لئے کسی مناسب وقت کا انتظار کرتے ؟" اور پھر جب اس قسم کے خیالات اُسے ناقابلِ برداشت حد تک تکلیف دہ محسوس ہونے لگتے تو وہ اپنے دل کو تسلیاں دینے کی کوشش کرتا۔ "نہیں! میں غلطی پر نہیں ہوں۔ ایک بے بس انسان اگر ان غیر یقینی حالات میں زندگی سے مسرت کے چند مہینے، چند دن یا چند لمحے چھین لے تو یہ غلطی نہیں۔ اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ مصر کے کسی میدان میں ہم ایرانیوں کے سیلاب کا رُخ بدل دیں۔ انطونیہ کی محبت مجھے ایک سپاہی کے حصے کی ذمہ داریاں پوری کرنے سے منع نہیں کرے گی بلکہ اب مجھے اُس سلطنت کی حفاظت کے لئے جان دیتے ہوئے بھی تکلیف محسوس نہیں ہو گی جس کے ایک گوشے میں انطونیہ کا خاندان آباد ہے۔

چند دن بعد انطونیہ مکان کے صحن میں بیٹھی شام کی خوشگوار ہوا کا لطف اٹھا رہی تھی۔ فرمس ابھی تک

انے سے واپس نہ آیا تھا۔ دروازے پر کسی نے دستک دی نوکر جو دروازے کے قریب بیٹھا تھا اُٹھ کر آگے ،، اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ انطونیہ جو دروازے کے باہر ذرا سی آہٹ پا کر بے چین ہو جایا کرتی تھی چند ے انتظار کرنے کے بعد اٹھی اور بھاگتی ہوئی نیم وا دروازے کے قریب جا پہنچی۔ سامنے کلاڈیوس گھوڑے باگ تھامے کھڑا تھا اور نوکر اس سے کہہ رہا تھا "جناب! میں آپ کو جانتا ہوں، لیکن آقا اس وقت گھر پر نہیں اس لئے آپ تھوڑی دیر بعد تشریف لائیں۔"

کلاڈیوس انطونیہ کو دیکھ چکا تھا اُس نے مسکراتے ہوئے کہا "بہت اچھا تم میرا گھوڑا اندر لے جاؤ میں یہیں دہلیز پر بیٹھ کر تمہارے آقا کا انتظار کرتا ہوں۔"

انطونیہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا "یہ بہت بیوقوف ہے۔"

نوکر نے پریشان ہو کر انطونیہ کی طرف دیکھا اور پھر کلاڈیوس کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ لے لی۔

کلاڈیوس اندر داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔

کلاڈیوس نے کہا "انطونیہ میں اپنی زندگی کی اہم ترین مہم میں کامیاب ہو کر واپس آیا ہوں۔ میرے چچا نے صرف شادی کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ میرے والدین کو مطمئن کرنے کے لئے ایک لمبا چوڑا خط بھی لکھ دیا ہے۔"

انطونیہ جو مسرت کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی کچھ دیر خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی، بالآخر اُس نے کہا "آپ نے اپنے چچا کو یہ تو نہیں بتایا ہو گا کہ وہ غریب لڑکی جسے آپ نے اپنی خدمت کے قابل سمجھا ہے، ایک سرائے کے مالک کی بیٹی ہے۔"

کلاڈیوس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "نہیں! میں نے اپنے چچا سے یہ کہا تھا کہ فرمس کی حسین بیٹی کی آنکھیں آسمان کے ستاروں سے زیادہ روشن ہیں اور وہ چیتھڑوں میں ملبوس ہو کر بھی قسطنطنیہ کی شہزادیوں کے دوش بدوش کھڑی ہو سکتی ہے۔ میری چچی نے تمہارے خدوخال، قد و قامت اور صحت کے متعلق ان گنت سوال کئے تھے، اور میرا پہلا اور آخری جواب یہ تھا کہ انطونیہ وہ سب کچھ ہے جس کی میں تمنا کر سکتا تھا۔ میں نے اپنے چچا سے تمہارے رشتہ داروں کا ذکر کیا تھا اور انہوں نے بطلیموس کو بال بچوں سمیت ایک رات کھانے پر بلایا تھا، اس دعوت میں اسکندریہ کے چند مقامی معززین بھی شریک تھے اور چچا جان نے اُن کے سامنے ہمارے رشتے

کا اعلان کیا تھا۔

انطونیہ کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز ہو رہی تھیں۔ اُس نے کہا "کلاڈیوس مجھے خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"مجھ سے؟" اُس نے سوال کیا

"نہیں! آپ سے نہیں۔ میں اپنی خوش نصیبی سے ڈرتی ہوں۔ سچ سچ بتائیے، آپ کسی دن مجھ سے خفا تو نہیں ہو جائیں گے۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کسی دن یہ تو نہیں سوچنے لگیں گے کہ آپ کا فیصلہ غلط تھا۔"

"تمہیں مجھ پر یقین نہیں آتا؟"

وہ بولی "جب آپ میرے سامنے ہوتے ہیں تو میرے لئے توہمات بھی حقیقت بن جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ میری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو مجھے انتہائی قابلِ یقین باتیں بھی خواب و خیال محسوس ہونے لگتی ہیں۔ کاش! آپ ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہ سکتے۔ میں ابھی آپ کی آمد سے پہلے یہ سوچ رہی تھی کہ شاید آپ کسی اور محاذ پر جا چکے ہیں۔"

کلاڈیوس تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا، پھر اُس نے کہا "اگر میرے اختیار میں ہو تو میں ایک لمحہ کے لئے بھی تم سے دور رہنا پسند نہ کروں، کاش! ہم کسی ایسے دور افتادہ جزیرے میں پیدا ہوتے جو ایران و روم کی جنگ کے اثرات سے محفوظ ہوتا لیکن ہم وقت کے طوفانوں کے سامنے بے بس ہیں۔ موجودہ حالات میں ہم زیادہ سے زیادہ یہ تمنا کر سکتے ہیں کہ یہ جنگ کسی دن ختم ہو جائے گی اور پھر زمانے کی ہر کروٹ ہماری خواہشوں کے مطابق ہوگی۔"

انطونیہ نے کہا "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

کلاڈیوس نے مغموم لہجے میں کہا "تمہارا خیال درست ہے۔ انطونیہ میں ایک ہفتہ کے اندر اندر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ دشمن وادیٔ نیل کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ شمال مشرقی سرحد کے سپہ سالار نے دشمن سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے تمام شہروں سے کمک مانگی ہے۔ مجھے اسکندریہ پہنچتے ہی وہاں سے روانہ ہونے والے چند دستوں کی کمان سونپی گئی تھی۔ اور میں یہ وعدہ کر کے دو دن پہلے وہاں سے روانہ ہوا تھا کہ بابلیون سے ہو کر محاذ پر پہنچ جاؤں گا۔ اگر خدا نے ہمیں فتح دی تو میں باقی زندگی ایک لمحہ کے لئے بھی تم سے جدا ہونا پسند نہیں کروں گا۔"

انطونیہ نے کہا "تو میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ میں اپنی خوش نصیبی سے ڈرتی ہوں۔"

"تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے انطونیہ میں محاذِ جنگ سے فارغ ہوتے ہی یہاں پہنچوں گا اور پھر شادی کے معاملہ میں ایک دن کی تاخیر بھی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی۔"

انطونیہ نے کہا "اب آپ ایک ہفتہ یہاں ٹھہریں گے؟"

"ہاں اگر تمہارے والد نے کوئی اعتراض نہ کیا تو ایک ہفتہ کے لئے میں اِس گھر کی چاردیواری سے باہر جھانکنا بھی پسند نہ کروں گا۔"

انطونیہ کچھ دیر سر جھکائے سوچتی رہی، پھر اُس نے کلاڈیوس کی طرف دیکھا اور کہا "اگر کل بابلیون کے ...ندے ہمیں شوہر اور بیوی کی حیثیت میں دیکھیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔"

کلاڈیوس نے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے جواب دیا "نہیں بلکہ یہ میرے اُن ناقابلِ یقین سپنوں کی تعبیر ہوگی جو میں نے اپنے سفر کے دوران میں دیکھے ہیں لیکن میں تمہارے والد سے ایسی درخواست کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"آپ کو درخواست کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں انہیں سمجھا سکوں گی کہ میرے لئے ایک بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کا انتظار کرنا زیادہ آسان ہوگا۔"

"لیکن میں جنگ میں حصہ لینے کے لئے جا رہا ہوں اور ممکن ہے کہ میں زندہ واپس نہ آسکوں یا مجھے قیدی بنا لیا جائے۔ اور تمہیں تمام عمر یہ پتا نہ چلے کہ میں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں۔"

انطونیہ نے جواب دیا "ان حالات میں میرے لئے یہ مسئلہ اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ میں وقت کے بے رحم ہاتھوں سے مسرت کی چند گھڑیاں چھیننا چاہتی ہوں۔ اگر مستقبل مجھے کچھ اور نہ دے سکا تو بھی ان ساعتوں کی یاد میرے لئے ایک بہت بڑا سہارا ہوگی، کم از کم میں اپنے دل کو یہ تسلی دے سکوں گی کہ ان ایام میں آپ صرف میرے لئے تھے۔ لیکن میں ایسی باتیں کیوں سوچوں کیا قدرت نے آپ کو ایرانیوں کی قید سے نکال کر یہاں نہیں بھیجا تھا اور یہ ایک معجزہ نہیں تھا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آئندہ بھی آپ کی سلامتی کے لئے میری دعائیں رائگاں نہیں جائیں گی۔ میں اپنے دل میں یہ خیال تک نہیں آنے دوں گی کہ آپ

جنگ سے واپس نہ آئیں گے۔ اور ہمیں خوشی کی چند گھڑیاں عطا کرنے کے بعد خدا کی رحمت کے خزانے خالی ہو جائیں گے۔"

انطونیہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ کلاڈیوس کو سمجھانے سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

فرمس مکان میں داخل ہوا۔ اور وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کلاڈیوس سے مصافحہ کرتے ہوئے اُس نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "انطونیہ کے آنسو گواہی دے رہے ہیں کہ آپ اپنے چچا سے مایوس ہو کر آئے ہیں۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ "نہیں! میں مایوس ہو کر نہیں آیا، انطونیہ صرف اس بات سے پریشان ہے کہ میں ایک ہفتہ یہاں ٹھہر کر محاذ جنگ پر چلا جاؤں گا۔"

فرمس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تم یہاں آنے کی بجائے اسکندریہ سے سیدھے محاذ پر چلے جاؤ گے۔"

"میں اپنے چچا کی اجازت سے یہاں آیا ہوں۔"

انطونیہ نے کہا۔ "ابا جان! ان کی خواہش ہے کہ کل ہماری شادی ہو جائے۔ اور آپ کی بیٹی کے پاس تشکر کے آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں۔ نہیں! نہیں! میں جھوٹ نہیں بولوں گی یہ میری اپنی خواہش ہے۔ یہ مجھے سمجھا رہے تھے کہ ایک سپاہی کا جنگ سے زندہ واپس آنا یقینی نہیں ہوتا۔"

فرمس نے کہا۔ "عورتیں رونے یا ہنسنے کے لئے ہمیشہ ناموزوں وقت منتخب کرتی ہیں، اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ تم ایک دوسرے کے لئے ہو اور اگر کلاڈیوس کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میرے لئے یہ مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ تمہاری شادی کس وقت اور کن حالات میں ہوتی ہے۔ اگر یہ ایک ہفتہ کے بعد محاذ جنگ پر جا رہا ہے تو میں ایک لمحہ ضائع کرنا بھی پسند نہ کروں گا۔"

اگلے روز بابلیون کے ایک کشادہ گرجے کے اندر، چند مقامی معززین اور رومی افسروں کی موجودگی میں کلاڈیوس اور انطونیہ کی شادی کی رسوم ادا کی گئیں۔ اور چھٹے روز کلاڈیوس نے اپنی بیوی کو الوداع کہہ کر میدان جنگ کا رُخ کیا۔ پھر چند دن بعد محاذ جنگ سے رومی سپاہ کی شکست اور پسپائی کی خبر آئی۔ اور اس کے بعد بابلیون کے پریشان حال باشندے قریباً ہر روز اس قسم کی اطلاعات سننے لگے کہ آج ایرانیوں نے مصر کے فلاں قلعے یا فلاں شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور آج رومیوں نے فلاں مقام سے پسپا ہو کر فلاں مقام پر ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔

ایک شام فرمس انتہائی پریشانی کی حالت میں گھر پہنچا اور اُس نے اپنی بیٹی سے کہا۔ "آج خبر آئی ہے کہ ایرانی بلبیس کے قریب پہنچ چکے ہیں اور ہمارے سپہ سالار نے بابلیون میں بچے کھچے رومی سپاہیوں کے علاوہ چند مقامی دستوں کو بھی وہاں بلا لیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر رومیوں نے دوسرے شہروں کی طرح بلبیس کو بھی لڑے بغیر خالی کر دیا تو بابلیون تک دشمن کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ رومیوں نے ابھی سے اپنے بچوں کو اسکندریہ بھیجنا شروع کر دیا ہے اور اس مقصد کے لئے دریا کی تمام کشتیاں ضبط کر لی گئی ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رومی بابلیون کے مستقبل کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں اگر خدانخواستہ بلبیس میں شکست ہوئی تو وہ بابلیون کی طرف پسپا ہونے کی بجائے اسکندریہ کا رُخ کریں گے —— ان حالات میں، میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ تمہیں اسکندریہ پہنچا دیا جائے۔ میں ابھی ایک رومن افسر سے مل کر آیا ہوں اور اُس نے مجھے ایک کشتی میں جگہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لئے اب تمہیں سفر کی تیاری کرنی چاہیئے۔"

انطونیہ نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "نہیں! ابا جان، یہ کبھی نہیں ہو سکتا —— کلاڈیوس ضرور یہاں آئے گا اُس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ ابا جان! میں اسکندریہ نہیں جاؤں گی۔ ممکن ہے کہ وہ زخمی حالت میں یہاں پہنچے اور اُسے میری ضرورت ہو۔ وہ بابلیون کے حالات سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اگر اُس نے اس جگہ ہمارے لئے کوئی خطرہ محسوس کیا تو وہ یقیناً ہمیں یہ پیغام بھیجے گا کہ ہم اسکندریہ چلے جائیں۔ لیکن جب تک اُس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آتی میں اسکندریہ نہیں جاؤں گی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ یہاں آئے گا۔ وہ ضرور آئے گا۔"

فرمس کو انطونیہ کے الفاظ سے زیادہ اُس کے آنسو متاثر کر رہے تھے۔ اُس نے کہا۔ "بیٹی! میں نے صرف ایک مشورہ دیا تھا۔ تمہیں مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ میرے توہمات غلط ثابت ہوں۔"

چند دن بعد بابلیون میں کہرام مچا ہوا تھا کہ رومی لشکر بلبیس میں بھی شکست کھا چکا ہے اور فرمس قلعے

تلخ لہجے میں اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا۔ "تم نے اُس دن میرا کہنا نہ مانا۔ کاش! میں تمہارے آنسوؤں سے متاثر نہ ہوتا اور تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر کشتی میں ڈال دیتا۔ اب تمام کشتیاں جا چکی ہیں اور ہمارے لئے اسکندریہ پہنچنے کی صرف یہ صورت باقی رہ گئی ہے کہ ہم خشکی کے راستے گھوڑوں پر سفر کریں۔ انطونیہ اب سوچنے کا وقت نہیں رومی اب بابلیون نہیں آئیں گے۔ وہ شکست کھانے کے بعد اسکندریہ کا رُخ کر رہے ہیں۔ بابلیون کا حاکم بھی فرار ہو چکا ہے۔ اور مقامی فوج ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اب ہمارے لئے آخری موقع ہے ممکن ہے کل تک ہمارے لئے خشکی کے راستے بھی بند ہو جائیں۔"

انطونیہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "ابا جان! آپ جائیں لیکن میں نہیں جاؤں گی۔ میں کلاڈیوس کا انتظار کروں گی۔"

فرمس نے جھنجلا کر کہا۔ "بیوقوف لڑکی! معلوم ہے کہ دشمن تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ کیا تمہارے شوہر نے تمہیں شام اور فلسطین کے مفتوحہ شہروں کی داستانیں نہیں سنائیں؟ تمہارے آنسو صرف تمہارے باپ کو بیوقوف بنا سکتے ہیں، دشمن کی سرشت نہیں بدل سکتے۔ اگر تمہیں اب بھی یہ خیال ہے کہ کلاڈیوس یہاں آئے گا تو اُسے اطلاع دینے کے لئے میں اپنا نوکر یہاں چھوڑ جاؤں گا۔"

"ابا جان! میں صرف آج کا دن اُس کا انتظار کرنا چاہتی ہوں اگر وہ نہ آیا تو ہم کل یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ لیکن......"

"لیکن کیا؟" فرمس نے تلخ ہو کر پوچھا۔

"وہ ضرور آئے گا، ابا جان!"

اچانک صحن میں آہٹ سنائی دی، انطونیہ جلدی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی، سامنے کلاڈیوس گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا اور اُس کا لباس خون میں تر بتر تھا۔

انطونیہ چند ثانیے سکتے کی حالت میں اُس کی طرف دیکھتی رہی، اور پھر چیخیں مارتی ہوئی آگے بڑھی۔ کلاڈیوس نے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر لڑکھڑاتے ہوئے چند قدم اٹھائے لیکن اچانک منہ کے بل گر پڑا۔

کچھ دیر بعد کلاڈیوس نے آنکھیں کھولیں تو وہ کمرے کے اندر بستر پر لیٹا ہوا تھا اور انطونیہ، فرمس

بابلیون کا ایک طبیب اُس کے گرد کھڑے تھے۔

کلاڈیوس کے بائیں بازو کا زخم خاصا گہرا تھا۔ طبیب نے اُسے کسی تاخیر کے بغیر گرم لوہے سے ...نے کا مشورہ دیا۔

تین دن بعد جب کلاڈیوس شدید بخار کی حالت میں کراہ رہا تھا خسرو پرویز کے لشکر کے ہراول دستے بابلیون کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ اور فرمس انتہائی بے بسی کی حالت میں اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا۔ "انطونیہ! قدرت نے تمہارے شوہر کو بھیج دیا ہے لیکن اب ہم اسکندریہ نہیں جا سکیں گے۔ کاش! وہ سواری کے قابل ہوتا۔"

دس دن بعد کلاڈیوس ابھی اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوا تھا کہ کسریٰ کے سپاہی شہر پر فیصلہ کن حملہ کر چکے تھے۔

انطونیہ کے باپ اور شوہر کے سامنے مستقبل کی جو تصویر تھی وہ موت سے زیادہ بھیانک تھی لیکن انطونیہ اب بھی کسی معجزے پر یقین رکھتی تھی ــــ اور قدرت کا اس سے بڑا معجزہ کیا ہو سکتا تھا کہ عین اُس وقت جب کہ موت اپنی انتہائی بھیانک صورت میں ان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی، ایرانی لشکر کا ایک سالار جسے عام حالات میں اُن کا قاتل ہونا چاہیئے تھا ان کا دوست اور محافظ ثابت ہؤا۔

عاصم فرمس کے نزدیک ایک بہادر اور احسان شناس عرب تھا، کلاڈیوس کے لئے ایک معمّا تھا۔ لیکن انطونیہ کی نگاہوں میں وہ آسمان کے اُن ان گنت فرشتوں میں سے ایک تھا جنہیں قدرت بے بس انسانوں کی دستگیری کے لئے بھیجتی ہے۔